

سیارہ ڈائجسٹ

جولائی 2015

حکمت

رمضان گناہوں کی تلافی کا مہینہ

روزے کی حکمت

7MAD

WWW.PAKSOCIETY.COM

سیارہ ڈائجسٹ کی ایک اور عظیم الشان پیشکش

تاریخ اسلام نمبر

☆... اسلام ہی روشن تاریخ سے ایمان افروز اور روح پرور واقعات کا مجموعہ ہے۔ اس نمبر کے تاریخی واقعات کو نہایت غور و فکر اور تحقیق کے بعد مرتب کیا گیا ہے۔

☆... ان واقعات کو پڑھ کر نام اسلام کو اچھے طریقے سے سمجھ سکتے ہیں ایمان کا نور اور اطمینان قلب حاصل کر سکتے ہیں۔

☆... درجنوں عمدہ پر مشتمل تاریخی کتب کا پچوڑ ایف بی خاص نمبر میں ملاحظہ فرمائیں۔

☆... خود پڑھیں، یاد رہے، ہوں تو ضرور پڑھائیں۔

قیمت - 175/-

سیارہ ڈائجسٹ 240 ریواژ کارڈن لاہور۔
فون: 0423-7245412

Scanned By Amir

القرآن

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورۃ الانعام

اے محمد! جن سے پوچھو کیا تم اللہ کو پوچھو کہ ان نوپکاریوں جو نہ تم میں سے
 نہ سے تبتے ہیں نہ نقصان اور جگہ اللہ! میں یہ جارا ستہ دکھا چکا ہے تو کیا اب ہم
 اُنسے پاؤں پھر جائیں؟ کیا ہم اپنا حال اس شخص کا مرا کر میں جسے شیطانوں
 نے صحرائیں بھٹکا دیا ہو اور وہ حیران و سرگرداں پھر رہا ہو۔ دریاں جسٹے نہ ان
 کے ساگی اسے پکار رہے ہوں کہ ادھر آ یہ سیدھی راہ سو ہو دے؟ انہو حقیقت
 میں صحیح رہنمائی تو صرف اللہ ہی کی رہنمائی ہے اور اس کی طرف سے ہمیں یہ خبر
 ملا ہے کہ مالک کائنات کے آگے مطاعت خم کرو نماز قائم کرو اور اس کی
 نافرمانی سے بچو اسی کی طرف تم سینے جاؤ گے۔ وہی ہے جس نے آسمان و
 زمین کو برحق پیدا کیا۔ ہے اور جس دن وہ کہے گا کہ حشر ہو جائے اسی دن وہ
 ہو جائے گا۔ اس کا ارشاد یمن حق ہے اور جس روز صور پھونکا جائے گا اس روز
 بادشاہی اسی کی ہوگی وہ غیب اور شہادت ہر چیز کا عالم ہے اور دانا اور باخبر

←

(آیات ۱۶۷) (حوالہ تفہیم القرآن از مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی)

الحديث

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مغص بھوکے پیاسے رہنے کا نام روزہ نہیں

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے جس شخص نے (روزہ رکھنے کے باوجود) جھوٹ بات کہتا اور اس پر عمل کرتا نہیں چھوڑا تو اللہ کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں کہ وہ بھوکا اور پیاسا رہتا ہے۔
 تشریح: یعنی روزہ رکھوانے سے اللہ تعالیٰ کو مقصود انسان کو نیک بنانا ہے اگر وہ نیک ہی نہ ہو اور سچائی پر اس نے اپنی زندگی کی عمارت نہیں بنائی رمضان میں بھی باطل اور ناحق بات کہتا اور کرتا رہا اور رمضان کے باہر بھی اس کی زندگی میں سچائی نہیں دکھائی دیتی تو ایسے شخص کو سوچنا چاہئے نہ وہ آخر کیوں صبح سے شام تک کھانے اور پینے سے رُکا رہا۔
 اس حدیث کا مقصود یہ ہے کہ روزہ دار کو روزہ رکھنے کے مقصد اور اس کی اصل روح سے واقف ہونا چاہئے اور ہر وقت اس بات کو ذہن میں تازہ رکھنا چاہئے کہ کیوں کھانا پینا چھوڑ رکھا ہے۔
 (بحوالہ: فرمان رسول نمبر۔ سیارہ ڈائجسٹ)

لارن شمارے میں

2 قرآن ضیاء القرآن قرآن ایک عملِ صادقہ حیات ہے:

3 الحدیث اوارہ محض ہم سے پناہ دینے کا؟ مبرا زونکن:

14 دستک امجدی وکب خان پھر رشتوں کا ہمیشہ آیتا

48 ہنسی علاجِ غم ہے خاورِ قوم طنز و مزاح اور شہادتوں سے بھر پور دلچسپ لطائف!

49 نو و ظہیر: بیرونِ اختیار قلندر حسین سندھ ایسی بے مثال تحریروں کا گلدستہ جنہیں چھننے کے لیے درجنوں کتابوں کی عرق ریزی و رکارہ ہونی ہے!

63 کفالتِ ظہیر ہے... الخدمت اس مینا کے ساتھ کہ ہمارے معاشرے میں کوئی بھی نیم ہے مہاں نہ رہے۔ معاشرے کے نیم۔ ہمارے بچے، ہمارے ذمہ داری!



17

132 سونف..... کرشماتی دوا خلیفہ براہت نسیم

قدرت کے ہفت آداب انہی عینے ہرے میں مصدقہ نصیحتوں، جس کو استعمالِ غذائی غصے سے سادھ کر سادھ لیں اور ان کی کثرت لیا جاوے!

سیارہ ذابجست

جاوید اہلی

سب

69

ایک بڑ نصیب دو شیرہ کی کہانی جو حسیں زندگی کا خواب لیکر گھر سے نکلی تھی

Scanned By Amir

75 اللہ کا وعدہ نوشتا یہ اختر ایک مسرت کی کہانی جو نصرت و امت کا جینا ہے ممتا و محبت کا جیسا!

87 مراقبہ اور اسکی اہمیت و افادیت حاسب مراقبہ اسکی فہم سے بڑھ کر سب انسان سے بڑھ کر اسکی فوٹو اسکی کا جیسے بن سارا اس میں کی کہانی حلقہ جنت کی مگر صبر و استقامت کی

91 قاتل آن لائن حافظ سعید بدیدہ دور کے عزموں کی کہانی جو لپوٹو پر جنگ لڑتے ہیں

125 مقابلہ صغیر طلال مہربانوں کے ایک مقابلے کی ازوداد، مہربانوں کے لیے یہ جتنا فخر و شکر کی مہربانوں کی ازوداد، مہربانوں کے لیے یہ جتنا فخر و شکر کی

135 حصار شفقت طاہرہ ایبٹین کی کہانی بس ہی آنکھوں میں ایک نظر نظر مہربانوں کی کہانی بس ہی آنکھوں میں ایک نظر نظر مہربانوں کی کہانی بس ہی آنکھوں میں ایک نظر نظر

161 سکون نے بارے میں دلچسپ حکایات محمد وارث سکون نے بارے میں دلچسپ حکایات سکون نے بارے میں دلچسپ حکایات سکون نے بارے میں دلچسپ حکایات

خواتین کارنر

177

سیارہ چمن کارنر

تجربہ کارنر

179

177

سیارہ چمن کارنر

تجربہ کارنر

179

121

عوام کے سہلے مسائل

تجربہ کارنر

121

عوام کے سہلے مسائل

تجربہ کارنر

- 163 ماں جی ضرغام محمود
ماں بیٹے کی کہانی، جو ایک دوسرے کے لیے جینے کا سہارا تھے!
- 170 حساب ایس اتیار احمد
ذہنی شاطر کی کہانی جو دو افراد کو یک وقت بے وقوف بنا گیا تھا!
- 181 بزم شاعری ادارہ
بذوق قارئین کے کلام و انتخاب پر مبنی مقبول ترین مسند!
- 187 حکایت کہانی محمد نسیم اختر
دو مردوں کی کہانی۔ وہ دونوں مختلف طریقوں سے زندگی گزارنے پر یقین رکھتے تھے اور خواہ مخواہ بہت کرنا چاہتے تھے!
- 191 ہوو گجر محمد سجاد میرانی
مذہب مزاح سے جھڑپوں پر مشتمل تحریر!
- 199 چکنے پات لیونی کیلی
دو بوڑھی عورتوں کا فسانہ، وہ ننھے بچوں میں اپنا بچپن تلاش کرتی تھیں

195

"گلابرف ورلڈ چیمپئن بنا ہے"

حزہ اکبر



محمد یعقوب بھٹی

97 عزت کار کھوالا نواز خان

"اس معاشرے کی کہانی جس میں عورت کو وہ حیثیت نہیں دی جاتی، جس کی وہ حق دار ہے۔ لیکن کبھی کبھی اس خاص معاشرے میں وہ لوگ بھی پیدا ہو جاتے ہیں جن کی غیرت عورت کیساتھ یہ سلوک گوارا نہیں کرتی۔"

42 قصے لاہور کے

لاہور کی پرانی یادیں برسوں پرانے قصے اور اہل ہونے کے پیرو پیداوار کے کارنامے!

مہر اقبال

205 انا کی زنجیر

شیراز

ایک نوجوان کی کہانی جس نے جذبات کا مادہ پرست معاشرے میں وفا سونے نہ تھا

جلد 52 نمبر 7 اپریل 2015ء

رکن آل پاکستان نئے ذہن رسوائی

www.facebook.com/sayaradigest
Email: editorsayyara@yahoo.com
sayyaradigest@gmail.com
editorsayyara@hotmail.com
Phone: 92-042-37245412
Mobile: 0300-9430206

مستقل! بیت کی حامل معیاری اور شگفتہ تحریریں

سپارہ ڈائجسٹ

مدیر اعلیٰ: امجد روف خان
مدیر منتظم: کامران امجد خان

مدیر: محمد طاہب

معاون مدیران: جمیہ کامران - روفی خان - فرحان امجد

سرکولیشن منیجر: بشیر احمد

0333-4207884

مارکیٹنگ منیجر: محمد طاہب

گراؤتھ ایڈیٹر: طاہرہ انور

نگران پرنٹنگ: خالد محمود

طابع: اللہ واپس پرنٹرز شاہراہ قائد اعظم لاہور

0333-4207684

لاہور: نیر احمد خان

0300-4144781

حیدرآباد: عارف محمود

شعبہ اشتہارات

0321-3758492

پٹی: محمد نادر مرزا

شکوہت اظہارہ زینت خوری
پیشکش مشاورت

انٹرنیٹ پر دستیاب شدہ تمام مواد سے چھپایا گیا ہے۔
240 روپے قیمت

قیمت
80 روپے

اظہار خیال

السلام علیکم!

بعد آداب کے عرض یہ ہے کہ ماہ اپریل 15ء کے شمارہ میں آپ کے ایڈیٹر صاحب کو ایک خط لکھا تھا جس میں صغیرہ بانو شیریں کے انتقال کی خبر دی تھی کیونکہ ان کا نام برابر مجلس مشاورت میں چھپ رہا تھا۔ نام تو ان مرحومہ کا مجلس مشاورت سے خارج کر دیا گیا مگر آپ لوگوں کو چاہئے تھا کہ ان کی مغفرت کے دو الفاظ چھاپ دیتے۔ اب معلوم ہوا کہ آپ کے ڈائجسٹ میں صرف آپ کی تعریف اور خوشامد کے خطوط چھاپے جاتے ہیں کیونکہ میں نے آج تک کوئی تشیدی خط نہیں پڑھا۔ کیونکہ میں نے ایڈیٹر صاحب کو جو خط لکھا تھا اس میں کتابت نبی بے شمار غلطیوں کی نشاندہی کی تھی۔

اب آئیے کہ بہت اہم مسئلہ پر پردہ فسر غلام رسول صاحب صفحہ نمبر 133 پر ایسا ہی جہول کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ اپنے سر پر کے باپ کو آواز دیتے ہیں تو وہ قبر سے باہر آ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ یہ معجزہ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے عطا کیا تھا۔

ایسا پیرہ خواہ وہ کتنی بھی طاقت و ریاضت رکھتا ہو کسی مردے کو زندہ نہیں کر سکتا ایسا ایک واقعہ نہیں ہے اپنے بچھنے ماہنامہ میں بھی لکھا تھا پتہ نہیں وہ کہاں سے یہ معنومات حاصل کرتے ہیں نہ ہی کوئی کتاب کا حوالہ دیتے ہیں پتہ نہیں کہ روح جسم سے نکلے اور زبان سے نکلے بات اور لہان سے نکلتی ہے بھی واپس نہیں آتے میں اس مسئلہ میں حقیقی صاحبان سے رجوع کر رہا

جان کا نذرانہ دینے والے

محترم جناب میرا علی صاحب
السلام علیکم!

وہا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حفظ و امان میں رکھے (آمین) اور شکر گزار ہوں کہ تحریروں کو اشاعت کا موقع نصیب ہو رہا ہے۔ سانحہ صفورا گوٹھ نے ہر پاکستانی کو ہر درد مند دل رکھنے والے کو لرزہ دیا تھا اس سے کل بھی کئی لرزہ خیز واقعات رونما ہو چکے ہیں لیکن بحیثیت قوم ہم پاکستانی ہر سانحہ پر اتحاد و یکم و ضبط کا مظاہرہ کرتے آئے ہیں کیونکہ دشمن ہماری تاریخ سے ناواقف ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ پاکستان بنانے والوں کی ولادین پاکستان کی تفسیر و ترقی کے لئے ایڈیٹریوں کے نذرانے پیش کرنے کو تیار ہیں۔

انشاء اللہ قربانیاں، اینٹیاں نہیں جائیں گی ہم مرزوں ہوں گے اور بہت جلد سرخرو ہوں گے۔ دشمن کے ناپاک عزائم جلد خاک میں ملیں گے۔ انشاء اللہ۔ سلام ان لوگوں کو جن کے سرفروش بننے وطن کی حفاظت میں جانوں کے نذرانے پیش کر رہے ہیں۔ سلام ان پر جو دشمن کے ناپاک عزائم ناکام بناتے ہوئے جام شہادت نوش کر رہے ہیں۔

ایک مگر یاد اور دل نرد ہوں امید ہے شائع ہونے لگی۔

(نیز رضاوی)

تعمیراتی خطوط

محترم جناب امجد رؤفہ خان صاحب

Scanned By Amir

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو مائیل لنک ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ پیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شرک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

← ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

اسی وجہ سے بعد ازاں سیاستدانوں نے مل کر ممبر اسمبلی بننے کے لئے عائد بی اے ڈگری کی شرط ختم کر دینی مجھے یہ بات مبہم نہیں ہو رہی کہ درجہ چہارم کے ملازم کے لئے تو تعلیم کی شرط عائد ہے مگر جن لوگوں نے قانون سازی کرنی ہے ملک کا نظم و نسق چلانا ہے خارجہ پالیسی ترتیب دینی اور پالیسیاں بنانی ہیں ان کے لئے تعلیم کی کوئی شرط نہیں..... کیوں؟ ہمارے ہاں جاہل پڑھے لکھوں پر حکومت کر رہے ہیں ایک لطیفہ ہے کہ ایک حاجی ممبر اسمبلی بن گئے تو ان کے پاس بہت سی فائلیں آئیں وہ گھبرا گئے اور جانچنے اپنے ایک دوست سے مشورہ لینے۔ دوست نے کہا کہ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی آپ کے پاس جو بھی قابل آئے آپ اس پر محض سین (Seen) لکھ دیا کریں۔ دوست نے دوست کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے تمام فائلوں پر "س" لکھ دیا اب آگے جو کچھ ہوا وہ مٹلی نہ ہے۔ یہ ملک اسی طرح چمٹا رہے گا۔

اب تاریخ جنرل راضی کو تک رہی ہے وقت فوج کے ہاتھ میں ہے قلوب خدا ان کے لئے بدست دعا ہے تاخیر نہ کریں کچھ کر گزریں ملک داؤ پر لگا ہے اظہار خیال کے صفحات پر صفحہ بانو شیریں صاحبہ کے متعلق پڑھا کہ وہ انتقال کر گئیں ہیں ان اللہ وانا الیہ راجعون۔ پھر یہ پڑھ کر چونکا کہ وہ تو ابھی تک سیارہ وڈائجسٹ کی مجلس مشاورت میں فعال ہیں۔ ہاں! شہر یار اسلم نے نواز خان اور میرے سلسلے کو خوب سراہا ہے میں الفاظ کا متلاشی ہوں کہ ان کا شہر یہ ادا کروں لیکن اتنی بساط کہاں۔ ان کے لئے نیک خواہشات۔

(قنڈر حسین سید)



اسلام علیکم ایساہ وڈائجسٹ کا شمارہ جون ملا۔ خوشی ہوئی۔ جناب امجد رؤف خان صاحب دستک کے صفحات پر جن حقائق کا احاطہ کرتے ہیں وہ ہمارے لئے لمحہ فکریہ ہوتے ہیں لیکن ان پر کون کان دھرتا ہے۔ حکومت اپنے اقتدار میں من سب اچھا ہے کا راگ الاپ رہی ہے۔ عوام بیچاری جائے بھار میں۔ مسلم لیگ ان پہنے بھی دو دفعہ اقتدار میں آ چکی ہے لیکن اپنی ناکام پالیسیوں کی وجہ سے اپنی مدت حکومت پوری کرنے سے پہلے کسی دوسری قوت نے آ کر اس کو گھر بھیج دیا آخر کیوں؟ ملک میں آج بھی وہی حالات ہیں مہنگائی، لوڈ شیڈنگ، کرپشن، دہشت گردی نے ایک عام آدمی سے جینے کا حق بھی چھین لیا ہے۔ ابھی پچھلے دنوں ڈسکہ میں پولیس نے دو وکیلوں کو فائرنگ کر کے مار دیا ان میں ایک تو وہاں بار کا پریذیڈنٹ تھا اس سے پورے ملک میں احتجاج کی آگ بھڑک اٹھی۔ حکومت نے انکو آری کمیشن بنا دیئے بھلا پہلے انکو آری کمیشنوں کا کیا بنا؟ 1971ء میں سقوط ڈھاکہ ہوا کمیشن بنے پھر کیا ہوا.....؟

جانکیہ نے کہا تھا کہ "اگر کسی سنگین مسئلہ کو دبانے کا مقصود ہو تو اتنی نروازا کہ مسئلہ اس گروٹی تہہ سے دب کر نگاہ سے اوجھل ہو جائے۔" ہمارے ماں روز ایک نیا سکیڈل ہوتا ہے آج کان جعلی ڈگریوں کے سکیڈل کا ٹریڈر چل رہا ہے آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا.....؟

جب مشرف دور میں ممبر اسمبلی بننے سے لئے بی اے ڈگری کی شرط عائد کی گئی تو بہت سے سیاستدان جعلی ڈگریاں حاصل کر کے اسمبلیوں میں پہنچے مگر جب ڈگریاں چنچ ہوئیں اور تحقیقات کی گئی تو بہت سے شرفا کے چہرے بے نقاب ہو گئے۔



رمضان مبارک

اوقات سحر و افطار ۱۲، ۳، ۶، ۱۲، ۳، ۶
جون / جولائی 2015



Scanned By Amir

سپارہ رمضان

تیسرا عشرہ نجات

رقبہ نماز	شعبان	جمادی	رمضان المبارک	تاریخ
7:19	3:25	09	21	بھارت
7:12	3:26	10	22	بھارت
7:12	3:26	11	23	بھارت
7:12	3:27	12	24	اتوار
7:12	3:28	13	25	سوار
7:11	3:29	14	26	منگل
7:11	3:30	15	27	پہ
7:11	3:30	16	28	بھارت
7:11	3:31	17	29	بھارت
7:11	3:31	18	30	بھارت

- 2 منٹ بعد : گوجرانوالہ
 11 منٹ بعد : ملتان
 3 منٹ بعد : سیالکوٹ
 13 منٹ بعد : پشاور
 29 منٹ بعد : کراچی
 2 منٹ بعد : اوکاڑہ
 15 منٹ بعد : ڈیرہ غازی خان
 6 منٹ بعد : راولپنڈی

لاہور سے
 دوسرے
 شہروں
 کا فرق

پہلا عشرہ رحمت

تاریخ	رمضان المبارک	جون	شعبان	وقت نماز
7:11	3:17	19	بھارت	
7:11	3:17	20	2	بھارت
7:11	3:17	21	3	اتوار
7:12	3:17	22	4	سوار
7:12	3:17	23	5	منگل
7:12	3:17	24	6	پہ
7:13	3:18	25	7	بھارت
7:13	3:18	28	8	بھارت
7:13	3:18	27	9	بھارت
7:13	3:18	28	10	اتوار

دوسرا عشرہ مغفرت

تاریخ	رمضان المبارک	جون	شعبان	وقت نماز
7:13	3:19	29	11	سوار
7:13	3:19	30	12	منگل
7:13	3:20	01	13	پہ
7:13	3:21	02	14	بھارت
7:13	3:21	03	15	بھارت
7:13	3:22	04	16	بھارت
7:13	3:22	05	17	اتوار
7:13	3:23	06	18	سوار
7:13	3:24	07	19	منگل
7:13	3:25	08	20	پہ



پھر رحمتوں کا مہینہ آیا ہے!

رحمتوں، برکتوں اور نجات کا مہینہ ”رمضان المبارک“ شروع ہو چکا ہے۔ ملک بھر میں رمضان کے حوالے سے جوش و جذبہ نظر آ رہا ہے۔ سڑکوں، بازاروں، قروٹ شاپس، اسٹورز اور ہفتہ بازاروں میں لوگوں کی بھیڑ اٹھ آئی ہے۔ کوئی کونہ ایسا نہیں جہاں خریداروں کا رش نہ ہو۔ بڑے اور نامی گرامی جنرل اسٹورز اور مشاپنگ مارکیٹس کے باہر تک لگی ہوئی لوگوں کی لمبی لمبی قطاریں دیکھ کر یوں لگتا ہے، جیسا سامان مفت بانٹا جا رہا ہو۔ رمضان عبادت کے لئے بہترین مہینہ مانا جاتا ہے اس لئے اس ماہ عبادت کا ہر شخص خاص اہتمام کرتا ہے اسی لئے مساجد میں نمازیوں کا رش غیر معمولی حد تک بڑھ جاتا ہے۔ رمضان کی خوشی میں تقریباً ہر مسجد سج گئی ہے۔ بے شمار مساجد میں تعمیر، آسائش اور آرائش کا کام مکمل ہو گیا ہے۔ نئے پتھے، لائٹس اور کچھ مساجد میں اے سی ٹیک نئے لگائے گئے ہیں۔ الغرض مسلمانان پاکستان نے اس ماہ مبارک کے حوالے سے تمام تر تیاریاں مکمل کر رکھی ہیں، مگر..... ثواب سمیٹنے اور نیکیاں کمانے کی تیاریاں کرنے والوں کے ساتھ بہت سے ایسے پاکستانی بھی ہیں جنہوں نے اس مہینے کا فائدہ اٹھا کر لوٹ مار اور گران فروشی کا کاروبار گرم کرنے کی مکمل تیاری کر رکھی ہے اور وہ اس مہینے کے آغاز سے پہلے ہی کئی کئی ٹرنا قیمتیں بڑھا کر اپنا یہ کاروبار شروع کر چکے ہیں۔

ایک طرف دکاندار ہیں، جنہوں نے عید کی تیاریوں کے لیے اپنی دکانیں سجانی ہیں۔ نئی

Scanned By Amir

وراثتی آگنی ہے اور چونکہ عید ہے اور خوب منانی ہے... اس کے لیے خوب رقم بھی اکٹھی کرنی ہے سو جتنا بھی نفع ہو سکے کمالو۔ حیرت تو اس بات کی ہے کہ بڑی بڑی وازھیوں والے، خود کئی ویرن پر آ کر لوگوں کو ناجائز منافع خوری کے بارے میں نصیحتیں کرنے والے، احادیث سنانے والے خود کاروبار کر رہے ہیں۔ بلکہ دوہرا کاروبار کر رہے ہیں۔ ایک طرف بیٹی، ویرن جھنڈ پر انھوں نے اپنی ”دکانداری“ سجالی ہے اور دوسری طرف مردانہ و زنانہ گارمنٹس کے برانڈز لانچ کر کے عام قیمتوں کی نسبت کئی گنا زیادہ قیمتیں وصول کر رہے ہیں۔ ظاہر گئی اُن کا ایک نام ہے اور یہ اُن کا پورا حق ہے کہ وہ اپنے نام کی پوری قیمت عوام کی جیبوں سے نکلوائیں۔ تمام نصیحتیں اور وعظ ان کے لیے تھوڑی ہی ہیں۔

رمضان کی آمد کے ساتھ ہی کچھ اور غیر معمولی تبدیلیاں بھی مشاہدے میں آرہی ہیں۔ جیسے مساجد کے دروازوں پر فقیروں کے رش میں اضافہ، اخبارات میں فطرانہ، زکوٰۃ اور مانی امداد کے اشتہارات کی بھرمار، ٹی وی پر رمضان کے خصوصی پروگرامز میں شرکت کی ڈھیر ساری دعوتیں۔ پانچ، دس اور چند روزہ تراویح کے اعلانات، سڑکوں کے کنارے ہو رڈنگز پر لان کے کپڑوں کا ’عید اسپرٹل کمپین‘ اور... کچھ آپ کے ساتھ ساشوں، گھی اور تیل کے ڈبوں کے ساتھ مفت کٹری و فروزن آئٹمز کے ساتھ نمکو کی انعامی اسکیموں کے اجبار... یہ سب دراصل اس مہینے کے فیوض و برکات ”سمیٹنے“ کی کوششیں ہی تو ہیں۔

انہوں کہ ہم مسلمان قوم کہلاتے ہیں اور رمضان میں روزے رکھتے ثواب کمانے کی امید بھی رکھتے ہیں مگر ہم نے ماہ رمضان کو حقیقت میں دوسروں کو ٹوٹے اور نیکی کے پردے میں دولت سمیٹنے کا ذریعہ سمجھ لیا ہے۔ ہم غیر مسلم اقوام سے بھی سبق نہیں سیکھتے۔ ان ممالک میں جب ان کے مذہبی تہوار آتے ہیں تو قیمتیں اس قدر کم کر دی جاتی ہیں کہ ہر شخص اس سے فائدہ اٹھا سکے نہ کہ اس موقع پر قیمتوں کو دو گنا تین گنا بلکہ کئی گنا بڑھا دیا جاتا ہے۔ کرس کے موقع پر تو امریکہ اور پورے یورپ میں قیمتیں اس قدر کم ہو جاتی ہیں کہ لوگ کئی کئی مہینے کی خریداری کر لیتے ہیں۔ مگر ہمارے ہاں رمضان اور عید سے قبل وہ ٹوٹ مار ہوتی ہے کہ خدا کی پناہ۔ اور ایسا ہر سال ہوتا ہے، ہر سال ہم ان ناجائز منافع خوروں کے ہاتھوں لٹتے ہیں کیونکہ انہیں روکنے والا کوئی نہیں۔

نجانے ہمارے ارباب اختیار کیوں ان منافع خوروں اور اس ماہ مبارک میں روزہ داروں کا استحصال کرنے والوں سے چشم پوشی کر لیتے ہیں؟۔ غالباً اُن کے اپنے مفاد ان سے وابستہ ہوتے

ہیں۔ حکومت ہر سال رمضان بیچ کا بھی اعلان کرتی ہے مگر معلوم نہیں کون لوگ ہیں جو اس سے مستفید ہوتے ہیں۔ اہم بات یہ ہے کہ صرف رمضان بازاروں میں ہی کیوں؟ آپ ہر جگہ ایک ہی نرخ کیوں مقرر نہیں کرتے۔ گیوں، بازاروں اور دکانوں پر لوٹ مار کرتے والوں کو من مانی کرنے کے لیے کیوں آزاد چھوڑ دیتے ہیں؟

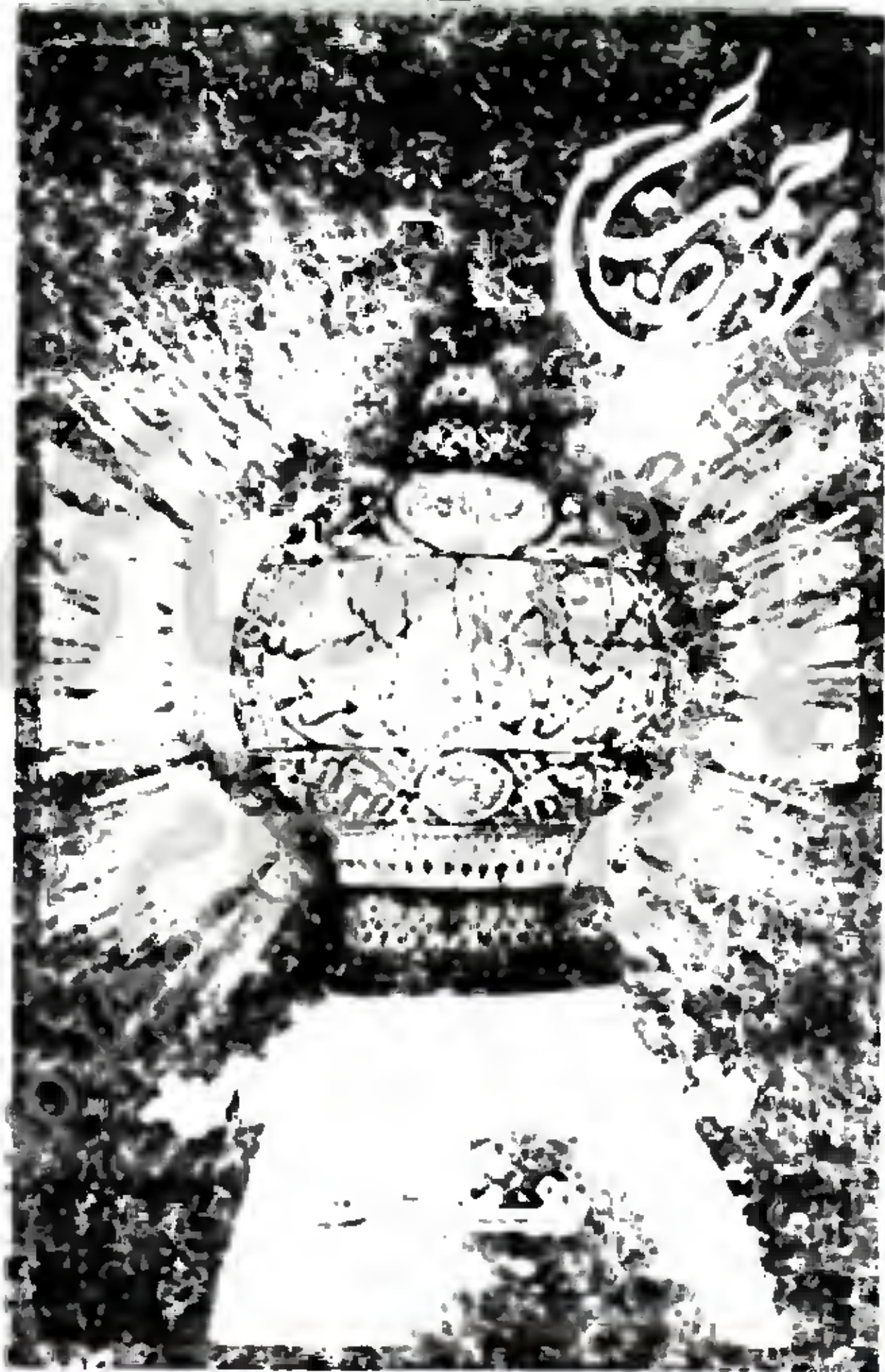
ہونا تو یہ چاہیے کہ ہر جگہ قیمتوں کی لسٹ آویزاں ہو اور حکومتی نمائندے اس لسٹ کے مطابق ہر جگہ اشیاء کی فروخت کو یقینی بنائیں۔ قیمتیں زیادہ وصول کرنے والوں کو سخت سزائیں دی جائیں اور اس سلسلے میں کسی سے بھی کوئی رعایت نہ برتی جائے۔ اس حوالے سے علمائے کرام کی بھی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ عام لوگوں میں شعور بیدار کریں اور ٹیلی ویژن پر بیٹھ کر محض لوگوں کو نصیحتیں کرنے والے اور خود نا جائز منافع خوری کرنے والے نام نہاد عالموں کو بے نقاب کریں۔

رمضان کا مہینہ اللہ کو راضی کرنے، اپنے گناہوں کو بخشوانے اور نیکیاں سمیٹنے کا موقع لیکر آتا ہے۔ اس بابرکت مہینے کو نا جائز منافع خوری سے ضائع مت ہونے دیں بلکہ اپنے مسلمان بھائیوں کا جس قدر بھلا کر سکتے ہیں، کریں..... یہی اس مہینے کا تقاضا ہے!

(امجد رؤف خان)



ڈاٹ کام



Scanned By Amir



ڈاکٹر میر پونس

رمضان: گناہوں کی تلافی کا مہینہ

ماہ رمضان ایک معزز مہمان ہے۔ کیا ہی اچھا مہمان ہے: یہ معزز مہمان بھی ہے اور محترم و مکرم ملاقاتی بھی۔ جو ایک سال کے طویل وقفے کے بعد ہمارے دروازے پر دستک دیتا ہے۔ یہ ایک شوقِ عظیم ہے جس کی طرف دل لپکتے ہیں۔ گناہ گار اس کے منتظر رہتے ہیں تاکہ اس کے بابرکت لمحات میں گناہوں سے تائب ہو جائیں۔ عبادت گزار اور اطاعت شعار لوگ اس کا انتظار کرتے ہیں تاکہ اپنی عبادت و اطاعت میں اضافہ کر سکیں۔ اس ماہ مبارک میں دن کو صیام، رات کو قیام، شب و روز کے اوقات میں اعمالِ صالحات، آلودہ نفس کا تزکیہ، زنگ آلودہ قلب کا تصفیہ، شرح صدر اور اصلاح احوال، رحمت رب کا حصول، مغفرت رب کا نزول، جہنم سے آزادی، آتش دوزخ سے نجات، رب کی خوشنودی و رضامندی اور اعمالِ صالح کی قبولیت و مطلوبیت کے قابل رہک، لمحات امت مسلمہ کو سال بھر کے وقفے سے میسر آ جاتا، رب کی بے پایاں رحمت کا کرشمہ ہے، یہ سنہری لمحات ہر صاحب ایمان کے لئے اپنی محرومیوں کو دور کرنے، کمیوں کو پورا کرنے، رب سے لولگانے، شیطان سے جان چھڑانے اور کامیاب کلمہ گو بننے اور کہلانے کا عظیم اور بینظیر موقع ہے۔ اس عظیم فرصت کو اپنے لئے غنیمت کا موقع بنانا ہر مسلمان کے اپنے اختیار میں ہے۔ مومن کو اس مہینے میں اپنے ساتھ اپنے اہل خانہ کے ساتھ اپنے احباب و اقارب اور محلہ و بستی کے ساتھ اپنی قوم و ملت کے ساتھ اور سب سے بڑھ کر اپنے خالق و مالک کے ساتھ اخلاص و خلوص، وفاداری و وفا شعاری اور نصیحت و خیر خواہی کا مظاہرہ کرنا ناگزیر ہے۔ اس ماہ عظیم کو دیگر مہینوں کے معمولات کی طرح گزار دینا بہت بڑی اور ناقابلِ تلافی محرومی ہے۔ معلوم نہیں یہ اوقات مبارک، یہ لمحات بابرکت، یہ نیکیوں کا موسم، بہار، یہ رب کی عطاؤں، عنایتوں، مہربانوں، بخششوں اور نعمتوں، ثروتوں کا بے مثل مہینہ اگلے برس کے نصیب ہوتا ہے! لہذا مومنانہ فراست کا تقاضا یہ ہے کہ اس ماہ عظیم کو اپنی زندگی سنوارنے اور کامیاب و کامران بنانے کا آخری موقع تصور کیا جائے۔

خالص اور مضبوط عزم و ارادہ

نیت خالص اور درست کر لی جائے کہ بہت سے چھوٹے چھوٹے اچھے اور نیک کام بھی حسن نیت سے اجر کے اعتبار سے پہاڑ بن جاتے ہیں۔ مگر پہاڑ جیسے اچھے کام نیت کی خرابی سے رائیگاں چلے جاتے ہیں۔ وقت کا ضیاع اس مہینے میں مومن کے لئے بہت بڑے نقصان کا سبب ہے اور اس کا درست اور بھرپور استعمال اجر عظیم اور فلاح کبیر کا ضامن ہے۔ بہت سی حلال، مباح اور جائز معروfiات میں وقت

Scanned By Amir

گزارشی کے بجائے نگاہِ ارفع اور اعلیٰ اعمال صالح پر رکھی جائے۔

یہ موقع خوش نما لباس خریدنے، بنانے اور اظہاری میں انواع و اقسام کے دسترخوان سجانے کا نہیں ہے۔ یہ سامان اظہاری کی ہنگے نرخیوں پر فراہمی کے ذریعے چند روپے کمالینے کو غنیمت سمجھنے کا موقع نہیں۔ یہ اپنی قسمت بدلنے، رحمانات کو تبدیل کرنے، روش زندگی کو با مقصد بنانے، دنیوی امتحان گاہ میں شرکت کے موقع کو آخری کجھ کر کامیابی کے لئے پورا زور صرف کرنے کا موقع ہے۔ خطرات و خدشات میں گھرے اس موقع سے بحفاظت و سلامتی باہر نکل آنے کے لئے بھرپور تہمت کی منصوبہ بندی چاہئے۔ ایسی منصوبہ بندی ماہِ رمضان کے 30 روز و شب تک محدود نہ ہو بلکہ زندگی کے لئے نفس و کردار کی دائمی تہدیبی کا مستقل عنوان بن جائے۔

هدف کا تعین اور اس کو لغو جدوجہد

رمضان کے مقاصد و مطالب کے حصول کے لئے رمضان میں ذاتی معمول بنالینا مفید ہوتا ہے۔ منتشر امور و معاملات کو سینٹا اور جمع کرنا لحاظ سعادت سے حقیقی طور پر مستفید ہونے کا سبب بن سکتا ہے۔ زندگی بھر انسان ترقی و کامیابی کے بے شمار خواب دیکھتا اور ان کی تعبیر پانے میں کوشاں رہتا ہے۔ صاب فراست مومن کے لئے لازمی ہے کہ وہ بھی ایک خواب دیکھے، سہانا خواب، کامیابی و کامرانی کا خواب، ترقی و خوشحالی کا خواب، یعنی جنت کا خواب! ہم بہت سی عبادات، اعمال طاعات اور کارہائے صالحات انجام دئے جا رہے ہوتے ہیں مگر پیش نظر کوئی مقصد اور نصب العین نہیں ہوتا، کوئی ہدف اور منزل نہیں ہوتی، اگر کسی بڑے خواب کی تعبیر پانے کی غرض سے یہ جدوجہد کی جائے تو وہ خواب جنت ہی ہو سکتی ہے۔ حصول جنت سے بڑھ کر منزل کیا ہو سکتی ہے۔ رب کی خوشنودی سے بڑی کامیابی کیا ہو سکتی ہے۔ قرب خداوندی سے بڑا مرتبہ کیا ہو سکتا ہے، جنت کے خواب سے اعلیٰ اور برتر خواب کیا ہو سکتا ہے۔ جنت کا حصول، رب کی رضا جوئی سے ممکن ہے اور رب کی رضا کا حصول، مزاوار جنت ہونے کا نام ہے۔ کاش! ہم دنیاوی زندگی کے چھوٹے چھوٹے خوابوں سے نکل کر حصول جنت اور خوشنودی رب کا عظیم خواب دیکھیں پھر اس کی تعبیر کو ممکن بنانے کے لئے مصروف عمل ہو جائیں تمام چھوٹے اور عارضی اساس رکھنے والے خوابوں پر اسی عظیم اور دائمی خواب کو ترجیح اور اولیت میں تاکہ اپنی منزل اور ہدف کو پالیں۔

محرومیوں کا ازالہ بھرپور جذبہ کیساتھ

خسارے کی صورت حال سے دوچار کاروبار سے نکلنے کے لئے جہاں چند نئے امور ناگزیر اور لازمی ہوتے ہیں وہیں ماضی کی کوتاہیوں سے نہ صرف دست کش ہونا ضروری ہوتا ہے بلکہ ان کوتاہیوں سے پیدا ہونے والی محرومیوں کا ازالہ کرنا بھی ناگزیر ٹھہرتا ہے۔ رمضان مومن و مسلم کو یہ موقع فراہم کرتا ہے کہ وہ اپنی کوتاہیوں اور محرومیوں کا ازالہ بھرپور طریقے سے کر سکے۔ اس نئی زندگی کی کامیابی کا انحصار

ماہی کی تلافی پر ہے۔ لہذا انسانی معاشرے کے بشری معاملات میں خطاؤں، لغزشوں اور کمیوں کو تباہیوں کو اپنے اعمال نامے کے بد نما واغ کے طور پر قبول کئے رکھنا یا ان پر کسی بے چینی اور اضطراب کا احساس نہ ہونا زندہ دل اور زندہ خمیر کی علامت نہیں۔ یہ موقع ہے کہ دلوں کے بند دریچوں کو وا کر لیا جائے۔ اپنے اور دوسروں کے درمیان بند دروازوں کو کھول دیا جائے۔ دوسروں کے بارے میں اپنے دل کو صاف و شفاف کر لیا جائے ان کے لئے دل میں محبت و مودت اور خیر و فلاح کے جذبات پیدا کئے جائیں۔ غم و درگزر اور رواداری و برداشت اور تحمل و تسامح کا رویہ اپنایا جائے۔ اس عمل کی انجام دہی کے دوران قرآن کی یہ آیت ہمیشہ مد نظر رہے۔ (ترجمہ) ”ووڑ کر چلو اس راہ پر جو تمہارے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف جاتی ہے جس کی وسعت زمین اور آسمانوں جیسی ہے اور وہ ان نذرات میں لوگوں کے لئے مہیا کی گئی ہے جو ہر حال میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں خواہ بد حال ہوں یا خوش حال جو غصے کو پی جاتے ہیں اور دوسروں کے قصور معاف کر دیتے ہیں ایسے نیک لوگ اللہ کو بہت پسند ہیں۔“

قلب و نظر اور کردار و عمل کی صفائی

رمضان کا پہلا عشرہ رحمت کا عشرہ ہے۔ رب سے اس کی رحمت کا سوال کیا جائے۔ لہذا پہلے خود اس رحمت کو دوسروں کے لئے عام کیا جائے کیونکہ جو انسانوں پر رحیم نہیں ہوگا اللہ بھی اس پر رحم نہیں فرمائے گا۔ رب کے در رحمت پر دستک دینے سے قبل اپنی نرمی و ملامت اور رحم دلی کے دروازے پر دستک دی جائے اور وزوئین، عزیز و غانی ہر کسی کے ساتھ رحم کا معاملہ روارکھا جائے صلہ رحمی کر کے اللہ کی رحمت کا مستحق بنا جائے۔ خیر اور بھلائی صرف اپنے لئے ہی نہیں بلکہ دوسروں کو بھی اس کا حق دار سمجھا جائے۔ حسد و بغض اور کینہ و کدورت کو دلوں سے نکال باہر کیا جائے۔ دل کے اندر جو بھی سیاہی موجود ہے اس کو ایمان کے پانی سے دھو ڈالا جائے۔ اس میں تاریکی خاری رکھنے کے بجائے اسے روشن اور چمک دار بنا دیا جائے اور اسے بند و برتری اور اعلیٰ و ارفع خیالات کی آماجگاہ بنایا جائے۔ اسے قلب سلیم کا مطلوب اور قابل رشک روپ دے لیا جائے وہ قلب جو قیامت کے دن اٹل دل کو نفع دے گا۔

رمضان میں رب کے ساتھ اچھا معاملہ کرنے کی کوشش کی جائے۔ خود اپنے نفس کے ساتھ بھی اچھا معاملہ کیا جائے۔ اپنے غموں اور پریشانیوں، مصروفیتوں اور مشغولیتوں سے توکل علی اللہ کے سہارے باہر نکل آئے۔ کیوں کہ وہی واحد ذات ہے جو کاشف الغم اور مفرج الهم ہے جو اس پر توکل کرنے سے کبھی نقصان میں نہیں رہتا۔ انسان کو از خود اپنے اوپر عائد کردہ پابندیوں اور از خود پہنی ہوئی بیزیوں سے خود کو آزاد کرنا چاہئے۔ اپنے آپ کو الم و حزن کی قید سے چھڑالینا چاہئے۔ ان تمام چیزوں کے شر سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہئے یہ حبیب کبریٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت و اتباع ہے۔ آپ دعا کیا کرتے تھے۔

اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں فکر و غم سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں ناتوانی و سستی سے اور بچاؤ چاہتا ہوں تیرے ذریعے نکل اور بزدلی سے اور تیری پناہ میں آتا ہوں قرض کے غلبے اور لوگوں کے سخت

عفو و درگزر اپنے لئے بھی دوسروں کے لئے بھی

اصلاح حال اور تزکیہ نفس کا عمل اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک انسان دوسروں کو ایذا رسانی کی ذہنیت سے کامل طور پر دست بردار نہ ہو جائے لہذا کسی انسان کو تکلیف دینے، ایذا پہنچانے، اس کا حق مارنے، اس پر ظلم کرنے اور زیادتی کرنے کا تو ایک مومن سوچ بھی نہیں سکتا۔ یہاں تو ان لوگوں کے ساتھ بھی حسن سلوک اور عفو و درگزر کی تعلیم ہے جو انسان کو دکھ دے چکے ہوں، اس کا حق کھا چکے ہوں، اس پر ظلم ڈھا چکے ہوں، مومن ان کے غلط اعمال کو اپنے نیک اعمال کے لئے رکاوٹ نہیں بننے دیتا۔ مومن کا رویہ احسان ان کے لئے بھی عام ہوتا ہے۔ جو اس کی جان کے دشمن ہوں۔ ماہ رمضان موقع ہے ایسے لوگوں کے دلوں میں اتر جانے کا، ان کے نظریہ زندگی کو بدل ڈالنے کا، اپنی پارسائی اور فطری شرافت کو ان پر واضح کرنے کا، ان کا دل بدل ڈالنے اور روش زندگی کا رخ موڑ دینے کا!

دلوں میں کدورت، حسد اور بغض پیدا کرنے کا سب سے بڑا سبب غیبت اور چغلی ہے۔ ہمارے معاشرے میں یہ محفلوں اور مجلسوں کا مرغوب پھل بن گیا ہے۔ لوگ اپنی نشست و برخاست اور میل ملاقاتوں کے مواقع پر یہ پھل کھائے بغیر رہ نہیں سکتے لیکن اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان معلوم رہنا چاہئے کہ (ترجمہ) ”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، بہت گمان کرنے سے پرہیز کرو کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ تجسس نہ کرو اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ کیا تمہارے اندر کوئی ایسا ہے جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا؟ دیکھو تم خود اس سے گھن کھاتے ہو! اللہ سے ڈرو! اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحیم ہے۔“

غیبت سے بچنا اس لئے بھی ضروری ہے کہ ہم روزہ تو حلال رزق کھا کر رکھیں مگر افطاری غیبت جیسی حرام چیز سے کر لیں۔

رمضان جہاں دوسروں کو معاف کر دینے، درگزر سے کام لینے اور عفو و تسامح اختیار کرنے کا بہترین موقع ہے وہیں دوسروں سے اپنی کوتاہیوں اور خطاؤں کی معافی مانگ لینے کا بھی سنہری موقع ہے۔ اپنے بُرے اعمال کا اعتراف اور ان پر رب اور رب کے بندوں سے اعتذار کر لینا مومن کے ان اوصاف میں سے عظیم وصف ہے جنہیں قرآن نے بیان کیا ہے۔ یہ موقع ہے کہ قیامت کے روز دنیا کے ظلم و ظلمات بننے سے روک لیا جائے۔ اپنی نیکیوں کو دوسروں کے نامہ اعمال فی ذہنیت بننے اور ان کے ترازو کا وزن بننے کے بجائے اپنے ہی ترازو کے لئے محفوظ رکھا جائے۔ دوسروں کے گناہوں کو اپنے نامہ اعمال کا ثقل مزید بننے نہ دیا جائے لہذا موقع ضائع کئے بغیر متاثرین سے معافی مانگی جائے۔ زبانی کلامی اور تحریری و قلمی جس طریقے سے بھی ممکن ہو ان سے اپنے قصور کی بخشش کا سوال کیا جائے۔ دوسروں سے انسان کا

اعترافِ حق تفسیٰ اس کی اپنی عظمت و فضیلت اور دوسروں کے لئے درسِ حکمت ہے۔ ان کے دل اس عمل سے شاداں و فرحان ہو جائیں گے اور معافی کا خواستگار ان کی آنکھوں میں بہت بڑا بہادر اور انصاف پسند ٹھہرے گا۔ حق تفسیٰ کے مجرم کو فوراً ان سے معذرت کر لینا نہایت ضروری ہے۔ خصوصاً ان لوگوں سے اپنے ظلم و ناانصافی کی معافی لینا اشد ضروری ہے جن کے اوپر کئے گئے ظلم و ستم اور حق تفسیٰ نے انسان کی غینڈاڑا کر رکھ دی ہو۔ راتوں کا عین غارت کر دیا ہو ہر کروٹ کے ساتھ یہ احساس بیدار رہتا ہو رات آنکھوں میں گزر جاتی ہو رات بھر ضمیر ملامت کرتا اور جھنجھوڑتا رہتا ہو کہ اے انسان تو نے ان مظلوموں کے ساتھ کیا کیا تھا؟ رمضانِ ماضی کے غم میں جلا رہنے اور ماضی کی ناکامیوں کے احساس میں اپنے آپ کو مٹانے کے بجائے مستقبل پر نظر رکھنے اور اس کی تیاری اور منصوبہ بندی کرنے کا سبق دیتا ہے۔ ہمت اور حوصلے کو چار نہیں دس چاند لگا دیتا ہے۔ ناکامی کی جگہ کامرانی کا احساس پیدا اور نمایاں کرتا ہے۔ دل و ضمیر کو امیدور جا سے بھرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ حسرت و ندامت کے بجائے عزم و ہمت اور ارادہ و نیت کو عمل میں لانے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ ظالموں اور حق تفسیٰ کرنے والوں کو چھوڑ دینے، نظر انداز کرنے اور ان کے لئے ہدایت کی دعا کرنے کا وقت ہے۔ اگر وہ راہِ راست پر نہیں آتے تو جان رکھو کہ اللہ حاکم عدل ہے وہ ایک روز ان کے ظلم و ستم کا حساب لے کر رہے گا۔

ذاتی جائزہ و احتساب

رمضان وہ فرصت اور موقع ہے جس میں برائی سے ڈوری اور بھلائی سے دوستی میں نجات ہے۔ ہر مومن کو قرآن مجید کی ان دو آیتوں کی روشنی میں اپنا روزانہ جائزہ لینا ضروری ہے۔ (ترجمہ) "اے لوگو! جو ایمان لائے ہو رکوع اور سجدہ کر ڈالنے پر اپنے رب کی بندگی کرو اور نیک کام کرو اسی سے توقع کی جاسکتی ہے کہ تم کو فلاح نصیب ہو۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔ اس نے تمہیں اپنے کام کے لئے جن لیا ہے اور دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔ قائم ہو جاؤ اپنے باپ ابراہیم کی ملت پر اللہ نے پہلے ہی تمہارا نام مسلم رکھا تھا اور اس (قرآن) میں بھی (تمہارا یہی نام ہے) تاکہ رسول تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر گواہ۔ پس نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو اور اللہ سے وابستہ ہو جاؤ وہ ہے تمہارا مولیٰ بہت ہی اچھا ہے وہ مولیٰ اور بہت ہی اچھا ہے وہ مددگار۔"

(اصحیح: عدد 2011-2013)

کلام نبوی کی کرنیں

مولانا عبدالمنانک

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب رمضان کی پہلی رات آتی ہے تو شیاطین اور سرکش جنوں کو بیڑیاں پہنا دی جاتی ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ اس کا کوئی دروازہ کھلا نہیں رہتا اور جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور ان کا کوئی

Scanned By Amir

سیارہ ڈائجسٹ کس ایک اور فخریہ کاوش

لالہ زوال اسلامی واقعات نمبر

شائع ہو گیا ہے

قیمت 175 روپے

★ رسول خدا، خلفاء راشدین، صحابہ کرام اور صالحین کی قابل تقلید زندگیوں سے لیے گئے سنہری واقعات

★ دور نبوت، خلافت راشدہ اور تاریخ میں موجود عدل و انصاف کی عظیم روایات

★ مسلم خواتین کی ذہانت، متانت اور شجاعت کے حیرت انگیز قصے

★ دور جدید میں نئی نسل کے جذبہ ایمانی کو از سر نو تازہ کر دینے والے روح پرور واقعات

★ ہر مسلم گھرانے کی لائبریری کی زینت، نوجوانوں کے لئے مشعل راہ۔ دعاؤں کے ساتھ

سیارہ ڈائجسٹ 244 ریوازگارڈن لاہور۔ فون: 042-7245412

Scanned By Amir

دروازہ بند نہیں ہوتا اور بنانے والا آواز دیتا ہے..... اے خیر کے طلب گار! آگے بڑھ اور اے شر کے طلب گار! رُک جا اور اللہ تعالیٰ دوزخ سے لوگوں کو آزاد کرتے ہیں اور ایسا ہر رات ہوتا ہے۔ (ترمذی ابن ماجہ)

رمضان المبارک نزول قرآن اور نفاذ قرآن کا مہینہ ہے۔ شیطانوں اور سرکش جنوں کو بیڑیاں پہنانا یہ معنی رکھتا ہے کہ برائی پر آمادہ کرنے والوں اور اکسانے والوں کو قید کر دیا جاتا ہے تاکہ برائی ختم ہو جائے اور نتیجہ یہ نکلے کہ جہنم کے دروازے بھی بند ہو جائیں کہ اس میں جانے والا کوئی نہ رہے۔ اسی طرح نیکی کی طرف دعوت دینے والے فرشتے نیکی کی دعوت دینا شروع کر دیتے ہیں نیکی پر ابھارتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں یہ نعمت ان لوگوں کے لئے ہے جو روزے رکھیں اور اپنی نجات کا انتظام کرنا چاہیں لیکن جن لوگوں کو رمضان المبارک کی پروا ہی نہ ہو نہ وہ روزہ رکھیں اور نہ اسلام پر عمل کریں ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس مہینے میں بھی کوئی سہولت نہیں ہے البتہ وہ لوگ جو رمضان المبارک سے پہلے غفلت میں پڑے ہوں لیکن رمضان المبارک کی آمد پر غفلت سے بیدار ہو جائیں تو ان کے لئے رمضان المبارک کی برکتیں سایہ نکلن ہوں گی اور وہ بھی نیکیاں کما کر اور برائیوں سے رُک کر اپنی آخرت سنوار سکتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آگیا تمہارے پاس رمضان یہ مبارک مہینہ ہے! اللہ تعالیٰ نے تم پر اس کا روزہ فرض کیا ہے۔ اس میں آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور سرکش شیطان باندھ دیئے جاتے ہیں اس میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینے سے بہتر ہے جو اس رات کی خیر سے محروم رہا تو وہ محروم ہو گیا۔ (احمد نسائی)

ایک ات کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر ہوتی پھر اس رات عبادت نہ کرنا اسی نقص کا کام ہو سکتا ہے جو ہر خیر سے محروم ہو۔ ایک رات میں 83 سال اور چار مہینے سے زیادہ کی عبادت ہے۔ گویا عمر بھر کی عبادت سے بھی زیادہ۔ انسانوں کی اوسط عمر تو 65-60 سال کے درمیان ہے۔ بہت کم لوگ ہیں جو 80-85 سال تک پہنچتے ہیں اتنی زیادہ کمائی کی جسے پروا نہ ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ کمائی نہیں کرنا چاہتا۔ رمضان میں نفل عبادت کا ثواب فرض کے برابر ہے اور ایک فرض کا ثواب 70 فرضوں کے برابر اور لیلۃ القدر کا ثواب تو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ ایک آدمی رمضان المبارک کے مہینے میں سارے سال کی کمی کو پورا کرنے کا موقع پاتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت کا مہینہ ہے چاہئے یہ کہ اس مہینے میں عبادت کا ذوق و شوق اتنا بڑھائیں کہ رمضان کی برکات سمیٹ لیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: روزہ اور قرآن بندے کے لئے شفاعت کریں گے۔ روزہ کہے گا: اے میرے رب! میں نے دن میں اسے کھانے اور

شہوتوں سے روکا اس لئے اس کے بارے میں میری شفاعت قبول فرما اور قرآن کہے گا میں نے اسے رات کو سونے سے روکا اس لئے اس کے بارے میں میری شفاعت قبول فرما تو ان دونوں کی شفاعت قبول کرنی جائے گی۔ (بیہقی، شعب الایمان)

کتنا بڑا انعام ہے! آخرت جہاں انسان مدد کا محتاج ہوگا وہاں روزہ اور قرآن اس کے مددگار ہوں گے شفاعت کریں گے اور ان کی شفاعت قبول ہوگی۔ کتنا خوش قسمت ہے وہ جو ایسے مشکل وقت بے سہارا نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کی بندگی اس کے کام آئے روزہ بھی سامنے ہو اور قرآن پاک بھی آگے ہو۔ یہ اس کی بخشش کا بڑا ذریعہ ثابت ہوں گے۔

حضرت سلمان فارسی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں شعبان کے آخری دن خطاب فرمایا۔ آپ نے فرمایا: لوگو! تم پر سایہ لگن ہو رہا ہے ایک عظیم مہینہ! یہ وہ مہینہ ہے جو مبارک ہے۔ یہ وہ مہینہ ہے جس میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے روزے کو فرض اور اس کے راتوں میں قیام کو لٹل قرار دیا ہے۔ جس نے اس میں بھلائی کا کوئی کام کیا تو گویا اس نے دوسرے مہینوں کا ایک فرض ادا کیا اور جس نے اس میں فرض ادا کیا تو گویا اس نے دوسرے مہینوں میں 70 فرض ادا کئے۔ یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا ثواب جنت ہے اور غم خواری کا مہینہ ہے۔ اور یہ ایسا مہینہ ہے جس میں مومن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے۔ جس نے اس میں روزے دار کو افطار کرایا یہ اس کے لئے گناہوں کی مغفرت اور دوزخ کی آگ سے آزادی ہوگی اور اس کے لئے اس روزے دار کے مثل اجر ملے گا بغیر اس کے کہ اس کے اجر میں کوئی کمی آئے۔ ہم :عضو : رسول اللہ! ہم میں سے ہر ایک روزے دار کو افطار کرانے کا سامان نہیں پاتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ ثواب اس کے لئے بھی ہے جو روزے دار کا روزہ دودھ کے گھونٹ پر افطار کرانے یا ایک کھجور ہو یا پانی پلا کر افطار کرادے جس نے روزے دار کو میر کر کے پلایا اللہ تعالیٰ اسے میرے حوض سے ایسا پانی پلائے گا کہ وہ جنت میں داخل ہونے تک کبھی بھی پیاسا نہ ہوگا۔ یہ وہ مہینہ ہے کہ اس کا اول عشرہ رحمت ہے اور درمیانہ حصہ مغفرت ہے اور آخری حصہ دوزخ کی آگ سے آزادی ہے اور جس نے اپنے غلام اور خادم پر اس کے کام میں کمی کر دی اللہ اسے بخش دے گا اور دوزخ سے اسے آزاد کر دے گا۔ (بیہقی، فی شعب الایمان)

اس مہینے میں جہاں اللہ تعالیٰ سے تعلق استوار کرنا، صبر کرنا اور جنت حاصل کرنا ہے وہیں بندوں کے ساتھ بھی تعلق استوار کرنا ہے۔ ان کے ساتھ ہمدردی اور غم خواری کرنا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمدردی اور غم خواری کی چند شکلیں بیان فرمائی ہیں جیسے روزے دار کا روزہ افطار کرانا، خادم اور ملازم کی ڈیوٹی میں کمی کرنا، اسی طرح یہ مہینہ اپنے آقا زین رحمت ہے۔ نیک لوگوں پر خصوصی رحمتیں شروع ہو جاتی ہیں دوسرا عشرہ آتا ہے تو اس میں بطور خاص گنہگاروں کی بخشش بھی شروع ہو جاتی ہے اور

تیسرا عشرہ آتا ہے تو اس کا فیض ان لوگوں کو بھی پہنچنا شروع ہو جاتا ہے جن پر دوزخ واجب ہو چکی ہو۔ حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان المبارک کے آخری عشرے میں اعتکاف فرماتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وفات دے دی پھر آپ کے بعد آپ کی ازواج نے بھی اعتکاف کیا۔ (متفق علیہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعتکاف کا مقصد ایک تو یہ تھا کہ آپ اس مہینے میں کچھ راتیں تنہائی میں گزاریں۔ یکسوئی سے نوافل ذکر تلاوت میں مشغول رہیں اور دوسرا مقصد لیلۃ القدر کو پانا تھا کہ جب تمام راتیں جاگ کر اللہ تعالیٰ کی بندگی میں گزاریں گے تو لیلۃ القدر کو بھی پائیں گے اور ہزار راتوں سے زیادہ کی عبادت بھی مل جائے گی۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رمضان المبارک کے پہلے دوسرے اور تیسرے عشرے تینوں میں اعتکاف کیا ہے اور آپ کا آخری معمول رمضان المبارک کے آخری عشرے میں اعتکاف کا تھا۔ مسکف کے لئے ضروری ہے کہ وہ مجبوری کے بغیر مسجد سے باہر نہ جائے اور اگر مجبوری کی وجہ سے چلا جائے تو مجبوری کے پورا ہوتے ہی فوراً واپس آ جائے اور بلا ضرورت ایک لمحے کی تاخیر نہ کرے۔ مجبوری میں قضائے حاجت اور واجب غسل شامل ہیں۔ بیماری، بیمار پرسی کرنا، نماز جنازہ پڑھنا یہ مجبوری میں شامل نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص جنازہ پڑھنا چاہتا ہے مثلاً والد والدہ بھائی پینا فوت ہو گیا تو اعتکاف کو ترک کر دے۔ بعد میں اسی کی قضا کر لے۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ سنت اعتکاف یہ ہے کہ بیمار کی بیمار پرسی کے لئے نہ جائے اور جنازے میں حاضر نہ ہو اور بیوی کو ہاتھ نہ لگائے اور اس کے ساتھ مباشرت نہ کرے اور کسی حاجت سے نہ نکلے مگر ایسی حاجت جس کے بغیر چارہ نہ ہو (قضائے حاجت، غسل، جنابت) اور نہیں ہے اعتکاف مگر روزے کے ساتھ اور نہیں ہے اعتکاف مگر ایسی مسجد میں جس میں نماز باجماعت ہو۔ (ابوداؤد)

کئی لوگ جو شوگر کے مریض ہوتے ہیں اور روزہ نہیں رکھ سکتے لیکن اعتکاف کا شوق ہوتا ہے انہیں چاہئے کہ وہ نظلی اعتکاف کریں سنت اعتکاف کے لئے روزہ ضروری ہے۔ رمضان المبارک کے آخری عشرے کا اعتکاف سنت کفایہ ہے۔ اس لئے اس کے لئے روزہ رکھنا ہوگا۔ نیز مسجد کے بغیر بھی اعتکاف نہیں ہوتا۔ مسجد کے باہر کسی پارک میں خیمے لگا کر اعتکاف کرنا یہ اعتکاف نہیں ہے۔

روزے کی حکمت

روزے کی راجح

روزے کی اصل روح یہ ہے کہ آدمی پر اس حالت میں خدا کی خداوندی اور بندگی و غلامی کا احساس پوری طرح طاری ہو جائے اور وہ ایسا مطیع امر ہو کر یہ سائمتیں گزارے کہ ہر اس چیز سے جس سے خدا نے روکا ہے اور ہر اس کام کی طرف دوزے جس کا حکم خدا نے دیا ہے۔ روزے کی فرضیت کا اصل مقصد اسی کیفیت کو پیدا کرنا اور نشوونما دینا ہے کہ محض کھانے پینے اور مباشرت سے روکنا.....

اگر کسی آدمی نے اس احتقانہ طریقے سے روزہ رکھا کہ جن جن چیزوں سے روزہ نوتا ہے ان سے تو پرہیز کرتا رہا اور باقی تمام ان افعال کا ارتکاب کئے چلا گیا جنہیں خدا نے حرام کیا ہے تو اس کے روزے کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے ایک مردہ لاش کہ اس میں اعضا تو سب کے سب موجود ہیں جن سے صورت انسانی بنتی ہے مگر جان نہیں ہے جس کی وجہ سے انسان انسان ہے۔ جس طرح اس بے جان لاش کو کوئی شخص انسان نہیں کہہ سکتا اسی طرح اس بے روح روزے کو بھی کوئی روزہ نہیں کہہ سکتا۔ یہی بات ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی کہ: "جس نے جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل کرنا نہ چھوڑا تو خدا کو اس کی حاجت نہیں ہے کہ وہ اپنا کھانا اور پینا چھوڑ دے۔" (بخاری)

جھوٹ بولنے کے ساتھ "جھوٹ پر عمل کرنے" کا جو ارشاد فرمایا گیا ہے یہ بڑا ہی معنی خیز ہے۔ وراصل یہ لفظ تمام نافرمانیوں کا جامع ہے جو شخص خدا کو خدا کہتا ہے اور پھر اس کی نافرمانی کرتا ہے وہ حقیقت میں خود اپنے اقرار کی تکذیب کرتا ہے روزے کا اصل مقصد تو عمل سے اقرار کی تصدیق ہی کرتا تھا مگر جب وہ روزے کے دوران میں اس کی تکذیب کرتا رہا تو پھر روزے میں بھوک پیاس کے سوا اور کیا باقی رہ گیا؟ حالانکہ خدا کو اس کے خلوے معدہ کی کوئی حاجت نہ تھی۔ اسی بات کو دوسرے انداز میں حضور نے اس طرح بیان فرمایا ہے۔ "کتنے ہی روزہ دار ایسے ہیں کہ روزے سے بھوک پیاس کے سوا ان کے بلے کچھ نہیں پڑتا اور کتنے ہی راتوں کو کھڑے رہنے والے ایسے ہیں جنہیں اس قیام سے رت جگے کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔" (دارمی).....

ضبط نفس

انسان کو خدمت گار اور آلہ کار کی حیثیت سے جو بہترین ساخت کا حیوان (جسم) دیا گیا ہے اس کے بنیادی مطالبات تین ہیں اور چونکہ وہ تمام حیوانات سے اونچی قسم کا حیوان ہے اس کے مطالبات بھی ان سب سے بڑھے ہوئے ہیں۔ وہ صرف زندہ رہنے کے لئے غذا ہی نہیں مانگتا بلکہ اچھی غذا مانگتا ہے۔ طرح طرح کی مزے دار غذائیں مانگتا ہے نذائی مواد کی ترکیبوں کا مطالبہ کرتا ہے اور اس کے اس مطالبے میں سے اتنی شاخیں نکلتی چلی جاتی ہیں کہ اسے پورا کرنے کے لئے ایک دنیا درکار ہوتی ہے۔ وہ صرف بقائے نوع کے لئے صنف مقابل سے اتصال ہی کا مطالبہ نہیں کرتا بلکہ اس مطالبے میں ہزار نژادیں اور ہزار باریکیاں پیدا کرتا ہے، تنوع چاہتا ہے، حسن چاہتا ہے، آرائش کے بے شمار سامان چاہتا ہے، طرف انگیز سماں اور لذت انگیز ماحول چاہتا ہے، غرض اس سلسلے میں بھی اس کے مطالبات اتنی شاخیں نکالتے ہیں کہ کہیں جا کر ان کا سلسلہ رکتا ہی نہیں۔ اسی طرح اس کی آرام طلبی بھی عام حیوانات کے مثل صرف کھوئی ہوئی قوتوں کو بحال کرنے کی حد تک نہیں رہتی بلکہ وہ بھی بے شمار شاخیں نکالتی ہے جن کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا۔

اس طرح ان تین ابتدائی خواہشوں سے خواہشات کا ایک لامتناہی جابل بن جاتا ہے جو انسان کی

پوری زندگی کو اپنی لپیٹ میں لے لینا چاہتا ہے۔ پس دراصل انسان کے اس خادم اس منہ زور حیوان کے پاس یہی تین ہتھیار وہ سب سے بڑے ہتھیار ہیں جن کی طاقت سے وہ انسان کا خادم بننے کے بجائے خود انسان کو اپنا خادم بنانے کی کوشش کرتا ہے اور ہمیشہ زور لگاتا رہتا ہے کہ اس کے اور انسان کے تعلق کی نوعیت صحیح فطری نوعیت کے برعکس ہو جائے۔ یعنی بجائے اس کے کہ انسان اس پر سوار ہو اٹھا وہ انسان پر سوار ہو کر اسے اپنی خواہشات کے مطابق کھینچے کھینچے پھرے..... اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ حیوان شردواب..... تمام حیوانات سے بدتر قسم کا حیوان..... بن کر رہ جاتا ہے۔

بھلا جس حیوان کو اپنی خواہشات پوری کرنے کے لئے انسان جیسا خادم مل جائے اس کے شر کی بھی کوئی حد ہو سکتی ہے۔ جس ہٹل کی بھک کو بھری بیڑا بنانے کی قابلیت میسر آ جائے زمین کی کس چراگاہ میں اتنا بل بوتنا ہوتا ہے کہ اس کے معاشی مفاد کی لپیٹ میں آ جانے سے بچ جائے؟ جس کتے کی حرص کو نینک اور ہوائی جہاز بنانے کی قوت مل جائے کس بونی اور کس ہڈی کا پارا ہے کہ اس کی کچلیوں کی گرفت میں آنے سے انکار کر دے؟ جس بھیڑیے کو اپنے جنگل کے بھیڑیوں کی قومیت بنانے کا سلیقہ ہو اور جو پریس اور پراپیگنڈے سے لے کر لمبی مار کی تو قوں تک سے کام لے سکتا ہو زمین میں کہاں اتنی گنجائش ہے کہ اس کے لئے کافی شکار فراہم کر سکے؟ جس بکرے کی شہوت، ہاول، ڈراما، تصویر، موسیقی، ایکٹنگ اور حسن افزائی کے وسائل ایجاد کر سکتی ہو جس میں بکریوں کی تربیت کے لئے کالج، کلب اور گھمستان تک پیدا کرنے کی لیاقت ہو اس کی واہمیش کے لئے کون حدود انتہا مقرر کرنے کا ذمہ لے سکتا ہے؟

ان پستیوں میں گرنے سے انسان کو بچانے کے لئے..... ضروری ہے کہ اس حیوان کے ساتھ اس کے تعلق کی جو فطری نوعیت ہے اس کو عملاً قائم کیا جائے اور مشق و تمرین کے ذریعے سے سوار کو اتنا چست کر دیا جائے کہ وہ اپنی سواری پر جم کر بیٹھے اور ارادے کی باگیں مضبوطی کے ساتھ تھامے اور اس پر اتنا قابو یافتہ ہو کہ اس کی خواہشات کے پیچھے خود نہ چلے بلکہ اپنے ارادے کے مطابق اسے سیدھا سیدھا چلائے..... جتنی چیزیں خدا نے اس دنیا میں ہمارے لئے مسخر کی ہیں ان میں سب سے زیادہ کارآمد چیز یہی حیوانی جسم ہے۔ لیکن بہر حال یہ ہماری اور ہمارے مقصد زندگی کی خدمت کے لئے ہے نہ کہ ہم اس کی اور اس کے مقصد زندگی کی خدمت کے لئے۔ اس کو ہمارے ارادے کا تابع ہونا چاہئے نہ کہ ہمیں اس کی خواہشات کا تابع۔ اس کا یہ مرتبہ نہیں ہے کہ ایک فرماں روا کی طرح اپنی خواہشات ہم سے پوری کرائے بلکہ اس کا صحیح مرتبہ یہ ہے کہ ایک غلام کی طرح ہمارے سامنے اپنی خواہشات پیش کرے..... روزے کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد انسان کو اس کے حیوانی جسم پر یہی اقتدار بخشا ہے.....

حکیمانہ تدبیر

ایک ذرا سی حکیمانہ تدبیر نے روزے کو انفرادی عمل کے بجائے اجتماعی عمل بنا کر اس کے فوائد و

منافع کو اتنا بڑھا دیا ہے کہ ان کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔ وہ تدبیر بس اتنی ہی ہے کہ روزے رکھنے کے لئے ایک خاص مہینہ مقرر کر دیا گیا ہے۔

اس حکیمانہ تدبیر سے ایک خاص قسم کی نفسیاتی فضا پیدا ہو جاتی ہے۔ ایک شخص انفرادی طور پر کسی ذہنی کیفیت کے تحت کوئی کام کر رہا ہو اور اس کے گرد و پیش دوسرے لوگوں میں نہ وہ ذہنی کیفیت ہو اور نہ وہ اس کام میں اس کے شریک ہوں تو وہ اپنے آپ کو اس ماحول میں بالکل اجنبی پائے گا۔ اس کی کیفیت ذہنی صرف اس کی ذات تک محدود اور صرف اسی کی نفسی قوتوں پر منحصر رہے گی۔ اس کو نشوونما پانے کے لئے ماحول سے کوئی مدد نہیں ملے گی بلکہ ماحول کے مختلف اثرات اس کیفیت کو بڑھانے کے بجائے اُلٹا گھٹا دیں گے۔ لیکن اگر وہی کیفیت پورے ماحول پر ظاری ہو اگر تمام لوگ ایک ہی خیال اور ایک ہی ذہنیت کے ماتحت ایک ہی عمل کر رہے ہوں تو معاملہ برعکس ہوگا۔ اس وقت ایک ایسی اجتماعی فضا بن جائے گی جس میں پوری جماعت پر وہی ایک کیفیت چھائی ہوگی اور ہر فرد کی اندرونی کیفیت ماحول کی خارجی اعانت سے غذائے کر بے حد و حساب بڑھتی چلی جائے گی۔ ایک شخص اکیلے برہنہ ہو اور گرد و پیش سب لوگ کپڑے پہنے ہوئے ہوں تو وہ کس قدر شرمائے گا؟ بے حیائی کی کتنی بڑی مقدار اس کو برہنہ ہونے کے نئے درکار ہوگی اور پھر بھی ماحول کے اثرات سے اس کی شدید بے حیائی کی کتنی بڑی مقدار قدر بار بار گھست کھائے گی؟ لیکن جہاں ایک حمام میں سب ننگے ہوں وہاں شرم بے چاری کو چھٹکنے کا موقع نہ ملے گا اور ہر شخص کی بے شرمی دوسروں کی بے شرمی سے مدد پا کر افزوں اور افزوں ہوئی چلی جائے گی.....!

اجتماعی روزے کا مہینہ قرار دے کر رمضان سے شارع نے یہی کام لیا ہے۔ جس طرح آپ دیکھتے ہیں کہ ہر غلہ اپنا موسم آنے پر خوب پھلتا پھولتا ہے اور ہر طرف کھیتوں پر چھایا ہوا نظر آتا ہے اسی طرح رمضان کا مہینہ گویا خیر و صلاح اور تقویٰ و طہارت کا موسم ہے جس میں برائیاں دبی ہیں نیکیاں پھلتی ہیں پوری پوری آبادیوں پر خوف خدا اور حب خیر کی روح چھا جاتی ہے اور ہر طرف پرہیزگاری کی کھیتی سرسبز نظر آنے لگتی ہے۔ اس زمانے میں گناہ کرتے ہوئے آدمی کو شرم آتی ہے۔ ہر شخص خود گناہوں سے بچنے کی کوشش کرتا ہے اور اپنے کسی دوسرے بھائی کو گناہ کرتے دیکھ کر اسے شرم دلاتا ہے۔ ہر ایک کے دل میں یہ خواہش ہوتی ہے کہ کچھ بھلائی کا کام کرنے کسی غریب کو کھانا کھلائے کسی ننگے کو کپڑا پہنائے کسی مصیبت زدہ کی مدد کرے کہیں کوئی نیک کام کر رہا ہو تو اس میں حصہ لے کہیں کوئی بدی ہو رہی ہو تو اسے روکے۔ اس وقت لوگوں کے دل نرم ہو جاتے ہیں قلم سے ہاتھ رک جاتے ہیں برائی سے نفرت اور بھلائی سے رغبت پیدا ہو جاتی ہے توبہ اور خشیت و انابت کی طرف طبیعتیں مائل ہوتی ہیں نیک بہت نیک ہو جاتے ہیں اور بد کنی بدی اگر نیکی میں تبدیل نہیں ہوتی تب بھی اس جذب سے اس کا اچھا خاصا معنیہ ضرور ہو جاتا ہے۔ غرض اس زبردست حکیمانہ تدبیر سے شارع نے ایسا انتظام کر دیا ہے کہ ہر سال

ایک مہینے کے لئے پوری اسلامی آبادی کی صفائی ہوتی رہے اس کو اور ہال کیا جاتا رہے اس کی کاپا بھی جائے اور اس میں مجموعی حیثیت سے روح اسلامی کو از سر نو زندہ کر دیا جائے۔

اسی بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین باندھ دیئے جاتے ہیں۔“ اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ: ”جب رمضان کی پہلی تاریخ آتی ہے تو شیاطین اور سرکش جن باندھ دیئے جاتے ہیں دوزخ کی طرف جانے کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں ان میں سے کوئی دروازہ کھلا نہیں رہتا اور جنت کی طرف جانے کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ ان میں سے کوئی دروازہ بند نہیں رہتا۔ اس وقت پکارنے والا پکارتا ہے: ”اے بھلائی کے طالب آگے بڑھ اور اے بُرائی کے خواہشمند ٹھہر جا!“ (اسلامی عبادات پر تحقیقی نظر ص 78 تا 108)

رمضان قرآن کریم اور ہماری ذمہ داری

پروفیسر خورشید احمد

اللہ تعالیٰ کا فضل اور کرم ہے کہ رمضان کا ہایرکت مہینہ ہم پر اور امت مسلمہ پر سنا یہ فکرن ہونے والا ہے۔ یہ مہینہ الہ ایمان کے لئے اللہ تعالیٰ کے انعامات میں ایک خاص مقام رکھتا ہے اور یہ ہماری بڑی بد نصیبی ہوگی کہ اس مبارک مہینے کو پائیں! اللہ کی رحمت سے اس میں روزوں کی سعادت بھی حاصل کریں مگر اس اصل مقصد اور پیغام کے بارے میں غافل رہیں جو اس مہینے اور اس میں انسانیت کو دیئے جانے والے رہانی تحفے کا اصل جوہر ہے۔

روزہ اللہ کے ماننے والے تمام انسانوں کے لئے ہر دور میں فرض کیا گیا ہے اور اس کی بے شمار مصلحتوں میں سے تین کم از کم ایسی ہیں جن کا ہر لمحے شعور از بس ضروری ہے۔

○ پہلی بات یہ ہے کہ روزہ بندے کو اپنے رب سے جوڑتا ہے اور اس سے وفاداری اور صرف اس کی اطاعت کے جذبے پر دل و دماغ کو قانع اور مستحکم کرتا ہے اور اس کے اس عہد کی تجدید کی خدمت انجام دیتا ہے کہ بندے کا جینا اور مرنا اور عبادات اور قربانیاں سب صرف اللہ کے لئے ہیں۔ حلال اور حرام کا تعلق صرف اللہ کی مرضی اور حکم سے ہے جو چیز افق پر روشنی کی پہلی کرن آنے تک حلال تھی وہ صرف اس کے حکم سے سورج کے غروب ہونے تک حرام ہوگئی اور سورج کے غروب ہوتے ہی پھر حلال ہوگئی۔ یہ وہ عبادت ہے جس کا حقیقی گواہ صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ ایک شخص دوسروں کے سامنے صائم ہوتے ہوئے بھی تمہائی میں کھاپی سکتا ہے مگر صرف اللہ کی خاطر کھانے اور پینے سے جلوت اور خلوت ہر کیفیت میں پرہیز کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خود رب کائنات نے فرمایا ہے کہ روزہ صرف میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا اجر دوں گا۔ اللہ سے جزا اور اللہ کی رضا کا پابند ہو جانا اور یہ عہد کرنا کہ ہمیشہ صرف اس کی رضا کا پابند رہوں گا۔ یہ روزے کا پہلا روشن ترین پہلو۔ یہی وہ چیز ہے جو انسان کی

سیارہ ڈائجسٹ کا عظیم الشان نمبر



رسول ﷺ نمبر

کانیا ایڈیشن ضرور تراہیں، اضافہ کے ساتھ شائع ہو گیا ہے

- ◀◀ میرت پاک پر ایک جامع دستاویز
- ◀◀ حسین و جمیل سرورق
- ◀◀ بے شمار نعمتوں کا انتخاب
- ◀◀ عکسی طباعت
- ◀◀ ہر جلد کے پانچ سو صفحات
- ◀◀ 2 جلدوں پر مشتمل
- ◀◀ دنیائے اسلام کے اہل علم کے رشحاتِ قلم کا مجموعہ

مکمل قیمت 350/-
نی جلد 175/-

تاریخیں حاصلات اپنے آرڈر سے جلد سے فرمائیں

مناوانے کا پتہ

سیارہ ڈائجسٹ 240 مین مارکیٹ ریواز گارڈن لاہور۔ فون: 37245412

Scanned By

زندگی میں نظم و ضبط اور خواہشات پر قابو پانے کی تربیت دیتی ہے اور اسی کیفیت اور رویے کا نام ہے تقویٰ اسی لئے فرمایا گیا:

(ترجمہ) اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم پر روزے فرض کئے گئے جس طرح تم سے پہلے انبیاء کے پیروؤں پر فرض کئے گئے تھے۔ اس توقع کے ساتھ کہ تم میں تقویٰ کی عفت پیدا ہوں۔

○ روزے کا دوسرا پہلو وہ ہے جس کا تعلق انسان کے لئے اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے ہے۔ جن انبیائے کرام کو کتاب سے نوازا گیا ان کو یہ کتاب اس حالت میں دی گئی جب وہ روزے سے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی وحی کا آغاز غار حرا میں اس وقت ہوا جب آپ وہاں مسلسل روزوں کی حالت میں تھے اور اس مقدس کتاب کا آغاز بھی روزے سے ہوا اور اس کی تکمیل ماہ رمضان میں ہوئی یہی وجہ ہے کہ یہ مہینہ دراصل قرآن کا مہینہ ہے اور اس کے شب و روز قرآن سے تعلق کی تجدید اس کی تلاوت تراویح میں اس کی سماعت اور اس کے پیغام کی تفہیم اور تحقیق کے لئے خاص ہیں۔ قرآن نہ صرف مکمل ہدایت کا حقیقی منبع ہے بلکہ الٰہی پکڑ کر ہدایت کی راہ پر انسان کو گامزن کرنے اور خیر و شر میں تمیز کی صلاحیت اور داعیہ پیدا کرنے والی ہدایت ہے۔ ارشاد ربانی ہے: (ترجمہ) رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لئے سراسر ہدایت ہے اور اسکی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے جو راہ راست دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہیں۔

لہذا یہ مہینہ قرآن کا مہینہ ہے اور اس مہینے کا حق یہ ہے کہ ہم پورے شعور کے ساتھ یہ سمجھنے کی کوشش کریں کہ قرآن کیا ہے اس کی اتھارٹی کی کیا حیثیت ہے اس کی تعلیمات کی نوعیت کیا ہے۔ اس سے ہمارا تعلق کن بنیادوں پر استوار ہونا چاہئے اور اس کے پیغام کے ہم کس طرح علم بردار ہو سکتے ہیں تاکہ اللہ کے انعام کا شکر ادا کر سکیں۔ اس موقع کی مناسبت سے ہم قرآن کے مقدمہ حیات اس سے تعلق کی بنیادوں اور انکے تقاضوں پر اپنی معروضات پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

اصل موضوع پر گفتگو کرنے سے پہلے روزے کے تیسرے امتیازی پہلو کی طرف بھی اشارہ کر دیں اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ ایک طرف رمضان کے روزوں کو مکمل کریں لیکن اس کے ساتھ ساتھ جو ذمہ داری تمہیں ادا کرنی ہے اور پورے سال بلکہ پوری زندگی ادا کرنی ہے وہ اعلائے کلمۃ الحق ہے یعنی اللہ کی زمین پر اللہ کے کلمے کو بلند کرنے کی کوشش کریں اور اس طریقے سے کریں جو تمہیں اللہ کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سکھایا اور دکھایا ہے۔

ترجمہ: تاکہ تم روزوں کی تعداد پوری کر سکو اور جس ہدایت سے اللہ نے تمہیں سرفراز کیا ہے اس پر اللہ کی کبریائی کا اظہار و اعتراف کرو اور شکر گزار بنو۔

قدرت کا قانون ہے کہ جب تاریکی اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے تو روشنی اس کا سینہ چیرتی ہوئی رونما ہو جاتی ہے ظلمتیں چھٹ جاتی ہیں اور نفاذ نور سے بھر جاتی ہے تاریخ انسانی میں روشنی اور نور کا سب سے

بڑا سیلاب 27 رمضان المبارک 13 قمر ہجرت میں رونما ہوا۔

انسانیت کے لئے ہدایت

شکلی و تری اور مجرور پر تار کی کاغذی تھاپ۔ ظلم اور فساد سے خدا کی زمین بھر گئی تھی۔ انسان اپنے حقیقی معبود کو چھوڑ کر جھوٹے خداؤں کی بندگی کر رہے تھے۔ ارض و سما کے مالک نے اپنے انبیاء علیہم السلام کے ذریعے جو ہدایت اور رہنمائی بھیجی تھی انسان نے اس کو گم کر دیا تھا۔ نتیجے کے طور پر گمراہی اور ظلمت کا دور دورہ تھا۔ انسان آگ، درخت، پتھر پانی اور جانوروں تک کی پوجا کر رہے تھے۔ زندگی کے اجتماعی معاملات میں کچھ انہماں دوسرے انسانوں کے خدا اور رب بن بیٹھے تھے اور اپنی من مانی کر رہے تھے۔ نیکیاں مندوم ہو رہی تھیں اور برائیاں پر انشاں تھیں۔ نسل، قوم اور قبیلے کے بتوں کی پوجا ہو رہی تھی۔ حق انصاف، آزادی، مساوات اور بندگی رب کو انسانیت ترس رہی تھی۔

یہ تھی وہ دنیا جس میں خدا کے ایک برگزیدہ بندے انسانیت کے بلند ترین حکمران اور دنیا کے سب سے نیک انسان محمد بن عبداللہ نے آنکھیں کھولیں۔ وہ ظلم کے اس راج اور بدی کے اس غلبے پر حیران و سرگرداں تھا۔ ترجمہ: وہ جھوٹے خداؤں کا باغی اور ایک حقیقی خدا کی بندگی کا جو یا تھا۔ دستِ فطرت نے 40 سال اس کی تربیت فرمائی پھر زمین و آسمان کے مالک نے ایک شب اس باکمال ہستی کو انسانیت کی رہنمائی کے لئے اپنے آخری نبی کی حیثیت سے مامور فرما دیا۔ وہ عارِ حرام میں عبادت میں مشغول تھا کہ خدا کا فرشتہ اس کا امین اور پیام بر رونما ہوا۔ بندگی میں مشغول بندے کو سینے سے لگایا، اسے خوب بھینچا اور رب السموات والارض کی طرف سے پہلی وحی اس پر نازل کی۔ ترجمہ: پڑھو (اے نبی) اپنے رب کے نام سے جس نے (ساری چیزوں) کو پیدا کیا۔ اس نے انسان کو جھے ہوئے خون سے بنایا۔ پڑھو اور تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا، اس نے انسان کو وہ باتیں سکھائیں جو اس کو معلوم نہ تھیں۔

تاریکیوں کے لئے موت کا پیغام آ گیا۔ طاغوت کے غلبے کا دور ختم ہو گیا۔ رب کی آخری ہدایت کا دور شروع ہو گیا۔ یہ سلسلہ 23 سال تک چلتا رہا حتیٰ کہ ہدایت کھل ہو گئی اور انسانیت کو نور کا وہ خزانہ مل گیا جس کی روشنی بقیامت قائم رہے گی جس کے ذریعے وہ ہمیشہ رہنمائی اور ہدایت حاصل کرتی رہے گی۔

ترجمہ: آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لئے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے۔ خدا کی اس زمین پر انسان کی ضرورتیں دو قسم کی ہیں۔ ایک وہ جن کا تعلق اس کی جسمانی اور مادی زندگی سے ہے اور دوسری وہ جو اس کی روحانی، اخلاقی اور سماجی زندگی سے متعلق ہیں۔ خدا کی ربوبیت کاملہ کا تقاضا تھا کہ انسان کی یہ دونوں ضرورتیں پوری کی جائیں تاکہ وہ زندگی کی آسائشیں بھی حاصل کر سکے اور ان کو صحیح طریقوں سے

استعمال بھی کر سکیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی ان دونوں ضرورتوں کو بہ حسن وکمال پورا کیا ہے۔ مادی اور جسمانی ضروریات کی تسکین کے لئے زمین و آسمان میں بے شمار قوتیں ودیعت کر دی ہیں جن کی دریافت اور ان کے مناسب استعمال سے انسان کی تمام ضرورتیں پوری ہو سکتی ہیں۔ اسی طرح انسان کی روحانی اخلاقی اور سماجی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی ہدایت نازل فرمائی اور اپنے انبیاء علیہم السلام کے ذریعے نہ صرف یہ کہ اس ہدایت کو انسانوں تک پہنچایا بلکہ ان کی زندگیوں میں اسے متشکل کر کے بھی دکھا دیا۔ اس طرح انسانیت نے اپنا سفر تاریخی میں نہیں روشنی میں شروع کیا اور ہر دور میں خدا کی ہدایت اس کے لئے مشعل راہ بنی رہی۔ اس دنیا میں پہلا انسان (آدم) پہلا نبی بھی تھا۔ خدا کی یہ ہدایت اپنی آخری اور مکمل ترین شکل میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کی گئی یہی ہدایت قرآن کی شکل میں موجود ہے اور قیامت تک انسانیت کی رہنمائی کرتی رہے گی۔

قرآن کا تصور زندگی

قرآن جس تصور زندگی کو پیش کرتا ہے وہ مختصر ایہ ہے۔

1۔ یہ دنیا بے خدا نہیں ہے۔ اس کا ایک پیدا کرنے والا ہے جو اس کا مالک 'آقا' رب اور حاکم ہے۔ ہر شے پر اس کی حکومت ہے اور وہی اس کا حقیقی فرماں روا ہے۔ ساری نعمتیں اسی کا عطیہ ہیں۔ اس کا اختیار رکھی اور ہمہ گیر ہے۔ جس طرح وہ دنیا کی ہر چیز کا خالق اور مالک ہے اسی طرح وہ انسان کا بھی خالق مالک اور حاکم ہے اس مالک حقیقی نے انسان کو ایک خاص حد تک اختیار اور آزادی دے کر اس زمین پر اپنا نائب اور خلیفہ بنایا ہے اور باقی تمام مخلوقات کو اس کے تابع فرمان کیا ہے۔

2۔ انسان کو خلافت کی ذمہ داریوں کو ٹھیک ٹھیک ادا کرنے کے لائق بنانے کے لئے مالک حقیقی نے اسے اپنی ہدایت سے نوازا اور اس کی رہنمائی صراط مستقیم کی طرف کی ہے۔ اسے بتایا گیا ہے کہ پورا جہاں اس کے لئے ہے اس کے تابع ہے لیکن وہ خود خدا کے لئے ہے۔ اس کا کام یہ ہے کہ خدا کی بندگی اختیار کرے اور اپنی پوری زندگی کو رب کی اطاعت میں دے دے۔ اس زندگی کی حیثیت ایک امتحان اور آزمائش کی سی ہے۔ اس میں انسان کے لئے صحیح رویہ یہ ہے کہ وہ اپنے ارادے کو مالک کی مرضی کے تابع کر دے اور اس کی رضا اور خوشنودی کے حصول کے لئے اپنا سب کچھ لگا دے جس نے اس راہ سے انحراف کیا وہ ناکام و نامراد ہے اور آنے والی ابدی زندگی میں جہنم اس کا ٹھکانا ہوگا۔

3۔ یہ باتیں انسان کو ازل میں سمجھا دی گئیں۔ ان کا شعور اور احساس اس کی فطرت میں ودیعت کر دیا گیا۔ ان کی تذکیر اور بندگی رب کے راستے کی تشریح و توضیح کے لئے حضرت آدم سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کرتا رہا۔ ایک طرف انسان کو عقل اور سمجھ دئی گئی کہ وہ حق کو پہچانے اور اس کے مطابق زندگی کے معاملات کی صورت گری کرے اور

دوسرے طرف خدا کے ان برگزیدہ بندوں (انبیاء علیہم السلام) نے بڑی سے بڑی قربانی دے کر انسانیت کو سیدھی راہ پر لگانے کا کام انجام دیا۔ ہر ملک اور ہر قوم میں انبیاء مبعوث ہوئے۔ اس سنہری سلسلے کی آخری کڑی محمد عربی ہیں۔ آپ ساری دنیا کے لئے بھیجے گئے اور سارے زمانوں کے لئے مبعوث ہوئے۔ آپ نے اللہ کا ہی دین یعنی اسلام لوگوں کے سامنے پیش کیا جو اس سے پہلے پیش ہوتا رہا تھا جن لوگوں نے آپ کی دعوت قبول کر لی اور اسلام کو بہ حیثیت زندگی کے دین اور راستہ اختیار کر لیا وہ ایک امت بن گئے۔ اب یہ امت مسلمہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ خود اپنی زندگی کا نظام اس ہدایت کے مطابق تشکیل دے جو اللہ کی طرف سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لائے اور جس کا نمونہ آپ نے اپنی مبارک زندگی میں پیش فرمایا اور تمام انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی زندگی کی دعوت دینی رہی۔

قرآن وہ کتاب ہے جس میں پوری دعوت موجود ہے جس میں اللہ کا دین اپنی مکمل اور آخری شکل میں ملتا ہے جس میں وہ ہدایت ہے جو خالق کائنات نے انسانی ہونے اور جو تمام انسانوں کی دائمی خیر و صلاح کی ضامن ہے۔ قرآن اپنی حیثیت اور اپنے مقصد کو اس طرح واضح کرتا ہے۔ ترجمہ: یہ اللہ کی کتاب ہے اس میں کوئی شک نہیں۔ پرہیزگاروں کے لئے ہدایت ہے۔

(ب) ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو بالکل سیدھی ہے۔

(ج) یہ رہنمائی تمام انسانوں کے لئے ہے۔

ترجمہ: قرآن انسانوں کے لئے ہدایت ہے۔

(د) یہ ہدایت کا ایسا مرقع ہے جس میں ازل سے نازل ہونے والی ہدایت جمع کر دی گئی ہے اور یہ

پورے خیر کا مجموعہ ہے۔

ترجمہ: پھر اے نبی ہم نے تمہاری طرف یہ کتاب بھیجی جو حق لے کر آئی ہے اور اللہ کی کتاب میں سے جو

کچھ اس کے آگے موجود ہے اس کی تصدیق کرنے والی اور اس کی محافظہ و نگہبان ہے۔

(ہ) یہ ہدایت ہر لحاظ سے محفوظ بھی ہے اور ناقیامت محفوظ رہے گی۔

ترجمہ: بلاشبہ ہم نے اس کو نازل کیا ہے اور ہم خود ہی اس کو محفوظ رکھنے والے ہیں۔

(و) انسانیت کے ذمہ داری کا واحد عمل یہ ہدایت ہے۔

ترجمہ: لوگو! تمہارے پروردگار کی جانب سے تمہارے پاس ایک نصیحت آگئی ہے جو دل کے تمام

امراض کے لئے شفا ہے اور ہدایت اور رحمت ہے ان تمام لوگوں کے لئے جو اسے مانیں۔

(ز) اور یہی ہدایت ہے جو حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والی حق کا حقیقی معیار ہے۔ اس

نئے اس کو تمہیں کجا گیا ہے اور اسی لئے اس کا نام فرقان (حق و باطل میں تمیز کرنے والی) رکھا گیا

۴

قرآن کا اصل مقصد

Scanned By Amir

قرآن کی اس نوعیت کو سمجھ لینے کے بعد اس کی حقیقت اور اس کے مقصد کی وضاحت آسان ہو جاتی ہے اسے ہم مختصراً یوں بیان کر سکتے ہیں۔

○ قرآن کا موضوع انسان ہے کہ حقیقت کے اعتبار سے اس کی بلاغ اور خسران کس چیز میں

ہے۔

○ قرآن کا مرکزی مضمون یہ ہے کہ ظاہر بنی یا قیاس آرائی یا خواہش کی غلامی کے باعث انسانوں نے خدا نظام کائنات اپنی ہستی اور اپنی ونوی زندگی کے متعلق جو نظریات قائم کئے ہیں اور ان نظریات کی بنا پر جو رویے اختیار کر لئے ہیں وہ سب حقیقت کے لحاظ سے غلط اور نتیجے کے اعتبار سے خود انسان ہی کے لئے تباہ کن ہیں۔ حقیقت وہ ہے جسے انسان کو خلیفہ بناتے وقت خدا نے خود بیان فرما دیا ہے۔ اس حقیقت کے لحاظ سے وہی رویہ درست اور خوش انجام ہے جو خدا کو اپنا واحد حاکم اور معبود تسلیم کر کے اس دنیا میں اس کی ہدایت کے مطابق اپنی پوری زندگی کو گزارا جائے۔

○ قرآن کا مدعا انسان کو اس صحیح رویے کی طرف دعوت دینا اور اللہ کی اس ہدایت کو واضح طور پر پیش کرنا ہے جسے انسان اپنی غفلت سے گم اور شراکت سے مسخ کرتا رہا ہے۔ (ملاحظہ ہو: تفسیر القرآن جلد اول مقدمہ از مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی)

نزول قرآن کا اصل مقصد انسانوں کی تہذیب اور ان کے باطل عقائد اور گم کردہ اعمال کی اصلاح اور درستی ہے۔ (الفوز الکبیر)

قرآن تمام انسانوں کو ابدی سعادت کی طرف بلاتا ہے اور انسان کے ظاہر و باطن کی واپسی تعمیر کرتا ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو دینا اور آخرت کی زندگیوں میں حقیقی چین اور راحت نصیب ہو۔ یہی راستہ رب کی بندگی کا راستہ ہے۔

ترجمہ: میں نے جن اور انسانوں کو اس کے سوا کسی کام کے لئے پیدا نہیں کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں۔

یہ بندگی انسان کی پوری زندگی پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس کا ہر سانس احساسِ عبدیت سے معمور ہونا چاہئے اور اس کا ہر عمل مالک کی اطاعت کا مظہر ہونا چاہئے۔

قرآن کا انقلابی تصور

یہ مقام ہے جہاں سے قرآن کا انقلابی تصور حیات ہمارے سامنے آتا ہے۔ قرآن انسانی زندگی کو مختلف گوشوں اور شعبوں میں تقسیم نہیں کرتا۔ وہ پوری زندگی کو بندگی رب میں لانا چاہتا ہے۔ انسان کے خیال اور عقیدہ و رجحان سے لے کر اس کی اجتماعی زندگی کے ہر پہلو پر اللہ تعالیٰ کی حکمرانی قائم کرنا چاہتا ہے۔ اس کا مطالبہ خود مسلمانوں سے یہ ہے کہ

ترجمہ: داخل ہو جاؤ خدا کے دین میں پورے کے پورے۔

یعنی اسلام کے راستے کو اختیار کرنے کے بعد زندگی کے کسی شعبے کو خدا کی ہدایت سے آزاد رکھنے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ پھر انسان کی انفرادی زندگی اور اس کی اجتماعی زندگی خدا کے قانون کی پابندی اور اس کی رضا کو تلاش کرنے والی ہوگی پھر تمدن کے پورے نظام یعنی معاشرت، سیاست، معیشت، قانون و عدالت، انتظام و انصرام، ملکی اور بین الاقوامی تعلقات سب پر خدا کی حکمرانی قائم ہونی چاہئے۔ صرف اپنے اوپر ہی اس قانون کو جاری و ساری نہیں کرنا بلکہ پوری انسانیت کو اپنے قول اور عمل سے اس راستے کی طرف دعوت دینا ہے۔ انسانیت کو حق کی طرف بلانا ہے اور ہر اس رکاوٹ کو ہٹانے کی جدوجہد کرنی ہے جو بندے اور اس کے رب کے درمیان اس تعلق کے قیام کی راہ میں حواجم ہے۔ اس کا نام دعوتِ حق ہے جو اسلام میں جہاد ہی کا ایک شعبہ ہے یہی وہ دعوت ہے جس کی طرف یہ کتاب بلاتی ہے۔

علامہ اقبال مشہور صوفی بزرگ شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے حوالے سے قرآن کے اس مخصوص مزاج کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں۔ ”محمد عربی معراج کے موقع پر آسمانوں پر گئے اور واپس آگئے۔ اللہ کی قسم!! اگر میں جاتا تو ہرگز واپس نہ آتا۔“ یہ مشہور صوفی بزرگ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے الفاظ ہیں جن کی نظیر تصوف کے سارے ذخیرہ ادب میں مشکل ہی سے ملے گی۔ شیخ موصوف کے اس ایک جملے سے ہم اس فرق کا اور اک نہایت خوبی سے کر لیتے ہیں جو شعور و ولایت اور شعورِ نبوت میں پایا جاتا ہے۔ صوفی نہیں چاہتا کہ وارداتِ اتحاد سے جو لذت اور سکون حاصل ہوتا ہے اسے چھوڑ کر واپس آئے لیکن اگر آئے بھی جیسا کہ اس کا آنا ضروری ہے تو اس سے نوعِ انسانی کے لئے کوئی خاص نتیجہ مرتبہ نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس نبی کی باز آمد تخلیقی ہوتی ہے۔ وہ ان واردات سے واپس آتا ہے تو اس لئے کہ زمانے کی رو میں داخل ہو جائے اور پھر ان قوتوں کے غلبہ و تصرف سے جو عالم تاریخ کی صورت گر ہیں مقاصد کی ایک نئی دنیا پیدا کرے۔ صوفی کے لئے تولداتِ اتحاد ہی آخری چیز ہے لیکن انبیاءِ علیہم السلام کے لئے اس کا مطلب ہے ان کی اپنی ذات کے اندر کچھ اس قسم کی نفسیاتی قوتوں کی بیداری جو دنیا کو زبرد زبرد کر سکتی ہے اور جن سے کام لیا جائے تو جہانِ انسانی دگرگوں ہو جاتا ہے۔ لہذا انبیاء کی سب سے بڑی خواہش یہ ہوتی ہے کہ ان واردات کو ایک زندہ اور عالم گیر قوت میں بدل دیں..... لہذا انبیاء کے مذہبی مشاہدات اور واردات کی قدر و قیمت کا فیصلہ ہم یہ دیکھ کر بھی کر سکتے ہیں کہ ان کے زیر اثر کس قسم کے انسان پیدا ہوئے۔ (تفصیل جدید الہیات اسلامیہ علامہ محمد اقبال ترجمہ سید نذیر نیازی، بزم اقبال لاہور، ص 188-190)

مطلب یہ کہ بزرگ صوفی کا یہ قول زندگی کے محدود تصور کا غماز ہے۔ اس تصور میں اصل اہمیت عرفانِ ذات کی ہے اور وہ اس سے اونچے کسی مقام کا تصور نہیں کر سکتی کہ بندے کے قدم وہاں پہنچ جائیں جہاں فرشتوں کے پر جلتے ہیں پھر اس دنیا کی طرف واپس آنے کا کیا سوال؟ لیکن محمد صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم جس دین کے علم بردار ہیں وہ دین جس کا نبی اس بلندی پر پہنچ کر پھر اس دنیائے رنگ و بو میں لوٹتا ہے تاریخ کے مندرجہ میں قدم رکھتا ہے اور اس نور سے جو اسے حاصل ہوا ہے تنگ و تاریک دنیا کو منور کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ صرف اپنے اس سینے کو تھینہ انوار نہیں بناتا بلکہ پورے عالم کو روشن کرنے کی جدوجہد کرتا ہے۔ ایک نیا انسان بنانے ایک نیا معاشرہ تعمیر کرنے ایک نئی ریاست قائم کرنے اور تاریخ کو ایک نئے دور سے ہمکنار کرنے میں مصروف جہاد ہو جاتا ہے۔

قرآن اسی دعوت انقلاب کو پیش کرتا ہے وہ زمانے کے چلن کو تبدیل کرنا چاہتا ہے۔ وہ ایک نیا نظام قائم کرنا چاہتا ہے۔ اس کا مقصد ایک انقلاب برپا کرنا ہے..... دلوں کی دنیا میں بھی انقلاب اور انسانی معاشرے میں بھی انقلاب۔ وہ صالح انقلاب جس کے نتیجے میں خدا سے بغاوت کی روش ختم ہو اور اس کی بندگی کا دور دورہ ہو جائے۔ بُرائیاں سرنگوں اور نیکیوں کا غلبہ حاصل ہو۔ خدا کے مکر اور اس سے غافل قیادت کو مسند سے ہٹا دیا جائے اور اس کے مطیع اور فرماں بردار بندے زمانے کی قیادت سنبھال لیں..... یہ ہے نزول قرآن کا مقصد اور یہی ہے انسانیت کی نجات کا راستہ۔

بہ امت مسلمہ کو جس بات کی دعوت دیتے ہیں وہ یہ ہے کہ اس امت کا ہر فرد اس موقع پر اور بھی زیادہ سنجیدگی کے ساتھ قرآن کی اصل حقیقت کو سمجھے۔ اس کے مقصد کا حقیقی شعور پیدا کرے۔ اس کے پیغام پر کان دھرے اور اس کے مشن کو پورا کرنے کے لئے سرگرم عمل ہو جائے۔

قرآن نے انسانیت کو ایک نیا راستہ دکھایا ہے۔ اس نے قبیلے، نسل، رنگ، خاک و خون اور جغرافیائی تشخص کے بتوں کو پاش پاش کیا ہے۔ اس نے یہ اعلان کیا ہے کہ پوری انسانیت ایک گروہ ہے اور اس میں جمع تفریق اور نظام اجتماعی کی تشکیل کے لئے صرف ایک ہی اصول صحیح ہے۔ یعنی عقیدہ اور مسلک اسی اصول کے ذریعے اس نے ایک نئی امت بنائی اور اس امت کو انسانیت کی اصلاح اور تشکیل نو کے عظیم کام پر مامور کر دیا۔

ترجمہ: اب دنیا میں دو بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لئے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

قرآن نے اس امت کو انفرادی اور اجتماعی زندگی کی بھی صورت گری کی ہے اور اسے باقی انسانیت کے لئے خیر و صلاح کا علم بردار بنایا ہے۔ یہی وہ چیز تھی جس نے چھٹی صدی عیسوی کی ظلم اور تاریکی سے بھری ہوئی دنیا کو تاریخ کے ایک نئے دور سے روشناس کرایا۔ جس نے عرب کے اونٹ چرانے والوں کو انسانیت کا حدی خوان بنایا۔ جس نے ریگستان کے بدوؤں کو تہذیب و تمدن کا معمار بنا دیا۔ جس نے مفلسوں اور فاقہ کشوں میں سے وہ لوگ اٹھائے جو انسانیت کے رہبر بنے۔ جس نے وہ نظام قائم کیا جس نے ظن و گمان کی ہر قوت سے لکر لی اور اسے مغلوب کر ڈالا۔

قرآن طاقت کا ایک خزانہ ہے۔ اس نے جس طرح آج سے ڈیڑھ ہزار سال پہلے انسانوں کی

اصلیت بدل کر رکھ دی تھی اور ان کے ہاتھ سے ایک نئی دنیا تعمیر کرائی تھی اسی طرح آج بھی فساد سے بھری ہوئی دنیا کو جہاں سے بچا سکتا ہے۔ اپنے ماننے والوں کو بشرطیکہ وہ اس کا حق ادا کر سکیں، انسانیت کا رہنما اور تاریخ کا معمار بنا سکتا ہے۔

خوب کہا امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے:

ترجمہ: اس امت کے بعد کے حصے کی اصلاح بھی اسی چیز سے ہوگی جس سے اس کے اول حصے کی اصلاح ہوئی تھی..... اور یہ چیز قرآن ہے۔

قرآن سے حقیقی تعلق اور تقاضے

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر قرآن نے پہلے پتھر اور شور زمین سے ایک نیا جہاں پیدا کر دیا تھا تو آج وہ یہ کارنامہ کیوں سرانجام نہیں دے رہا؟

○ اگر وہ کل شفا و رحمت تھا تو وہ آج یہ وظیفہ سرانجام دیتا ہوا کیوں نظر نہیں آتا؟

○ اگر ہم کل اس کی وجہ سے طاقت ور تھے تو آج اس کے باوجود ہم کمزور کیوں ہیں؟

○ اگر کل اس کے ذریعے ہم دنیا پر غالب تھے تو آج اس کے ہوتے ہوئے ہم مغلوب کیوں ہیں؟

اگر غور کیا جائے تو اس کی دو ہی وجوہ ہو سکتی ہیں..... ایک یہ کہ ہم نے عملاً اس کتاب ہدایت کو اپنا حقیقی رہنما باقی نہ رکھا ہو۔ اس سے ہمارا تعلق غفلت و سرد مہری و بے اتفاقی اور بے توجہی کا ہو گیا ہو۔ دوسرے یہ کہ ہم بظاہر تو اس کا احترام اور عقیدے کر رہے ہوں لیکن اس کو سمجھنے اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے صحیح راستہ اور صحیح طریقہ اختیار نہ کر رہے ہوں بد قسمتی سے ہمارے معاملے میں یہ دونوں ہی باتیں صحیح ہیں۔

برف کی طرح پگھلتی اور ہر آن قطرہ قطرہ ختم ہوتی اس زندگی میں یہ بڑا ہی سنہری موقع ہے کہ ہم لمحہ بھر زک کر سوجھیں کہ خدا کی اس کتاب سے ہمارا تعلق کیا ہونا چاہئے؟ اور ہمیں اس سے کیا معاملہ کرنا چاہئے تاکہ یہ اپنے اثرات دکھائے اور اس کی روشنی دنیا کے گوشے گوشے کو نور سے بھر دے۔

1۔ اس سلسلے میں سب سے پہلی چیز تو یہ ہے کہ اپنے اس سوائے ہوئے ایمان کو بیدار کیا جائے جو قرآن پر لایا تو ضرور گیا ہے۔ مگر اس کا یقین اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے جذبے اور شوق سے غازی ہے۔ یاد رکھئے کہ یہ ایمان اس کے خدا کی کتاب ہونے پر اس کے کھل طور پر محفوظ ہونے پر اس کے ہر لفظ کے حق و صداقت ہونے پر اس کے بتائے ہوئے طریقے کے درست اور مفید ہونے پر اس کے بتائے ہوئے نفاق کے اصل ضامن شفا ہونے پر ہے..... یہ ہے نقطہ آغاز:

ترجمہ: بے شک، تم مردوں کو نہیں ستا سکتے اور نہ بہروں کو اپنی دعوت سنا سکتے ہو۔ جب وہ اعتراض کرتے ہوئے منہ پھیر لیں، اور نہ تم اندھوں کو ان کی گمراہی سے نکال سکتے ہو تم تو صرف انہی کو سنا سکتے ہو جو ہر آیت پر ایمان لاتے ہیں اور پھر اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کرتے ہیں۔

ترجمہ: اور جو لوگ اس کا انکار کریں گے وہ نقصان اٹھانے والے ہیں۔

2۔ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ دل قرآن حکیم کی عظمت اور بلندی 'اس کے اعلیٰ اور برتر کلام ہونے کے احساس سے معمور ہو۔ یہ وہ کلام ہے جو اگر پہاڑوں پر نازل ہوتا تو وہ شق ہو جاتے۔ اس پر عظمت کلام کے مقابلے میں اپنی حاجزی کا احساس اور دل کا اس کے لئے موم ہو جانا بہت ضروری ہے۔

ترجمہ: جب وہ اس کلام کو سنتے ہیں جو رسول پر اترتا ہے تو تم دیکھتے ہو کہ حق شناسی کے اثر سے ان کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو جاتی ہیں یہ معرفت حق کا لازمی نتیجہ ہے۔

3۔ قرآن سے رہنمائی اور رہبری کے لئے رجوع کرنا اس کے بارے میں عقلیت کی روش کو ترک کر کے اسے سمجھنے کی کوشش کرنا یہ دیکھنا کہ کس طرح وہ ہماری زندگی کا نقشہ بدلنا چاہتا ہے اس کتاب کو مضبوطی سے تھامنا اور ہر معاملے میں اس سے ہدایت حاصل کرنا..... یہی وہ طریقہ ہے جس سے اس کتاب کے اصل اسرار و رموز ہم پر منکشف ہو سکیں گے۔

ترجمہ: اے پیغمبر! جو کچھ تمہاری طرف وحی کیا گیا ہے اس کو خوب مضبوط پکڑے رہو۔ یقین رکھو کہ تم سیدھے راستے پر ہو اور یہ (قرآن) تمہارے لئے اور تمہاری قوم کے لئے یقیناً ایک نصیحت نامہ ہے اور آگے چل کر تم سب سے اس کی بابت باز پرس ہوگی۔

امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ نے بجا فرمایا ہے۔

جو شخص دین کو جاننا چاہتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ قرآن ہی کو اپنا مولیٰ و ہم دم بنائے۔ شب و روز قرآن ہی سے تعلق رکھے۔ یہ ربط و تعلق علمی اور عملی دونوں طریقوں سے ہونا چاہئے ایک ہی پراکتفانہ کرے۔ جو شخص یہ کرے گا وہی شخص گوہر مقصود پائے گا۔ (الموافقات، ج 3 ص 346)

4۔ قرآن کا مطالعہ کیا جائے اور اس طرح کیا جائے جو اس کا حق ہے۔ ترجمہ: جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اسے اس طرح پڑھتے ہیں جیسا کہ پڑھنے کا حق ہے۔

اسکے معنی یہ بھی ہیں کہ قرآن کی تلاوت کے ظاہری آداب پورے کئے جائیں یعنی اسے پاک حالت میں چھوا جائے، ادب سے مطالعہ کیا جائے، تزیین سے پڑھا جائے اور خوش الحانی سے پڑھا جائے وغیرہ۔ اس کا تقاضا یہ بھی ہے کہ اس کے معنی کو سمجھا جائے اور ان پر غور و فکر کیا جائے قرآن ک الفاظ پر سے یوں ہی نہ گزر جایا جائے بلکہ اس کی گہرائیوں میں اترنے اور اس کے مفہوم کو سمجھنے کی پوری کوشش کی جائے یہی قرآن کا مطالبہ ہے۔

ترجمہ: غور کرنے والوں کے لئے ہم نے اس طرح آیات تفصیل سے بیان کی ہیں۔

ترجمہ: لوگو! ہم نے تمہاری طرف کتاب اتاری ہے جس میں تمہارا ذکر ہے کیا تم غور نہیں کرتے۔ ترجمہ: اے پیغمبر! یہ قرآن برکت والی کتاب ہے جو ہم نے تمہاری طرف اتاری ہے تاکہ لوگو اس کی آجوں میں غور کریں جو سمجھ بوجھ رکھتے ہیں وہ اس سے نصیحت پکڑیں یہی صحابہ کرام کا طریقہ تھا کہ وہ

قرآن پاک کی آیات کو سمجھ کر پڑھتے تھے اور ان پر غور و فکر کرتے تھے۔

5- قرآن پر عمل کیا جائے اور اس کے مطابق اپنے فکرو عمل کو بدلا جائے۔ قرآن پر اس سے بڑا ظلم اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ قرآن کے احکام کے مطابق اپنے کو بدلنے کے بجائے اپنی بد اعمالیوں کے لئے جواز پیش کرنے کے لئے قرآن کو (نعوذ باللہ) بدلنے کی کوشش کی جائے۔ اس طرح یہ بھی قرآن کے حقوق کے منافی ہے۔ کہ اس کے احکام کو توڑا جائے مگر دوسری جانب ان پر عمل نہ کیا جائے قرآن نازل ہی اس لئے کیا گیا ہے کہ اس کے مطابق انفرادی اور اجتماعی زندگی کے نکتے کو تعمیر کیا جائے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ قرآن کے مطابق عمل کی سعی کی جائے۔ حضرت ابن مسعود کا ارشاد ہے کہ ”جب کوئی قصص ہم میں سے 10 آیتیں سیکھ لیتا تھا تو اس سے زیادہ نہ پڑھتا تھا جب تک ان کے معنی نہ سمجھ لیتا اور ان پر عمل نہ کرتا۔“

6- پھر قرآن کو سمجھنے اور اس پر عمل کے سلسلے میں رہنما اور نمونہ اس مبارک ہستی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ماننا جس پر یہ کتاب نازل ہوئی۔ ترجمہ: جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

اس سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ حسنہ سے سرمو اعتراف بھی قرآن سے دُور لے جانے والی چیز ہے۔

قرآن کے نظام کو قائم کرنے کے لئے جدوجہد

اور آخری چیز یہ ہے کہ قرآن جس دعوت کو لے کر آیا ہے اسے پھیلانے اور اس کے نظام کو قائم کرنے کی عملی جدوجہد کی جائے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی نے بہت سچ لکھا ہے کہ:

فہم قرآن کی ان ساری تدبیروں کے باوجود آدی قرآن کی روح سے پوری طرح آشنا نہیں ہونے پاتا جب تک کہ عملاً وہ کام نہ کرے جس کے لئے قرآن آیا ہے۔ یہ محض نظریات اور خیالات کی کتاب نہیں ہے کہ آپ آرام وہ کرسی پر بیٹھ کر اسے پڑھیں اور اس کی ساری باتیں سمجھ جائیں۔ یہ دنیا کے عام تصور مذہب کے مطابق ایک نری مذہبی کتاب بھی نہیں ہے کہ مدرسے اور خانقاہ میں اس کے سارے رموز حاصل کر لئے جائیں..... یہ ایک دعوت اور تحریک کی کتاب ہے۔ اس نے آتے ہی ایک خاموش طبع اور نیک نہاد انسان کو گوہر عزت سے نکال کر خدا سے پھری ہوئی دنیا کے مقابلے میں لاکھڑا کیا۔ باطل کے خلاف اس سے آواز اٹھوائی اور وقت کے علم بروران کفر و فسق و ضلالت سے اس کو لڑاویا۔ گھر گھر سے ایک ایک سعید روح اور پاکیزہ نفس کو کھینچ کھینچ کر لائی اور واعی حق کے جھنڈے تلے ان سب کو اکٹھا کیا۔ گوشے گوشے سے ایک ایک فتنہ جو اور فساد پرور کو بھڑکا کر اٹھایا اور حامیان حق سے ان کی جنگ کرائی۔ ایک فرد واحد کی پکار سے کام شروع کر کے خلافت الہیہ کے قیام تک پورے 23 سال میں یہ کتاب اس عظیم الشان تحریک کی رہنمائی کرتی رہی اور حق و باطل کی اس طویل و جاں

عمل کش مکش کے دوران میں ایک ایک منزل اور ایک ایک مرحلے پر اس نے تخریب کے ڈھنگ اور تعمیر کے نقشے بتائے۔

..... اب بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ سرے سے نزاع کفر و دین اور معرکہ اسلام و جاہلیت کے میدان میں قدم ہی نہ رکھیں اور اس کش مکش کی منزل کا آپ کو اتفاق ہی نہ ہوا ہو اور پھر محض قرآن کے الفاظ پڑھ پڑھ کر اس کی ساری حقیقتیں آپ کے سامنے بے نقاب ہو جائیں اسے تو پوری طرح آپ اسی وقت سمجھ سکتے ہیں جب اسے لے کر انھیں اور دعوت الی اللہ کا کام شروع کر دیں اور جس جس طرح یہ کتاب ہدایت دیتی جائے اس طرح قدم اٹھاتے چلے جائیں۔ تب وہ سارے تجربات آپ کو پیش آئیں گے جو نزول قرآن کے وقت پیش آئے تھے مکہ، حبشہ اور طائف کی منزلی بھی آپ دیکھیں گے اور بدر واحد سے لیکر حنین اور جہوک تک کے مراحل بھی آپ کے سامنے آئیں گے۔ ابو جہل اور ابولہب سے بھی آپ کو واسطہ پڑے گا۔ منافقین اور یہود بھی آپ کو ملیں گے اور سابقین اولین سے لے کر مولفۃ القلوب تک سبھی طرح کے انسانی نمونے آپ دیکھ بھی لیں گے اور برت بھی لیں گے۔ یہ ایک اور ہی قسم کا سلوک ہے جس کو میں سلوک قرآنی کہتا ہوں۔ اس سلوک کی شان یہ ہے کہ اس کی جس جس منزل سے آپ گزر رہے جائیں گے قرآن کی کچھ آیتیں اور سورتیں خود سامنے آ کر آپ کو بتاتی چلی جائیں گی کہ وہ اس منزل میں اُتری تھیں اور یہ ہدایت لے کر آئی تھیں اس وقت یہ تو ممکن ہے کہ لغت اور نحو اور معانی اور بیان کے کچھ نکات سائل کی نگاہ سے چھپے رہ جائیں لیکن یہ ممکن نہیں کہ قرآن اپنی روح کو اس کے سامنے بے نقاب کرنے سے بخل برت جائے۔

..... پھر ان کلمے کے مطابق قرآن کے احکام اس کی اخلاقی تعلیمات اس کی معاشی اور تمدنی ہدایات اور زندگی کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں اس کے بتائے ہوئے اصول و قوانین آدمی کی سمجھ میں آنے کے وقت تک آئی نہیں سکتے جب تک وہ ان کو برت کر نہ دیکھے۔ نہ وہ فرد اس کتاب کو سمجھ سکتا ہے جس نے اپنی انفرادی زندگی کو اس کی بیرونی سے آزاد رکھا ہو اور نہ وہ قوم اس سے آشنا ہو سکتی ہے جس کے سارے ہی اجتماعی ادارے اس کی بنائی ہوئی روش کو مختلف چل رہے ہوں۔ (تفہیم القرآن ج ۱ مقدمہ ص 33-34)

یہ ہیں قرآن سے تعلق کی صحیح بنیادیں اور اگر ان پر ٹھیک ٹھیک عمل کیا ہو تو پھر قرآن انفرادی زندگی کا نقشہ بھی بدل دیتا ہے اور اجتماعی زندگی کی شکل بھی تبدیل کر دیتا ہے۔ انفرادی زندگی اس کی برکتوں سے بھر جاتی ہے اور اجتماعی زندگی تکی، نور خوشی کی بہار سے شاد کام ہوتی ہے۔

قرآن پر ایمان اسی وقت منید اور حقی چیز ہو سکتا ہے جب تک ہم قرآن کے پیغام کو سمجھیں اور اس کی دعوت پر لبیک کہیں قرآن کے بتائے ہوئے طریقے پر چلنے اور اس کی ہدایت کے ذریعے اپنے معاملات

سیارہ ڈائجسٹ کی سالانہ خریداری کیلئے بیرون ملک پیدل اشتراک

6000/-
روپے

(1) سعودی عرب، کویت، اردن، سری لنکا، ابو ظہبی، بحرین، دوحی، مسقط، قطر، شارجہ، بھارت۔

6000/-
روپے

(2) سوڈان، یوگنڈا، لیبیا، نائیجیریا اور دیگر افریقی ممالک، مشرقی اور مغربی جرمنی، ڈنمارک، انگلینڈ، ناروے، سویڈن، ملائیشیا، سوئٹزرلینڈ، سنگاپور، ہانگ کانگ، آسٹریا، برہمانی۔

7000/-
روپے

(3) آسٹریلیا، کینیڈا، فجی، نیوزی لینڈ، بہاماز، ونیزویلا، یونان، امریک، نوڈو، برازیل، چلی، کولمبیا، کیوبا، ارجنٹائن، میکسیکو، گریناڈا۔

◀ بیرون ملک وی پی نہیں جاتی۔ رقم پہلے بھجوائیں۔

◀ کتابوں پر ڈاک خرچ خریدار کو ادا کرنا ہوگا۔

◀ ڈرافٹ سیارہ ڈائجسٹ لاہور کے نام ارسال کریں۔

240 - سن مارکیٹ، ریوار کارڈن لاہور۔

سیارہ ڈائجسٹ فون: 0423-7245412

E.mail: sayyaradigest@gmail.com

Scanned By Amir

کوٹے کرنے کی کوشش کریں آج عالم اسلام جن مسائل اور مصائب سے دوچار ہے ان سے نکلنے، ترقی اور عزت کی راہ پر پیش قدمی کرنے کا راستہ صرف یہی ہے اور صادق برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی کی تلقین کی تھی۔

رسول اللہ: خبردار عنقریب ایک بڑا فتنہ سر اٹھائے گا۔

حضرت علیؓ اس سے نجات کیا چیز دلائے گی یا رسول اللہ!

رسول اللہ: اللہ کی کتاب۔

اس میں تم سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کے حالات ہیں۔

تم سے بعد میں ہونے والی باتوں کی خبر ہے۔

اور تمہارے آپس کے معاملات کا فیصلہ ہے۔

اور یہ ایک دو ٹوک بات ہے، کوئی ہنسی دل گلی کی بات نہیں

جو سرکش اسے چھوڑے گا اللہ اس کی کمر کی ہڈی توڑ ڈالے گا۔

اور جو کوئی اسے چھوڑ کر کسی اور بات کو اپنی ہدایت کا ذریعہ بنائے گا اللہ اسے گمراہ کر دے گا۔

خدا کی مضبوطی یہی ہے۔

یہی حکمتوں سے بھری ہوئی یاد دہانی ہے۔

یہی بالکل سیدھی راہ ہے۔

اس کے ہوتے ہوئے خواہشیں گمراہ نہیں کرتیں۔

اور نہ رہا نہیں لڑکھڑاتی ہیں۔

اہل علم کا دل اس سے کبھی نہیں بھرتا۔

اسے کتنا ہی برہو طبیعت میر نہیں ہوتی۔

اس کی باتیں کبھی ختم نہیں ہوتیں۔

جس نے اس کی سند پر کہا سچ کہا۔

جس نے اس پر عمل کیا اجر پائے گا۔

جس نے اس کی بنیاد پر فیصلہ کیا اس نے انصاف کیا۔

جس نے اس کی دعوت دی اس نے سیدھی راہ کی دعوت دی۔ (مشکوٰۃ)

یہی وہ سیدھی راہ ہے جس کی طرف قرآن ہم سب کو دعوت دے رہا ہے!

اللہ کا مہینہ

غلام نبی تاروف

ویسے تو اسلامی مہینوں میں بارہ کے بارہ مہینے افضل ہیں لیکن رمضان افضل ترین ہے۔ یہ خالصتاً اللہ

تبارک و تعالیٰ کا اپنا مہینہ ہے۔ اسلام کے پانچ ارکان میں سے روزہ تیسرا رکن ہے۔ اس کی خاص اہمیت ہے۔ ہر مسلمان کو چاہئے کہ یہ مہینہ پا کر زیادہ سے زیادہ نیکی کے کاموں میں حصہ لے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے رمضان کے مہینے میں ہر نیک کام کا ثواب کئی گنا بڑھا دیا ہے۔ ہر عاقل و بالغ مسلمان پر رمضان کے روزے فرض ہیں۔

”(ترجمہ) اے ایمان والو تم پر روزے فرض کر دیئے گئے ہیں جیسے ان لوگوں پر جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم پر ہیروزگار میں جاؤ۔“

رمضان شریف کا چاند دیکھ کر روزہ رکھنا چاہئے اگر مطلع ایر آلود ہو تو حکم ہے کہ شعبان کے تیس دن پورے کئے جائیں اس طرح شوال کا چاند دیکھ کر عید کرنی چاہئے، اگر مطلع ایر آلود ہو تو رمضان کے تیس دن پورے کرنے چاہئیں۔

آج کل فی زمانہ حکومت پاکستان کی طرف سے رویت ہلال کمیٹی بنا دی گئی ہے اور ایک عالم فاضل مولانا صاحب اس کمیٹی کے چیئرمین ہوتے ہیں جو کہ خود اور گواہوں کی صورت میں چاند نظر آنے یا نہ آنے کا اعلان ریڈیو ٹی وی اور اخبارات کے ذریعے پوری ذمہ داری سے ادا کرتے ہیں۔ جبکہ آج سے بہت عرصہ پیشتر رمضان شریف، عید الفطر، عید الاضحیٰ اور محرم الحرام کا چاند خصوصی طور پر ہمارے ملک کے عوام گھر کی چھتوں، کھلے میدانوں اور پارکوں میں ٹولیوں کی صورت میں جمع ہو کر دیکھا کرتے تھے۔ ایک آدمی اگر چاند دیکھ لیتا تو وہ خوشی کے مارے دوسرے ساتھیوں کو پکڑ پکڑ ہاتھ کے اشارے سے چاند دکھایا کرتا تھا۔ یوں تمام لوگ چھوٹے بڑے خود اپنی آنکھوں سے چاند دیکھ کر اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کیلئے ہاتھ اٹھا لیتے اور اس مہینے کے چاند کی مناسبت سے دعا مانگتے۔ آج کل زمانہ بدل گیا ہے۔ سائنسی دور ہے۔ موبائل، کمپیوٹر، لپ ٹاپ اور انٹرنیٹ نے سب کام سنبھال رکھے ہیں۔ انسان ان سب کا محتاج ہو گیا ہے۔

یہ مندرجہ بالا اشیاء بھی خداوند کریم نے انسان کو عقل اور علم کے ذریعے عطا فرمائی ہیں اور اس میں کوئی ذرہ بھر بھی شک و شبہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

روزوں کی فضیلت

رمضان کا مہینہ شروع ہوتے ہی آسمان یعنی جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین کو زنجیروں سے جکڑ دیا جاتا ہے۔ جو شخص ایمان کے ساتھ خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے روزے رکھے تو اس کے پہلے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ابن آدم کا ہر نیک عمل بڑھا دیا جاتا ہے۔ اس طرح کہ ایک نیکی کا بدلہ دس گناہ سے لے کر سات سو گنا تک بڑھا دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں سوائے روزے کے کیونکہ وہ خالصتا میرے لئے ہے اور میں ہی

اس کا اجر ڈوں گا۔

روزوں کے آداب

فجر سے پہلے روزے کی نیت کرنا ضروری ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سحری کھایا کرو سحری میں برکت ہے۔ غروب آفتاب کے ساتھ ہی افطاری کھینی چاہئے۔ روزہ افطار کرنے میں جلدی کریں گے تو ہمیشہ بھلائی ہوگی۔

روزہ دار کیلئے جائز امور کا بیان

حالت روزہ میں بغیر مبالغہ کے کلی کرنا ناک میں پانی چھانا، بھول کر کھاپی لینے سے، مسواک کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ حالت روزہ میں سر پر تیل لگانا، کنگھی کرنا، سرمہ استعمال کرنا جائز ہے۔ خود بخود تے آنا ناک میں دوا ڈالنے (اگر وہ طلق تک نہ پہنچے) تو کوئی حرج نہیں۔

روزہ دار کے لئے ناجائز امور کا بیان

روزہ دار کیلئے غیبت کرنا، لڑائی جھگڑا کرنا، جھوٹ بولنا، گالی دینا بدرجہ اولیٰ ناجائز ہیں۔ روزہ دار کے لئے بے ہودہ بخشش اور جہالت کے کام یا گفتگو کرنا منع ہے۔ روزہ صرف کھانا پینا چھوڑنے

رمضان میں ذکر کی فضیلت

امیر المؤمنین حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ کا فرمان ہے: ”رمضان میں ذکر اللہ کرنے والے کو بخش دیا جاتا ہے اور اس مہینے میں اللہ تعالیٰ سے مانگنے والا محروم نہیں رہتا۔“

ہزار گنا ثواب

ماہ رمضان المبارک میں نیکیوں کا اجر بہت بڑھ جاتا ہے لہذا کوشش کر کے زیادہ سے زیادہ نیکیاں اس ماہ میں جمع کر لینی چاہئیں چنانچہ حضرت سیدنا امیر ایم فخری فرماتے ہیں:

”ماہ رمضان میں ایک دن کا روزہ رکھنا ایک ہزار دن کے روزوں سے افضل ہے اور ماہ رمضان میں ایک مرتبہ تسبیح کرنا یعنی سبحان اللہ کہنا اس ماہ کے علاوہ ایک ہزار مرتبہ تسبیح کرنے یعنی سبحان اللہ کہنے سے افضل ہے اور ماہ رمضان میں ایک رکعت پڑھنا غیر رمضان کی ایک ہزار رکعتوں سے افضل ہے۔“

کا نام نہیں بلکہ روزہ تو لغو (یعنی ہر بے فائدہ کام) اور رفق (یعنی ہر بے ہودہ حرکت) سے بچنے کا نام ہے۔ جو شخص ضبط نفس کی طاقت نہ رکھتا ہو اس کے لئے اپنی بیوی سے بوس و کنار جائز نہیں۔ جان بوجہ کہ حالت روزہ میں کھاپی لینے سے اور حالت روزہ میں جماع کرنے سے مرد و زن دونوں کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ روزہ داروں کے لئے چیدہ چیدہ جائز امور اور ناجائز امور بیان کر دیئے ہیں انسان خود سمجھدار عاقل و بالغ ہے انشاء اللہ زندگی باقی تو یہ چیزیں یہ باتیں سمجھتی رہیں گی۔

اصل مدعا تحریر کرنے کا یہ ہے کہ ہر مسلمان عاقل و بالغ توحید نماز روزہ زکوٰۃ اور حج جیسے پانچ ارکان پر عمل پیرا ہونے کی بھرپور کوشش کرے اور اپنے آپ کو برائیوں سے بچا کر مسلمانیت کو اجاگر کرے۔ اس کے ساتھ ایک اہم واقعہ بیان کرتا چلوں۔

روزہ تو ہمارے پاک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیارے نواسے حضرت امام حسینؑ نے چھ ماہ کی عمر میں اپنی والدہ ماجدہ کی گود میں رکھا تھا۔ بزرگوں سے بھی سنتے آئے ہیں ریڈیو پاکستان اور ایف ایم سے بھی ہر سال نعتیہ کلام کی صورت ان کے روزے کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے۔ (سبحان اللہ) میری والدہ صاحبہ سرائیکی زبان میں نعتیہ کلام کی صورت میں رمضان شریف میں خاص کر رات کے وقت قصہ سنایا کرتی تھیں اور ہم لوگ بے خودی کے عالم میں اکٹھے بیٹھ کر حضور پاکؐ کے نواسے حضرت امام حسینؑ کا اپنی والدہ ماجدہ کی گود میں بھوکے پیاسے دن گزار دینا سنا کرتے تھے۔ نہ ماں کا دودھ پیتے تھے اور نہ ہی پانی یہ بہت بڑا اور اہم واقعہ ہے۔ یہ کلام اور قصہ سن کر ہم سب بچے مستی میں سرشار ہو جاتے تھے اور روزہ رکھنے کے لئے اپنی والدہ صاحبہ کو مجبور کر دیتے تھے۔

باقی شاعری اور کلام تو مجھے یاد نہیں آ رہا ایک شعر جو یاد رہ گیا ہے وہ تحریر کئے دیتا ہوں۔

تڑواواں چکو سورج دیا جلدی
نہ لاو دی ہرگز پل دو پل دی

اس کا مطلب والدہ صاحبہ (مرحومہ) یہ بتایا کرتی تھیں کہ جب معصوم حضرت امام حسینؑ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیارے راج دلارے آنکھوں کے تارے گرمی بھوک و پیاس سے نیم بے ہوشی کی حالت میں چلے گئے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئی فرشتوں کو حکم جاری ہوا کہ جلدی کرو سورج کی طنابیں کھینچو تاکہ سورج جلدی غروب ہوتا کہ پیارے آقاؐ کالی کالی والے کا پیارا نواسہ روزہ افطار کرے۔ سبحان اللہ۔ اللہ تبارک و تعالیٰ تمام عالم اسلام کو روزہ رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

ہنسی علاج غم ہے

خاور قیوم

گاہک۔ "ناپ تو مجھے یاد نہیں رہا خیر آپ میری بخت پر دیکھ لیں۔"

ذور ذور سے

شوہر بھی سے۔ ڈارنگ تم مجھے ایک جگہ سے بہت پیاری لگتی ہو۔

بیوی شرماتا کر۔ "کہاں سے ڈارنگ؟" شوہر۔ "ذور ذور سے۔"

"مُسکرا کیے"

لکھنا صحت سے۔ یہ لڑکی مجھے مسکرا کے دیکھتی ہے۔ دوست۔ "بھائی! اپنے کفرم کر لے مسکرا کے دیکھتی ہے یاد کیجئے کے مسکراتی ہے۔"

فوزکس کی تعریف

استاد شاگرد سے۔ "فوزکس کی تعریف سناؤ۔"

شاگرد۔ "سرا آدمی آتی ہے سناؤں؟"

استاد۔ "ہاں آدمی ہی سناؤ۔"

شاگرد۔ "اور اسے فوزکس کہتے ہیں۔"

"بھتر"

بیوی: کیوں جی مٹا رہا ہے؟

شوہر: کیا کروں سوتا نہیں۔

بیوی: لوری گا کر سلا دو۔

شوہر: میں نے لوری بھی گائی تھی لیکن پڑوسیوں

نے کہا اس سے اچھا تو بچے کا رونا ہی تھا۔

.....

دن کے ہاتھوں

○ بیوی نے شوہر کو فون کیا اور پوچھا: کیا کر رہے ہو؟

شوہر: آفس میں ہوں اور بہت مصروف ہوں اور تم کیا کر رہی ہو ڈارنگ۔

بیوی: کے ایف سی میں ہوں اور تمہارے پیچھے بیٹھی ہوں۔

وقت

○ لڑکا شیخ سے: آپ اپنی بیٹی کی شادی مجھ سے

کروں میں اس کے وزن کے برابر آپ کو سونا ڈوں گا۔

شیخ: مجھے کچھ وقت دو۔

لڑکا: سوچنے کے لیے۔

شیخ نہیں۔ بیٹی کا وزن بڑھانے کے لیے۔

مذاق

باپ بیٹے سے۔ "بیٹا آپ نے اس بار 95 فیصد

نمبر لینے ہیں۔"

بیٹا۔ "نہیں تو! میں اس بار 100 فیصد نمبر

لوں گا۔"

باپ۔ "کیوں مذاق کر رہے ہو نالائق؟"

بیٹا۔ "تو! پہل کس نے کی تھی؟"

پشت پور

گاہک۔ "ایک زمانہ چہل دیجیے۔"

دکاندار: "کس ناپ کی جناب؟"

”خود جلس دیدہ اغیار کو پینا کر دیں“



husain_sayyed2001@yahoo.com

قلندر حسین سید سیارہ ڈائجسٹ کے دیرینہ قاری اور مستقل قلم کار ہیں۔ گذشتہ کئی ماہ سے وہ ایسی بہترین تحریروں کا مجموعہ قارئین کی نذر کر رہے ہیں جو قارئین میں بے حد پسند کی جا رہی ہیں اور جن کے حصول کے لیے بے شمار کتب، جرائد اور انٹرنیٹ سے استفادہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ جناب سید نے قارئین سیارہ ڈائجسٹ کیلئے اپنے گہرے مطالعہ اور تحقیق کے نچوڑ کیا تھ ساتھ ساتھ دنیائے ادب کی چنیدہ کتب و جرائد سے اخذ اقتباسات پر مشتمل انتخاب کو زیر نظر سلسلے میں یکجا کر دیا ہے۔ ان تحریروں میں شہد جیسی مٹھاس، لیوں کی کھٹاس، کوڑتیا کی کڑواہٹ اور زبر ہلاہل کی آمیزش ہے۔!!

دیکھا پڑھا اور

طاق نسیان کر دیا!

- انسان کامیاب ہونے کے لئے پیدا کیا گیا ہے مگر اپنی عظمت سے وہ اپنے آپ کو ناکام بنا لیتا ہے!
- عورت کے پچھے کپڑوں میں مرد اس کی غربت نہیں دیکھتے ہیں (ایک تلخ حقیقت)
- جمہوریت کے دعویدار جمہوریت کی توہین کر رہے ہیں۔
- پاکستان میں غریب ہونا پہلا جرم عورت ہونا دوسرا جرم اور غریب کی بیٹی ہونا تیسرا جرم ہے۔ یہ وہ

- ریمارکس ہیں جو قائم مقام چیف جسٹس آف پاکستان جواد ایس خواجہ نے پولیس کیخلاف شکایت کے مقدمہ میں دوران سماعت دیئے۔ (بحوالہ روزنامہ خبریں 29 اپریل)
- جنس ایک بڑی طاقت ور اور بڑی پاکیزہ چیز ہے۔ (اشفاق احمد)
- جسے اس کے اعمال پیچھے بنا دیں اسے حسب و نسب آگے نہیں بڑھا سکتا۔ (سچ البلاغہ)
- قرآن سب سے زیادہ پڑھا جاتا ہے مگر سچے کبھے بغیر۔
- ہر چیز کی زکوٰۃ ہوتی ہے عقل کی زکوٰۃ یہ ہے

بالاکوٹ میں سید احمد شہید کے مزار پر مگر آج کا رونا کچھ اور طرح کا رونا تھا۔ اُس رونے میں آواز پر قابو تھا آنسو بے قابو تھے۔ آج کے رونے میں آنسو تاپید مگر آواز بے قابو تھی۔ البتہ سکندر مرزا کی مسکراہٹ اور غلام محمد کا رونا ایک ہی تصور کے دو رخ تھے۔ سکندر مرزا غلام محمد کے رو دینے پر مسکرا اٹھا تو غلام محمد سکندر مرزا کے مسکرانے پر رو دیا۔ ایک اپنے انجام سے باخبر ہو کر رو رہا تھا دوسرا بے خبری کے عالم میں مسکرا رہا تھا۔ تاریخ خود کو دہرانے میں کتنی بے رحم ہے۔ خواجہ ناظم الدین کو جس روز وزارت عظمیٰ سے "اُس مس" کیا گیا وہ جمعہ المبارک کا دن تھا۔ خواجہ صاحب کا پروگرام نماز جمعہ کے بعد حیدرآباد جانے کا تھا غلام محمد کے ملٹری سیکرٹری کرنل حامد نواز نے فون پر بتایا کہ گورنر جنرل صاحب نے یاد فرمایا ہے۔ خواجہ صاحب نے معذرت پیش کی کہ جمعہ کی نماز کا وقت قریب ہے حیدرآباد سے واپسی پر حاضر ہوں گا ادھر سے اصرار ہوا کہ چند منٹ کے لئے تشریف لے آئیے۔

خواجہ صاحب تشریف لے آئے۔ ٹخنوں کے اوپر تک شرعی پاجامہ پہلے براؤن رنگ والی پرلین شیروانی، ایک ہاتھ میں چھری دوسرے میں ٹوپی غلام محمد بھی جمعہ کے روز شیروانی پہنتے تھے وہ آج کا کام آج ہی کرنے کے عادی تھے۔ چھوٹے ہی خواجہ صاحب سے استعفیٰ طلب کیا۔ خواجہ صاحب نے اسکی میں اپنی واضح اکثریت کا حوالہ دیا۔ غلام محمد کا پارا ایک تخت چڑھ گیا اور گرجے: ا DIS MISS YOU یہ کہا اور کھڑے ہو گئے۔ خواجہ صاحب پریشانی کے عالم میں کمرے سے باہر نکلے تو اپنی ٹوپی غلام محمد کی میز پر ہی بھول آئے۔ اکڑے اکڑے قدموں سے میرے کمرے کے

کہ جہلا کی جہالت برداشت کرے۔ (حضرت علیؑ)
 حقیقت میں جن کوئی مخلوق نہیں۔ قرآن میں جن کا لفظ فیر مہذب کے لئے استعمال ہوا ہے۔ (مرسید احمد خان)

بچپن میں جات' بھوتوں اور چڑیلوں سے خوف آتا تھا پر جب ہوش سنبھال کر دنیا دیکھی تو اندازہ ہوا کہ انسان زیادہ بھیانک مخلوق ہے۔
 ۵۵ لہون مٹھی کا وہ جالا ہے جس میں ہمیشہ حشرات یعنی بھونے ہی چھنتے ہیں بڑے چالور اس کو پھاڑ کر نکل جاتے ہیں۔ (ارسطو)

"قدرت اللہ شہاب کیساتھ

ایوان صدر میں سوال سال"

(مب خالہ کی کتاب سے)

1955ء میں غلام محمد کو سبکدوشی پر بمشکل رضامند کر لیا گیا۔ رخصتی کے دن گورنر جنرل ہاؤس کراچی سے لے کر کلفٹن میں ان کی رہائش گاہ "ہشمن" تک سلامی کے لئے فوجی دستہ متعین کر دیا گیا کہ ساتھ بیٹھ جائیں اور گھر تک چھوڑ آئیں۔ راستہ بھر غلام محمد سلامی لیتے گئے اور اندرونی اثرات کو چہرے کے خارجی حدود سے ڈور رکھا۔ گھر کے دروازے پر ان کی بیٹی اقبال بیگم ان کا شوہر اور دیگر افراد خانہ استقبال کے لئے موجود تھے۔ سب نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اپنے کمرے میں جا کر غلام محمد ابھی بیٹھے ہی تھے کہ سکندر مرزا چودھری محمد علی اور ڈاکٹر خان صاحب تشریف لے آئے۔ ان پر نظر پڑتے ہی غلام محمد بے قابو ہو گئے اور دھمازیں مار مار کر رونے لگے۔ روتے روتے کچھ کہنے کی کوشش بھی کی مگر کسی کے کچھ پلے نہ پڑ سکا۔ سکندر مرزا و بی بی مسکراہٹ کے ساتھ تسلیاں دیتے گئے۔ میں اس سے قبل غلام محمد کو دو دفعہ رونا دیکھا تھا۔ ایک بار کراچی میں اور دوسری بار

سامنے سے شارٹ کٹ کرتے ہوئے پورچ میں پہنچے۔ گاڑی سے جھنڈا اُترا ہوا تھا۔ موٹر سائیکل سوار چاچکے تھے خواجہ صاحب کے ڈرائیور نے کار کا دروازہ کھولا۔

اسی گورنر جنرل ہاؤس میں قائد اعظم کی وفات کے بعد تین برس شاہانہ ٹھاٹھ سے گزارے تھے۔ اپنے اور سٹاف کی تفریح کی خاطر کتے اور بھیڑیے کتے اور رینگھ کی لڑائی کروائی۔ مرغوں کے دھگل آراستہ کروائے۔ نیازیں ہوائیں، ضیافتیں اُڑائیں مگر آج اسی گھر سے نکلتے وقت خواجہ صاحب کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ دایاں قدم اٹھانا ہے یا بائیں۔ تھوڑی دیر بعد غلام محمد بھی کمرے سے باہر تشریف لے آئے۔

قومی دستور ساز اسمبلی کو توڑا امریکہ سے محمد علی بوگرا کو بلایا۔ بلا کر بیٹھایا بیٹھا کر اٹھایا اٹھا کر نکالا۔ فرض ہٹنے ہٹانے کے بیٹھارے پیش آتے رہے تھے مگر ہٹنے ہٹانے کا بھی شاید ایک کوہ ہوتا ہے جو ایک نہ ایک دن ختم ہو سکتا ہے اور رونے دھونے کی باری آ سکتی ہے۔ آج غلام محمد کے لئے گورنر جنرل ہاؤس کی وسیع و عریض عمارت کے بجائے چھوٹے سے مکان کا مختصر کمرہ تھا۔ تخت چھن چکا تھا تختے کا اٹھارہ تھا۔

دن گزرتے رہے گھڑیاں بنتی رہیں 7 اکتوبر 1958ء کا دن آ گیا۔ بعد دوپہر سکندر مرزا کا ذاتی خدمت گار عبدالستار میرے کمرے میں داخل ہوا۔ وہ جلدی میں تھا کہنے لگا، سب جی، لاٹ سب نے کہا ہے کہ آپ شام پانچ بجے دفتر آجائیے ضروری کام ہے۔

شام پانچ بجے میں دفتر میں تھا۔ میرے علاوہ سکندر مرزا کا پرنسپل سیکرٹری نصرت بھی تھا۔ تارکیاں پہننے کو نہیں کہہ سکتے گورنر جنرل میرے کمرے میں داخل

ہوئے۔ یہ جاگت چیفس سیکرٹریٹ نے سربراہ تھے۔ ہم دونوں سے ٹائپ مشینیں درست کروائیں بریف کیس میں سے ہاتھ کے لکھے ہوئے دو کاغذ نکالے ایک مجھے تھمایا دوسرا نصرت کو۔ ٹائپ رائٹر کھٹ کھٹ کھٹا کھٹ چلتے شروع ہو گئے۔ میرے حصے میں آنے والے کاغذ کا عنوان تھا (Proclamation) دل کی دھڑکن تیز ہوتی محسوس ہوئی۔ پاکستان کا دستور منسوخ، قومی اور صوبائی اسمبلیاں برخاست کیبنٹ ڈس مس، صوبائی حکومتیں ختم۔

ایک کے بعد دوسرا کاغذ مارشل لاء کا نفاذ جنرل محمد ایوب خاں کا بحیثیت مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور پیریم کمانڈر تقرراً صوبوں میں ڈپٹی مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی تقرریاں۔

تیسرا کاغذ غیر ملکی سربراہان مملکت کے نام خصوصی پیغام۔ چوتھے کاغذ میں پاکستانی سفیروں کے نام خصوصی ہدایات۔ ساڑھے نو بجے ہمارے ٹائپ رائٹر خاموش ہو گئے ہم دونوں کو جنرل شیر بہادر اپنی نگرانی میں ملٹری سیکرٹری بریگیڈیئر نووازش علی کے کمرے میں لے گئے جو بالکل دوسرے کونے میں تھا۔ تھوڑی دیر بعد سکندر مرزا بھی وہیں تشریف لے آئے۔ ٹھیک دس بجے ڈپٹی اے برکی اور لیفٹیننٹ جنرل اعظم خاں بھی ساتھ تھے۔ سکندر مرزا کو سلوٹ کے بعد جنرل ایوب خان گویا ہوئے۔

(Every thing ok sir operation is complete) ہاتھ ملانے کے نتیجے بلند ہوئے۔ سکندر مرزا نے اشارہ کیا چار پانچ خدمت گار رے میں ڈسک سوڈا کے پھینکتے ہوئے گلاس سہائے ایک ساتھ داخل ہوئے کمرے میں آب و نوش نہ کرنے والے صرف میں اور نصرت تھے۔ ہمارے لئے جوس کے گلاس آ گئے۔

آئے ہوئے فوجی (BATTLE DRESS) میں لمبے پوزیشن لے رہے تھے۔ حکم کے مطابق میں نے اپنا پستول میجر صاحب کے حوالے کر دیا۔ مجھے اور میرے ماتحت افسروں کو ساتھ والے کمرے میں بٹھا دیا گیا باہر ذرا ہٹ کر باقی پولیس فورس جمع ہوتی جاتی۔

کافی رات گئے کچھ گاڑیاں گیٹ سے باہر نکلیں انہی میں سے کسی ایک گاڑی میں سکندر مرزا اور بیگم صاحبہ سوار تھے۔ ہم نے اسی کمرے میں رات گزار دی اب اجازت ملی ہے۔“

حدیث اگرچہ ضعیف است راویاں ثقہ اند کے مطابق رات گیارہ بجے جنرل برکی، جنرل اعظم خان اور جنرل کے ایم شیخ اپنے سپریم کمانڈر جنرل ایوب خاں کی ہدایت پر تشریف لائے۔

سکندر مرزا اور بیگم ناہید مرزا اپنے بیڈروم میں جا چکے تھے۔ انہوں نے دروازہ کھلویا اور اپنی آمد کا مقصد بتایا۔ سکندر مرزا بغیر کسی مزاحمت کے آواہ ہو گئے مگر بیگم مرزا کے چیخ چیخ کر بولنے کی آواز میں آئیں پھر ”چٹاخ“ کی آواز۔ جس کے بعد کھل سکوت۔ ایک بجے تک ضروری سامان تیار کر چکے تھے تینوں جنرل میاں بیوی کو ”تینوں کے سامنے“ میں ماڑی پور کے ہوائی اڈے پر لے گئے جہاں ایئر فورس کا خصوصی طیارہ منتظر کھڑا تھا۔

بہادر شاہ ظفر کے بعد یہ دوسرے مثل فرمانروا تھے جنہیں دفن کے لئے دو گز زمیں بھی نہ ملی کوئے یار میں۔

سکندر مرزا اپنی وصیت کے مطابق اپنے سسرال (تہران) میں دفن ہیں۔

”تجربات و مشاہدات“

کچھ عرصہ قبل ایک اعلیٰ آرمی آفیسر تربیتی دورے پر انگلستان گئے ان کی واپسی براستہ ناروے

سکندر مرزا چسکیاں لیتے لیتے یکدم سنجیدہ ہو گئے۔ ایوب خان کا بازو پکڑا اور کان کے پاس منہ لے جا کر پوچھا..... (Ayub will i be alive tomorrow) ایوب خان نے مسکرا کر سکندر مرزا کی کمر میں ہاتھ ڈال دیا زبان سے کچھ نہ کہا۔

گیارہ بجے کھانا آ گیا کھانے کے بعد میں اور نصرت گھر کے لئے کھینکے کا سوچ ہی رہے تھے کہ ہمارے تیسرے ساتھی جنرل شیر بہادر ہمیں ایک طرف لے گئے رات تقریباً تمام وقائی سیکرٹریوں کو طلب کیا گیا دو بجے رات غیر ملکی سفیر بلائے گئے۔ دہسکی، کوک، چائے، کافی، سیکرٹ، سکاڈ، صلائے عام تھی پاراٹن مکہ دان کے لئے۔

شروع میں سکندر مرزا خوش باش تھے اور مورال بھی ہائی تھا پھر بتدریج فرق پڑنا شروع ہو گیا۔ سکندر مرزا اور ایوب خان کے بیانات میں تضاد نمایاں ہوتا جا رہا تھا۔ بیگم ناہید سکندر مرزا شوہر سے ناخوش نظر آنے لگیں اور مزاج چڑچڑا ہو گیا۔ شوہر کے ساتھ بات چیت میں لہجہ درشت ہوتا گیا۔ آخر آنے والی گھڑی آگئی۔ ستائیس اٹھائیس اکتوبر کی درمیانی رات صبح پانچ بجے میں حسب معمول سیر کی غرض سے نکلا تو ڈور سے پولیس انسپکٹر بہاول بخش آتے دکھائی دیئے۔ مجھے ہاتھ سے سلام کر کے کچھ اشارہ کیا۔ قریب آئے تو سرگوشی میں کہا ”لے گئے“ ”کسے لے گئے؟“ میں نے پوچھا۔

”سکندر مرزا کو“ ”کہاں؟“ ”پتہ نہیں“ پھر پھر توقف کے تفصیل بتانے لگے۔ ”رات دس بجے مجھے فون پر بلا یا گیا۔ میں پہنچا تو میری کرسی پر ایک میجر صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔ ایوان صدر کی ساری پولیس فورس سے اہلوایا جا رہا تھا۔ دو ٹوکوں میں

www.PAKSOCIETY.COM

اللہ کے رسول، دین کے پیغمبر جو سچا و کھلتا کی بنیاد ہیں

سیارہ ڈائجسٹ

کا
عظیم الشان اور روح پرور



قیمت: 175 روپے ایڈیشن شائع ہو گیا ہے

اپنی سابقہ روایات کے شایان شان یہ نمبر پنجمین خدا کی
حیات جاوداں ان کے معجزات اور ایمان افروز واقعات پر مشتمل
ایک متاع بے بہا اور باریج دستاویز ہوگا۔

ایجنٹ حضرات فوراً صور برای آرڈر سے مطلع فرمائیں

سیارہ ڈائجسٹ: 240 مین مارکیٹ ریواڑ گارڈن لاہور۔ فون: 37245412

Scanned By Amir

اپنی ہاری کا انتظار کیا جاتا ہے تاکہ ہمیں بھی کوئی کچھ نہ کہہ سکے۔

(مشاق احمد فاروقی کے کالم سے اقتباس)

”عام آدمی“

(مستاز مفتی کی کتاب ”الکلمہ کرمی“ سے)

حج کے دوران دوسری بات جو قدرت اللہ نے مجھے سبھائی یہ تھی کہ حرمین شریف میں زائر کو عام انسان کی حیثیت سے رہنا چاہئے۔ بزرگی کا احساس پیدا نہ ہو عہدے کا احساس نہ ہو بڑائی کا احساس نہ ہو صرف انسان عام انسان۔

قدرت اللہ اس پر عملی طور پر پابند تھا۔

جب بھی وہ حج یا عمرہ کے لئے سعودی عرب آتا تو ایک عام زائر کی طرح کیو میں کھڑا ہو کر ویزا حاصل کرتا۔ کیو میں کھڑا ہو کر پی آئی اے کی ٹکٹ بنواتا اور قارئین آئی جیٹنگ حاصل کرتا حالانکہ وہ ایسے عہدے پر فائز تھا کہ یہ تمام مرحلے دفتر میں بیٹھے بٹھائے لے ہو سکتے تھے۔

دھکیے دکھانے کا مزہ

مدینہ منورہ میں وہ روز جمعہ تین بجے مجھے جگانا اور ہم دونوں حجرہ مبارک کے باہر کیو میں کھڑے ہو جاتے جب مسجد نبویؐ کا حجرہ مبارک والا دروازہ کھلتا تو وہ دھکیے دکھاتا ہوا اندر داخل ہوتا اور حجرہ مبارک میں نفل کی نیت باندھ کر کھڑا ہو جاتا پھر زائرین کا ریٹا اندر داخل ہوتا قدرت اللہ کو دکھا لگتا اور وہ یہاں سے وہاں تک لڑھکتا جا پہنچتا پھر سے دکھا لگتا تو وہ فٹ بال کی طرح لڑھکتا ہوا ادھر آ پہنچتا۔ حجرہ مبارک میں نوافل پڑھتا بڑے دل گردے کا کام تھا کئی بار وہ دیوار سے جا ٹکراتا چوٹ لگتی لیکن اس کی نیت نہ ٹوٹی۔

مدینہ منورہ قیام کے دوران تین مرتبہ پاکستانی دہشت گردی کے ڈاکٹر نے قدرت اللہ کو پیغام بھیجا کہ

ہوئی۔ انہوں نے اپنے دورے کے تجربات و مشاہدات سنائے تو ہم دنگ رہ گئے کہ کس طرح ”اغیار“ نے ہمارے بلیادی وراثتی افکار و اقدار کو اپنا کر اس دنیا کو اپنے لئے جنت نظیر بنا لیا۔ علم و عمل کا علم تمام کر وہ شادماں بھی ہوئے اور منزل مراد بھی پائی جبکہ ہم تاک قرآن ہو کر زمانے بھر میں خوار ہوتے ہر رہے ہیں۔ زلف لیاڑ کے غم اور غزلوی کی تڑپ سے حردم ہو چکے ہیں۔ انہوں نے بتایا تھا کہ آرن لیڈی کھلانے والی انگلستان کی مارگریٹ تھیچر اپنے مختصر سے وزیر اعظم پاؤس 10 ڈاؤننگ سٹریٹ میں اپنا بیچ خود تیار کرتی تھیں۔ وہاں کے عوام نے ایسی شخصیتوں کو وزیر اعظم کا ہمیشہ کے لئے دم چھلا بننے کے بجائے یا اس کی اولاد کو سر پر بٹھانے کے بجائے ٹوٹی پلٹھر کو وزیر اعظم بنا لیا۔ ادھر ہم ہیں کہ کروڑوں روپے مالیت کے ٹیکس اور دیگر زیورات سے لدی پھدی دختر مشرق کو اس کی وفات کے بعد بھی زندہ ہے زندہ ہے کے لائسنس نمرے لگا کر روٹی کپڑا اور مکان کی آس لگائے بیٹھے ہیں۔ متوفیہ کے نام پر ایک ایسے شخص کو وزیر اعظم بنا لیتے ہیں جس کا حقیقی بیٹا لیفٹننٹ جینی ہبلک نشہ آور دوائی کی خرید و فروخت میں ملوث ہوتا ہے۔ اس نیک دن آفسر نے یہ بھی بتایا کہ ناروے کی ایک خاتون وزیر سرکاری دورے پر چھٹی گئیں اس کی واپس پہ میڈیا میں یہ الزام عائد کیا گیا کہ موصوفہ نے اپنے دورے کے لئے مختص اخراجات کی حد سے تجاوز کیا ہے تب اگلے روز وزیر نے صحب نے اخراجات کا گوشوارہ پیش کیا جس میں اضافی اخراجات کی ان کی ذاتی جیب سے اداسگی کا ثبوت درج تھا۔ ہمارے ہاں غیر ضروری دورے ہوتے ہیں جن میں درجنوں اصحاب و مومنوں کو لیا جاتا ہے اپنے اہل خانہ کو مزے کرائے جاتے ہیں کوئی پوچھنے والا نہیں ہے

پہلی چند ایک قسطوں کے بعد قاسم محمود کا پیغام ملا کہ مضمون ختم کر دیں کہ مالکان کو علماء دوستوں نے کہا ہے کہ یہ کیسی خرافات شائع کر رہے ہیں آپ۔ چند روز کے بعد قاسم محمود کا پیغام موصول ہوا کہ حج کے مضمون کو ختم نہ کریں اگلی قسط جلد از جلد بھیجیں۔ میں نے پوچھا کہ یہ کیا تمنا ہے ایک سانس میں کہتے ہو مت لکھو دوسرے میں کہتے ہو لکھو فوراً لکھو۔

اس نے بتایا کہ پہلے چند علماء نے منع کیا تھا۔ اس کے بعد قارئین کے خطوط موصول ہونے لگے۔ یہ خطوط تعریفی خطوط تھے اس لئے مالکان نے اپنا فیصلہ بدل لیا ہے۔ 1975ء میں یہ سفر نامہ کتابی شکل میں "لیک" کے عنوان سے شائع ہو گیا۔ میں نے چند ایک کتابیں لکھی ہیں ان کتابوں پر ادبی پرچوں اور اخباروں میں ریکی قسم کی تنقید کی گئی تھی۔ لیکن لیک کی اشاعت پر قارئین کے اتنے خطوط موصول ہوئے کہ میں حیران رہ گیا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ بیشتر خطوں میں لکھا تھا کہ آپ نے لیک میں میرے جذبات کی عکاسی کی ہے۔

ادیبوں نے کسی نہ کسی حوالے سے اس کتاب کا معتمد اڑایا۔ مثال کے طور پر ذیل میں ایک کالم پیش کرتا ہوں جس میں ایک جگہ لکھا ہے: "اسانے بڑے افسانہ نگار نے لیک کی رونمائی پر یہ عنوان لگایا۔"

افسانہ نویس نے حج کیا اور سفر نامہ لکھا۔ "ایک مرشد تین درویش" مفتی صاحب نوسو افسانے لکھ کر حج کو چلے۔ مفتی بھی ایسے ویسے نہیں ممتاز مفتی: "نیا کیا افسانہ لکھا" آپا: "لکھا" ان کہی: "تھیں" علی پور کا اہلی: "لکھا پھر حج پر گئے حج کا ثواب قدرت اللہ شہاب کی تندر تریا۔ اپنے لئے بس حج کا سفر نامہ لکھا۔

یہ سفر نامہ لیک کے نام سے شائع ہوا۔ انظر کاٹی

آج رات کو مسجد نبوی خصوصی طور پر ملاں اہلکار کے لئے چند گفتگوں کے لئے کھلے گی اگر آپ چاہیں تو آپ بھی ان کے ہمراہ مسجد میں جا کر نوازل ادا کر سکتے ہیں۔

قدرت نے ڈاکٹر کا شکر یہ ادا کیا اور معذرت کر دی کہ میری طبیعت خراب ہے اس لئے میں حاضری نہیں دے سکوں گا اس کے باوجود تہجد کے وقت اس نے مجھے آجگیا یولا چلنے حجرہ مبارک میں جانے کا وقت ہو گیا اور وہ حجرہ مبارک میں حسب معمول دھکے کھاتا رہا۔

اگلی مرتبہ جب خصوصی طور پر مسجد نبوی کے کھلنے کی خبر آئی تو عفت (ان کی بیوی کا نام) بگڑ گئی کہنے لگی آپ کو دھکے کھانے میں مزہ آتا ہے ہمیں آپ جانے سے کیوں روکتے ہیں۔ میں روکتا تو نہیں، اس نے جواب دیا۔ اگر آپ جانا چاہتی ہیں تو بے شک جائیں۔ میں ڈاکٹر صاحب کو فون کر دیتا ہوں وہ خصوصی پاس بھجوادیں گے۔ پھر وہ مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا آپ بھی عفت کے ساتھ ہوا آئیں۔ میں نے نفی میں سر ہلایا۔ عفت غصے میں بولی کہ میں آپ کو کیا ہے! میں نے کہا کہ انہیں دھکے کھانے میں مزہ آتا ہے۔

"سیارہ ڈائجسٹ"

حج کی روئیداد لکھنے کا میرا کوئی ارادہ نہ تھا۔ یہ موضوع اسلام سے تعلق رکھتا تھا اور میں مذہب میں کورا تھا۔ کئی ایک سانس گزر گئے پھر ایک دوست قاسم محمود نے جو ان دنوں "سیارہ ڈائجسٹ" کے ایڈیٹر تھے مجھے خط لکھا کہ ہمارے لئے کوئی سفر نامہ لکھو۔

میں نے سوچا چلو حج کا سفر نامہ لکھ دیتا ہوں دو تین قسطوں میں ختم کر دوں گا پھر جو لکھنے بیٹھا تو لکھتا

بانی پاکستان قائد اعظم کے ساتھ ہونے والے ایک معاہدے کے تحت ریاست بہاول پور ایک وفاقی اکائی کے طور پر پاکستان کا حصہ بنی جسے 1962ء میں صوبے کی حیثیت دی گئی پھر 1966ء میں "دن پونٹ" کے قیام کے وقت دوسرے صوبوں کی طرح اس ریاست کی الگ حیثیت ختم کر کے اسے مغربی پاکستان کا حصہ بنا دیا گیا۔ کیا اس وقت یہاں ایک خود مختار انتظامی پونٹ موجود نہ تھا۔ خود مختار اسمبلی، وزراء، کونسل، پبلک سروس کمیشن، ہائی کورٹ اور علیحدہ سیکرٹریٹ نہ تھا۔ 1962ء میں 49 صوبائی نشستوں پر انتخاب کرائے گئے اور صوبائی حکومت قائم ہوئی جبکہ پاکستان میں شامل ہونے والی کسی دوسری ریاست نے نہ تو صوبائی حیثیت لی اور نہ انتخاب کرائے۔ 1954ء کے مجوزہ آئین میں بھی بہاول پور کو صوبائی حیثیت دی گئی تھی اور 50 ارکان سینٹ میں بہاول پور کی 4 نشستیں تھیں 1966ء میں دن پونٹ کے قیام کے وقت ایک معاہدے کے ذریعے بہاول پور کو مغربی پاکستان کا حصہ بنا دیا گیا یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ اس وقت بہاول پور واحد صوبہ تھا جس کا بجٹ سرکلس تھا۔ 1970ء میں جب جنرل یحییٰ خان نے دن پونٹ ختم کیا تو 1966ء کے معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ایک نارشل لائی LFO کے تحت تمام معاہدوں کو پس پشت ڈالی کر بہاول پور کی صوبائی حیثیت ختم کر کے اسے پنجاب میں ضم کر دیا۔ بہاول پور کے فیور عوام نے اس کیخلاف بحالی صوبہ بہاول پور کی تحریک چلائی اس میں کئی جینالے شہید ہوئے اور جیلوں میں گئے۔ ہماری تاریخ کا یہ ایک انتہائی افسوس ناک پہلو ہے کہ بہاول پور اور مشرقی پاکستان دو ایسے صوبے تھے جو ڈویژنوں اور باگیروں سے پاک تھے ان میں سے ایک کو خلف

نیشنل میں اس کی افتتاحی تقریب ہوئی۔ اعجاز حسین ٹالوی نے صدارت کی مگر اعجاز حسین ٹالوی نے تو کوئی سزج نہیں کیا۔ مفتی صاحب نے اس سزنامہ میں کمال دکھایا ہے کہ روایتی لوگ تو اس خبر ہی سے شہید ہو جاتے ہیں کہ ایک افسانہ نگار نے حج کا سز نامہ لکھا۔ ادبی ظلوک یہ دیکھ کر داد دیتی ہے کہ ادیب نے حج تو ضرور کیا مگر اپنی لبرل آن پر حرف نہیں آنے دیا۔

"بہاول پور" کل اور آج

ریاست بہاول پور کو پاکستان سے الحاق کرنے والی اولین اور سب سے بڑی ریاست ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ 3 جون 1947ء کو تقسیم ہند کا منصوبہ پیش ہونے کے فوراً بعد کانگریسی قیادت کی طرف سے ریاست بہاول پور کے وزیر اعظم مشتاق احمد گربانی کی ملی بھگت سے نواب صاحب کو اپنی ریاست کا الحاق ہندوستان سے کرنے کی ہر ممکن ترغیب دی گئی مگر نواب سر صادق محمد خان عباسی (خاص) نے اس کے برعکس 3 اکتوبر 1947ء کو اپنی ریاست کا الحاق بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح کے ساتھ ایک معاہدے کے تحت وفاق کی ایک اکائی کے طور پر کیا۔ اس طرح اپنے 220 سالہ موروثی اقتدار سے دستبردار ہو کر موجودہ پاکستان کے چاروں صوبوں کے درمیان جغرافیائی اور مواصلاتی رابطہ پیدا کرنے میں معاونت فراہم کی۔ اس موقع پر نواب آف بہاول پور نے پاکستان کو چلانے کے لئے ایک خطیر رقم بھی فراہم کی اور قائد اعظم جس گاڑی پر حلف اٹھانے گئے اس کا نمبر BWP72 تھا جو نواب صاحب نے انہیں پیش کی تھی اور انہوں نے جو ابرناں نہرو کی بلیٹک (BLANK) ٹیک بک دینے کی پیش کش کو عشق پاکستان میں ٹھکرا دیا۔

پسماندگی کو دور کیا جاسکے۔ بہاولپور کو صوبہ بنانے کے لئے صرف ایک ایگزیکٹو آرڈر جاری کرنے کی ضرورت ہے ملک میں آج کل نئے صوبوں کے نام پر سیاست زوروں پر ہے۔ جنوبی پنجاب کو سرائیکی صوبہ بنانے جبکہ بہاولپور کی صوبے کے طور پر بحالی کے حق میں ہیں ملک میں لسانی اور نسلی بنیادوں پر صوبے نہ بنائے جائیں بلکہ انتظامی امور کو احسن انداز میں چلانے 'ترقیاتی عمل کو تیز تر کرنے' عرومہاں دور کرنے کے لئے نئے صوبے بنانے میں کوئی حرج نہیں۔

(قلندر حسین سید کا کالم "خبریں" مہمان 15-4-29 سے اقتباس)

"عورت فہمی"

کچھ خواتین کا خیال تھا کہ میں ان کی صنف نازک کے ساتھ بے رحمی سے پیش آیا ہوں اور نازیوں جیسا برتاؤ کیا ہے۔

کسی نے اسے مُردہ مفروضات کا پوسٹ مارٹر قرار دینا کسی کے نزدیک نرگسوت اور کچھ کے تیش کثیر البجٹی (Multi Diamentionel) معاملات کو محض ایک زاویہ سے دیکھنے کی بھٹی سٹی۔

میں نے سب سے ایک سوال کیا: "کیا میں نے جھوٹ لکھا ہے؟" سب کا ایک ہی جواب تھا جھوٹ تو نہیں لکھا لیکن یوں کھول کے نہیں لکھنا چاہتے تھے۔ اب کوئی بتلائے کہ ہم بتلائیں کیا۔ مجھے عورت فہمی کا دعویٰ نہیں..... مجھے خود فہمی سے بھی کچھ تعلق نہیں..... کہ اس سفر کی پہلی منزل پر خود سے محروم ہونا پڑتا ہے جب "میں" ہی نہ رہتا تو فہم کا سوال کیا۔

ہاں! یہ میں کہتا ہوں نہ قدر سے بہتر مشاہدہ کے سبب...: نظار کا سہارا لیا اور ان معاملات و سادہ نظروں کی صورتوں میں کاغذ پر پھیر دیا جو مرد اور عورت کے ہمسائیگی معاشی تفریق اور علاقائی

سے جدا کر دیا گیا اور دوسرے کی صوبائی حیثیت ختم کر دی گئی۔ بہاولپور موجودہ پاکستان کا واحد خطہ ہے جہاں انگریزوں کی اور نہ سکھوں کی حکومت رہی۔ آج بھی کہاں 'گندم چاول اور لائیو سٹاک' دو دیگر تمام اجناس سب سے زیادہ پیدا کرنے کے باوجود یہ پسماندہ ترین علاقہ بن چکا ہے جو تمام پاکستان کے وقت پر صغیر کی امیر ترین ریاست تھا اور آج یہاں نصف سے زیادہ لوگ خطہ غربت سے نیچے کی زندگی گزار رہے ہیں۔ پنجاب کے ایک چوتھائی رقبے پر مشتمل ہونے اور بلوچستان سے وگنی آبادی رکھنے کے باوجود بہاولپور آج بھی ایک ڈویژن ہے جو تین اضلاع بہاولپور، بہاول نگر اور رحیم یار خان پر مشتمل ہے۔

بہاول پور اور چولستان پاکستان کی کمر پر واقع ہیں پاکستان کے شمالی اور جنوبی حصوں کو ملانے والا سارا مواصلاتی سسٹم یعنی ریل اور قومی شاہراہیں یہاں سے گزرتے ہیں یہ علاقہ پاکستان کی (SOFT BELLY) ہے لیکن اس خطے اور مشرقی سرحد کے درمیان ایک صحرا کو قائم رکھ کر ایک لحاظ سے پاکستان کے دفاع سے بھی صرف نظر کیا گیا ہے۔ ریاست کے دور میں 1930ء کی دہائی میں اسے آباد کرنے کا منصوبہ بنایا گیا تھا جس پر عمل بھی شروع ہوا لیکن پاکستان بننے کے بعد حالات بدل گئے اور اسے آج تک آباد نہیں ہونے دیا گیا۔ یہ دنیا میں واحد مثال ہے آج 2015ء میں بھی چولستان میں انسان اور جانور ایک ہی تالاب سے پانی پیتے ہیں۔ چولستان کا 64 لاکھ رقبہ جو پاکستان کی نوڈ باسکٹ بن سکتا تھا اسے بھرا رکھا گیا ہے۔

ہم لسانی بنیاد پر سرائیکی صوبہ بنانے کے حق میں نہیں ہماری پہلے بھی ایک الگ شناخت تھی اور اب بھی ہم یہی چاہتے ہیں تاکہ یہاں کے لوگوں کی

رہی ہے اور ہم کیونہ چمڑے کے جارہے ہیں
میں نے اسے مشاہدے کو زندہ رکھا ہے.....
منافقت نہیں کی۔

دنیا کب بنی اور کب ختم ہوگی..... میں نہیں
جانتا میرا خدا جانتا ہے مگر عورت اور مرد کے درمیان
تعلق کے کتنے پہلو کتنی پرتمیں کتنی آہستہ کتنے عمل
کتنے ردعمل اور ردعمل کے کتنے ردعمل ہیں..... بد قسمتی
سے دونوں (عورت اور مرد) نہ پہلے جان پائے اور
نہ آئندہ جان پائیں گے کہ ان کا نہ جانتا ہی ان کی
بقا کا جواز ہے۔

("یہ جو عورت ہے")

حفیظ خاں کی کتاب سے اقتباس)

"کوڑے کی صورت"

سچ جو کوڑے کی صورت پڑے پڑے تعفن
پھیلانے لگتا ہے یا پھر سچ جو حرامی بچے کی طرح متا
سے محروم ہو کر گمروں کے آنکھوں میں ڈبا دیا جاتا
ہے اس سچ کا سامنا کرنے والے سارے اسباب و
علل سامنے رکھیں گے اور زندگی کی ان راہوں پر نکل
کھڑے ہوں گے جہاں جنس تعفن نہیں چھوڑتی
خوشبو بن جاتی ہے اور حیات کے تسلسل کی علامت
بن جانے کے سبب محترم بھی ہو جاتی ہے۔

(ایضاً)

"بحث و مباحثہ"

تعمیر کے لوگ سقراط سے بحث و مباحثہ کے
لئے کسی نہ کسی سیانے کو لے کر پہنچ جاپا کرتے تھے کہ
بحث و مباحثہ ہو اور وہ تماشہ دیکھیں کہ کون جیتتا
ہے۔ آپ دفعہ یوں ہوا کہ لوگ ایسے کاروباری شخص
کو لے کر اس کے پاس پہنچ گئے جو بہت راست باز
تھا۔ سقراط نے پوچھا: "تو نے شخص کاروبار میں راست
بازی کیا ہوتی ہے۔" اس کا جواب تھا کہ "میں دین
نہیک نہیک کیا جائے اور ہمارا تیس وقت اور وعدہ

تعلق میں موجود تو ہوتے ہیں مگر دیکھتے نہیں..... اگر
کہیں دیکھتے بھی ہیں تو نظر انداز کر دیئے جاتے
ہیں..... مستور کیسی منافقت ہے کہ جسم ملیں ہوں
نہ ہوں مگر فکر ملیں ہوئی چاہئے۔

حیران ہوتا ہوں کہ یہ کیسا تضاد ہے کہ چھنی
ساتویں جماعت ہی سے نصاب میں عشقہ شاعری
موجود..... ان اشعار کی تشریح امتحان میں گھر گھر
ریڈ پوائنٹی وی مانتو..... جن پر رات دن لاپے
جانے والے بول کیسے ہوتے ہیں دہرانے کی
ضرورت نہیں۔ شاعری قدیم ہو کہ جدید شعر صوتی
نے نکلے ہوں کہ گنگھارنے.....

بظاہر مخاطب تو مرد وزن ہی ہوتے ہیں ہم
انہیں گنگھاتے بھی ہیں تہذیب میں شامل بھی
کر رکھا ہے مگر جب کوئی ان پر عمل کرے..... تمہارا
تمہارا ہم نے چوسنے پر پانی سے بھرا پریش بگر رکھ
چھوڑا ہے آج بھی تیز کردی ہے مگر بھاپ کے
باہر آنے کو جواز کی سند دینے سے انکاری ہیں.....
ہم معاشرے کی پاکیزگی کے دعویدار کب سے
ہو گئے کہ جب ہم نے رسومات کے نام پر نکاح
مشکل تر اور زنا کو آسان ترین بنا دیا ہوا ہے۔ کس
کس چلن کی بات کی جائے..... گھر میں بیٹی بہن
ہماری کوتاہیوں کے سبب اپنے لئے جینے کی راہ
چھنا چاہیں تو غیرت کے نام پر قتل کر دی جائیں
اور پھر اس بیٹی بہن کے برہنہ جسم کے ریٹھے ریٹھے
کو پوسٹ ہارٹم کے نام پر نامحرم ادھیڑتے رہیں تو
غیرت بھی زندہ اور غیرت مند بھی سر بلنہ ہم
معاشرتی تعفن اور رشتوں کی باہمی عملیہ کی
غلاطت کے تسلسل کے محاور ہیں سزا دے بھد
بھد کرتے ہوئے کھرے کے ڈھر پر چادر
چڑھانے منافع روایات کی توافقی سرکھتے ہیں.....
چوری شدہ ڈھکوں وانی گنگھارنے بدلو کے بھگنے ڈڑ

دو اسی جینی پڑیں جولائی بیگ سے حاصل کئے گئے
اسٹی بیکیٹریل مالکیول سے تیار کی گئی ہوں۔ 20
سال سے برطانیہ اور امریکہ میں تحقیق کرنے والے
ڈاکٹر نوید احمد خان لال بیگوں پر تحقیق کر کے ایک
ولچپ انکشاف سامنے لائے ہیں۔ ان کا کہنا ہے
کہ صاف ماحول میں افزائش پانے والے لال بیگ
کے دماغ میں 9 اسٹی بیکیٹریل مالکیول ملے ہیں
جبکہ گندگی میں پائے جانے والے لال بیگ کے
دماغ میں ان کی تعداد کہیں زیادہ ہے۔

(جگ نیوز۔ کراچی)

”نیرنگ خیال“

حکیم محمد یوسف حسن صاحب کا بیان ہے کہ
ایک دن میں نے علامہ اقبال سے گزارش کی نیرنگ
خیال کے لئے کوئی نظم دیجئے۔ انہوں نے فرمایا ”جتنی
چیز کوئی نہیں ہے۔“

میں نے یاد دہرایا کہ جب میں کھلی وفد حاضر
ہوا تھا تو آپ نے حاضرین کو ایک شعر سنایا تھا
یہ چندت یہ بننے یہ ملا یہ لالے
یہ سب پیٹ ہیں اور ہم تر لوالے
”اس کے بعد کچھ شعر اور ہوئے ہوں گے؟“
کہنے لگے اور کوئی شعر نہیں ہوا وہی ایک ہے پھر
تھوڑی دیر بعد فرمایا۔ ”اچھا نکھو“

یہ کتب یہ سکول یہ پانڈ شالے
یہ بکٹے یہ مندر یہ گرجے شوالے
یہ چندت یہ بننے یہ ملا یہ لالے
یہ سب پیٹ ہیں اور ہم تر لوالے
غریبوں کا دینا میں اللہ وئی ہے
وطن کیا ہے اک نوع سر۔ یہ داری
بڑے سینٹھ چن قوم کے یہ بھکاری
یہ دیکھو جی آری ہے سواری
نئے جال لائے پرانے شکاری

پر لونا دی جائیں۔“ اب سقراط کی باری تھی کہا ”بھلے
آوی بعض اوقات درست و درست اوانگی راست
بازی کے منانی ہو جاتی ہے۔“ لوگوں نے تسفر سے
قبضہ لگایا پھر ”بھناہٹ سنا دی“ بھلا راست بازی
بھی کہیں غلط ہو سکتی ہے!“۔ سقراط نے کہا ”ہاں ا
دیکھو تمہیں ایک شخص کو اس سے مانگا ہوا ہتھیار لونا تا
ہے طے شدہ تاریخ آ جاتی ہے تم ہتھیار لے کر اس
کے ہاں پہنچ جاتے ہو حالانکہ یہ شخص جینی تو ازن کھو
بیٹھتا ہے اگر تم ہتھیار اس کے ہاتھ تھما دو گے تو کیا
وہ شخص لوگوں کی گردنیں نہ مارتا پھرے گا۔“

یہ جو جنس ہے ناں، یہ بھی کہیں کہیں ہتھیار کی
طرح ہو جاتی ہے۔ خصوصاً وہاں جہاں پہلے ہی
معاشرہ عدم توازن کا شکار ہو۔

(ایضاً)

معصوم لال بیگ جرائم

پھیلاتا نہیں ختم کرتا ہے

جدید تحقیق نے لال بیگ کے ذراؤنے اور
گھناؤنے تصور کو غلط ثابت کر دیا ہے۔ ایک ریسرچ
سے پتا چلا ہے کہ یہ بدنام کیڑا جرائم پھیلاتا نہیں
بلکہ انہیں ختم کرنے کی قدرتی صلاحیت رکھتا ہے اور
معصوم لال بیگ کی یہی صلاحیت اب انسانوں کے
کام آنے والی ہے۔ لال بیگ زمین پر تیزی سے
رینگے یا ہوا میں اڑے اسے دیکھتے ہی خواتین چیخنے
لگتی ہیں اور مرد بے اختیار اسے قہ کے گھات
اتارنے کیلئے جھپٹ پڑتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ
گٹروں اور تانیوں سے نکلنے والے لال بیگ کو
خطرناک جرائم اور جان لیوا بیماریاں پھیلانے وال
کیڑا سمجھا جاتا ہے لیکن اب لال بیگوں سے
گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ آنے والے چند
سالوں میں یہ کئی بیماریوں کا علاج کرنے میں مددگار
ثابت ہو سکتے ہیں اور ممکن ہے آپ کو بعض ایسی

Scanned By Amir

جب توقع ہی اٹھ گئی غالب
کیوں؟ کسی کا گلہ کرے کوئی
"کلام اقبال"

حکومت کا کیا رویہ کہ وہ اک عارضی شے تھی
نہیں دنیا کے آئین مسلم سے کوئی جارہ
مگر وہ علم کے مولیٰ کتابیں اپنے ابا کی
جو دیکھیں ان کو یوں ملتا ہے ہی پارہ
"ایک سوال"

بہاولپور میں 15 ارب روپے کی لاگت سے
پانچ سو ایکڑ پر گلنے والے چار لاکھ سولہ ہیکٹو کے
نمرات صارفین تک پہنچائیں گے یا نہیں؟

چینی شہری کی گردے
میں 420 پتھریاں

گردے میں پتھری کا بن جانا عام سامرض ہے
اور دنیا بھر میں لوگ اس سے نجات حاصل کرنے
کے لیے آپریشن کراتے ہیں لیکن چین میں تو ایک
مغص نے ڈاکٹرز کے ساتھ ساتھ دنیا بھر کو حیران ہی
کر دیا جب ان کے کیے گئے سی ٹی سکین میں یہ بات
سامنے آئی کہ اس کے گردے میں ایک دو، دس
ہیں، یا سو دو سو نہیں بلکہ 420 پتھریاں موجود
ہیں۔ چینی میڈیا کے مطابق صوبہ زی جیانگ کے
شہر چین ہا کے رہائشی ڈوونگ نامی مغص کو گردوں کا عارضہ
لاحق تھا جس کے علاج کی غرض سے جب وہ ہسپتال
پہنچے تو ڈاکٹروں نے ان کے مختلف نیسٹ کیے جس
کے حیران کن نتائج سامنے آئے۔ سی ٹی سکین کرنے پر
ہوا چلا کہ ڈوونگ کے گردوں میں پتھروں کے ذہیر
پڑے ہیں، ڈاکٹرز نے فوری طور پر ڈوونگ کا آپریشن
کر کے انہیں اس خطرناک پتھرن سے نجات دلائی۔

چیمپیئنز بھی الکوحل
سے رغبت رکھتے ہیں

سائنسدانوں کو پہلی مرتبہ چیمپوزی یا لنگوروں

فریبوں کا دنیا میں اللہ ولی ہے
جب فی البدیہہ یہ اشعار لکھوا چکے تو فرمانے
لگے "اگر یہ شعر کام آسکیں تو چھاپ دیجئے مگر مجھے
اس کی نقل دیجئے جائیں۔"

یہ اشعار "نیرنگ خیال" 1928ء میں شائع
ہوئے۔

("اوراق گم کشتہ" مرتبہ رحیم بخش شاہین ایم
اے کی کتاب سے اقتباس)

"مصرعہ طرح"

فی البدیہہ مشاعرے میں ایک طرف سے
مصرعہ طرح دیا جاتا دوسری طرف سے موجد شاعر
اس پر گرہ لگاتا یوں شعر پورا ہو جاتا۔ یہ دہلی کے
مشاعروں میں عام رواج تھا ایک دفعہ مصرعہ طرح تھا
۔ شب کو نماز میں مری کعبہ کو پیٹھ تھی

مشاعرہ میں بڑے بڑے شعراء موجود تھے کچھ
دیر تو وہاں سنانا کا منظر دیکھنے میں آیا کچھ دیر بعد آخر
یہ سکوت ٹوٹا اور ایک صاحب کلمج پر تشریف لائے اور
اس پر گرہ اپنی لگائی ہوئی پیش کی اور یوں شعر کو مکمل
کیا تو حاضرین مشاعرہ عجب عجب کرائے

میں تھا امام، مرے والد تھے مقتدی
شب کو نماز میں مری کعبہ کو پیٹھ تھی

"بحران"

پاکستانی معاشرہ ایک عرصے سے توقعات کے
بحران میں مبتلا ہے اور یوں لگتا ہے کہ جیسے ہمارے
معاشرے میں توقعات کا قحط پڑ چکا ہے۔ مریض
ڈاکٹر سے، شاگرد استاد سے، عوام حکمرانوں سے، رعایا
بیوروکریسی سے، دوست دوستوں سے، گاہک دکاندار
سے، مسافر سواری سے، میاں بیوی سے، حتیٰ کہ ماں
باپ اپنی اولاد سے توقع اور توقعات کے بحران میں
بتلا ہو چکے ہیں! غالب نے تو آج سے پہلے اس کا
اظہار روایا تھا

سیارہ ڈائجسٹ کی حسب روایت ایک اور عظیم پیشکش

شائع
ہو گیا
ہے۔

والدین نمبر

قیمت 175 روپے

- ایک تاریخی دستاویز جو انشاء اللہ یقیناً ہر گھر کی کامیابی اور فلاح کا ذریعہ بنے گی۔
- جس میں قرآن اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں:
- والدین کے فضائل، آداب، حقوق، فرائض اور ان کے شایان شان مستند مواد اور محکم استنباط پر مبنی واقعات اور دیگر مواد کو یکجا کر دیا گیا ہے۔

ہر گھر میں پیار و محبت
کی تحریک کا آغاز کیجئے

خود بھی پڑھیے اور دوسروں
کو بھی پڑھائیے

سیارہ ڈائجسٹ - 240 مین مارکیٹ ریوارز گاڈن لاہور
فون: 042-37245412

Scanned By Amir

معاہدہ حاکم وقت تک پہنچتا ہے جو دوسرے کو پہلے کی تجویز سے اتفاق کرنے میں اس کی بہتری گردانتے ہیں مگر دوسرا حاکم وقت کے مشورے کو چیلنج کرتا ہے تو وہ حساب و کتاب کے اس جھگڑے کو جمع تفریق کے اصولوں سے بے مثال ساوگی اور پاکمال ذہانت کے ساتھ اسے سمجھاتے ہیں کہ فی رونی تین ٹکڑوں کی شرح سے آٹھ روٹیوں کے کل چوبیس ٹکڑے ہوئے اور یوں تینوں میں سے ہر ایک نے بظاہر آٹھ ٹکڑے تناول فرمائے لہذا دوسرے کی تین روٹیوں کے نو ٹکڑوں میں سے آٹھ اس نے خود اور صرف ایک اجنبی نے کھایا اسی طرح پہلے کی پانچ روٹیوں کے پندرہ ٹکڑوں میں سے آٹھ اس نے خود اور سات اجنبی نے کھائے اس حساب سے چونکہ اجنبی نے دوسرے کی روٹیوں سے صرف ایک ٹکڑا کھایا اس لئے اصولی طور پر اسے آٹھ درہم میں سے صرف ایک درہم ہی ملنا چاہئے جبکہ پہلے کی روٹیوں میں سے اجنبی نے سات ٹکڑے کھائے اس لئے وہ سات درہم کا حقدار ہے تاہم پہلا چونکہ بہ رضا و خوشی خود تین درہم دینے کو تیار ہے تو دوسرے کو قبول کر لینے چاہئیں اس سے اس کی حق تلفی قطعاً نہیں ہو رہی۔

اس قدر بلیغ و اشمندانہ اور بصیرت افروز فیصلہ سنانے والی شخصیت کون تھی؟ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ وہ بادشاہ وقت باب مدینہ اعظم حضرت علیؑ تھے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کہیں ہم بھی اس دوسرے شخص کی طرح اپنے گریبانوں میں جھانکے بغیر حساب و کتاب سے قطع نظر شخص حقوق کی رٹ تو نہیں الاپ رہے؟ اگر ایسا ہے تو ہم سب کے حقوق و فرائض کی جمع تفریق اس کے پاس ضرور موجود ہے جس کے قبضے میں ہم سب کی جان ہے۔



کی انکھل سے رغبت کے ثبوت لئے ہیں۔ محققین نے مغربی افریقہ کے ملک گنی میں لنگوروں کے پام کے درختوں پر چڑھنے اور وہاں موجود قدرتی طور پر تیار شدہ پام سیپ یا نشہ آور آٹھی لول پینے کے مناظر ریکارڈ کیے ہیں۔ ان لنگوروں میں سے کچھ بہت دیر تک یہ مشروب پیتے رہے اور شراب کی ایک بوتل جتنا مشروب پینے کے بعد واضح طور پر ان پر اسکے اثرات دکھائی دیئے اور وہ جلد ہی مدہوش ہو کر سو گئے۔ محققین اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ انکھل کے لیے رغبت صرف انسان میں ہی نہیں پائی جاتی بلکہ اس کا دائرہ جانوروں تک پھیلا ہوا ہے۔ رائل سوسائٹی اوپن سائنس نامی رسالے میں شائع ہونے والے نتائج میں کہا گیا ہے کہ رفیا پام نامی درختوں پر قدرتی طور پر تیار ہونے والا نشہ آور مادہ چمکنیوں کو سب سے پسند آیا۔ یہ تحقیق گنی میں بساء کے علاقے میں کی گئی جہاں کی آبادی پام کے درختوں سے یہ نشہ آور مشروب حاصل کرتی ہے۔

”پانچ جہہ تین = آٹھ“

وہ دیکھو ایک شخص ہے جس کی آیتیں قل ہو اللہ پڑھ رہی ہیں۔ راستے میں اچانک اس کی ملاقات ایسے دو افراد سے ہوتی ہے جو کھانا کھایا ہی چاہتے ہیں۔ ایک کے پاس پانچ اور دوسرے کے پاس تین روٹیاں ہیں وہ بھی ان کے ساتھ کھانے میں شریک ہو جاتا ہے۔ وقت رخصت الحمد للہ بڑھتا ہے اور جیب سے آٹھ درہم نکال کر ان کی تقسیم پر رکھتا ہے۔ دونوں میں درہم کی تقسیم وجہ نزاع بن جاتی ہے۔ پہلا روٹیوں کے تقاسم سے اپنے لئے پانچ اور دوسرے کیلئے تین درہم تجویز کرتا ہے جبکہ دوسرا نصف حصے یعنی چار درہم کا طلب گار ہے۔



کفالت یتیم سے جنت کا حصول بھی، رفاقت رسول ﷺ

الخدمت فاؤنڈیشن 4300 بچوں کی اُن کے گھر پر کفالت کر رہی ہے
الخدمت کے زیر اہتمام تعلیمی اور دیگر بنیادی ضروریات کے ساتھ ساتھ
بچوں کو سیر و تفریح کے مواقع بھی فراہم کیے جاتے ہیں!

سے جاری خانہ جنگی کے باعث یتیم بچوں کی تعداد
میں خطرناک حد تک اضافہ ہوا ہے۔ پاکستان میں
بھی یتیم بچوں کے حوالے سے صورتحال مختلف
نہیں۔ گزشتہ عشرے میں آنے والی ناگہانی آفات،
پر امنی کے خلاف جنگ، صحت عامہ کی سہولیات کی
کمی اور روزمرہ حادثات کے باعث جہاں ہزاروں
افراد اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے، وہیں لاکھوں بچے

یوسف کی رپورٹ کے مطابق دنیا میں اس
وقت 15 کروڑ 30 لاکھ بچے یتیم ہیں اور ان بچوں
میں 6 کروڑ یتیم بچے صرف ایشیا میں موجود ہیں اور
ان بچوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ اگر یہ یتیم بچے
انسانی ہاتھوں کی زنجیر بنا لیں تو پوری دنیا کے گرد
حصار بن سکتا ہے۔ چند مسلم ممالک عراق،
افغانستان، فلسطین اور شام میں بھی گزشتہ چند سالوں

Scanned By Amir

کا اہتمام صرف یتیم خانے (Orphan Age) بنانے سے پورا نہیں ہو سکتا۔ اسی ضرورت کے پیش نظر الخدمت فاؤنڈیشن نے ”آرفن فیملی سپورٹ پروگرام“ کے نام سے یتیم بچوں کی کفالت کا ایک منصوبہ پیش کیا ہے جس کے تحت ایسے یتیم بچوں اور بچیوں کی کفالت کا اہتمام ان کے گھروں میں کیا جا رہا ہے، جو اپنے خاندان کے کفیل کے نہ ہونے کے باعث بنیادی ضروریات زندگی سے محروم ہو جاتے ہیں۔ یہ بچے اپنی والدہ، ماما، چچا یا کسی بھی عزیز رشتہ دار کے گھر رہ رہے ہوں، اگر ان کی عمر 5 سے 15 برس ہے اور وہ سکول جاتے ہیں تو وہ آرفن فیملی سپورٹ پروگرام کا حصہ بن سکتے ہیں۔ الخدمت فاؤنڈیشن نے آرفن کثیر پروگرام کے منصوبے کا آغاز 2012 میں کیا۔ عوام الناس کو اس اہم مسئلے کی طرف توجہ دلانے اور ان یتیم بچوں کی کفالت کی دعوت دینے کے لئے ملک بھر میں چلائی گئی۔ الحمد للہ اس وقت الخدمت فاؤنڈیشن ”آرفن فیملی سپورٹ پروگرام“ کے تحت تمام صوبہ جات بشمول آزاد کشمیر، گلگت و بلتستان اور فانا میں 4,300 یتیم بچوں کی کفالت کر رہی ہے۔ ان 4,300 بچوں کو ملک بھر میں 26 کلسٹر (Clusters) میں سے چنا گیا ہے۔ ہر کلسٹر (Clusters) میں انچارج مقرر کیا گیا ہے جسے ایف۔ ایس۔ او (فیملی سپورٹ آرگنائزر) کا نام دیا گیا ہے۔ یہ فیملی سپورٹ آرگنائزر بچوں، ان کے خاندان اور تعلیمی ادارے کے سربراہ سے مسلسل رابطہ رکھتے ہیں۔ فیملی سپورٹ آرگنائزر اس بات کو یقینی بناتے ہیں کہ بچے سکول جاتے ہوں۔ بچوں کو گھروں اور سکولوں میں کسی بھی قسم کی مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے اور الخدمت کی جانب سے جاری کیے گئے وظائف ان بچوں کی فلاح و

بھی اپنے خاندان کے کفیل سے محروم ہو گئے اور معاشرے کے یتیم ٹھہرے۔ اقوام متحدہ کے ادارہ ”یونیسف“ کی رپورٹ کے مطابق پاکستان میں 42 لاکھ بچے یتیم ہیں جن کی عمریں 17 سال سے کم ہیں اور ان میں بڑی تعداد ایسے بچوں کی ہے جنہیں تعلیم و تربیت، صحت اور خوراک کی مناسب سہولیات میسر نہیں۔ بد قسمتی سے روز بروز گزرتی معاشی صورتحال، کم آمدنی اور سماجی دیووں کے باعث بھی بتائی کے خاندان کے لئے اس کا بوجھ اٹھانا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ بچے تعلیم و تربیت اور مناسب سہولیات نہ ملنے کے باعث معاشرتی اور سماجی محرومیوں کا شکار ہو جاتے ہیں بلکہ کئی تو بے راہ روی تک کا شکار ہو جاتے ہیں۔ توجہ اور بنیادی سہولیات نہ ملنے کے باعث یہ یتیم بچے معاشرے کے بے رحم چھیڑوں کی نظر ہو جاتے ہیں۔ جہاں ان کی تعلیم و تربیت ایک سوالیہ نشان بن جاتا ہے۔

الخدمت فاؤنڈیشن بھی اسی تازک صورتحال کے پیش نظر یتیم بچوں کی کفالت کے حوالے سے ”الخدمت کفالت بتائی پروگرام“ کے تحت کام کر رہی ہے۔ جس کا مقصد یتیم بچوں کا سہارا بن کر انہیں تعلیم و تربیت اور دیگر بنیادی ضروریات کے یکساں مواقع فراہم کرنا ہے تاکہ وہ با اعتماد اور صحت مند شہری کے طور پر ملک و ملت کی ترقی میں اہم حصہ لے سکیں۔ الخدمت آرفن کفالت بتائی پروگرام کے دو حصے ہیں جن میں آغوش الخدمت ہونر کی تعمیر اور گھروں میں یتیم بچوں کی کفالت کا منصوبہ شامل ہے۔ آرفن فیملی سپورٹ پروگرام کے تحت ملک بھر میں 4,300 یتیم بچوں کی کفالت ان کے گھروں پر کی جا رہی ہے۔

پاکستان میں یتیم بچوں کی تعداد لاکھوں میں سے اور اتنی بڑی تعداد میں یتیم بچوں کی کفالت

احساس اُچا گور کیا جاتا ہے تاکہ وہ اس اہم ذمہ داری کو احسن طریقے سے سرانجام دے سکیں۔

محمد مند الخدمت آغوش سینئرز انٹرفارمیشن، راولپنڈی، راولپنڈی، پاکستان، پشاور اور مانسہرہ میں 500 بچے قیام پذیر ہیں۔

خدمت کفالت برائے پروگرام میں جہاں یتیم بچوں کی کفالت ان کے گھروں پر ہی جاری ہے وہیں یتیم بچوں کے لئے "آغوش خدمت" کے نام سے اداروں کے قیام کے منصوبوں پر کام بھی جاری ہے۔ خدمت آغوش سینئرز کے قیام کا مقصد والدین سے محروم بچوں کی پرورش و تربیت کے لئے قیام، طعام، تعلیم و صحت اور اپنی و جسمانی نشوونما کے لئے سازگار ماحول فراہم کرنا ہے۔ ان سینئرز میں بچوں

کی ذمہ داری کے لیے ہی استعین ہوں۔ بچوں میں سکون، یک اور شہسبزی کی تقسیم کے حوالے سے مختلف تقاریر کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے۔ تعلیمی اور دیگر بنیادی ضروریات سے ساتھ ساتھ بچوں کو میزبانوں کے لئے حوالے بھی فراہم کیے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ پیچرز، دستاویزی فلمیں اور ٹیویوں کے متعلقہ کا انعقاد بھی کیا جاتا ہے۔ ایک بچے کی کفالت پر 3,000 روپے ماہوار اور 36,000 روپے سالانہ خرچ آتا ہے جس میں اس کی تعلیم، خوراک اور صحت کے اخراجات شامل ہیں۔ خدمت فاؤنڈیشن، نیشنل سپورٹ آرگنائزیشن کے لیے بھی مختلف ٹریننگ، ورکشاپس کا انعقاد کر رہی ہے۔ جس میں بچوں سے ہمدرسی، دوستانہ ماحول اور ذمہ داری کا

محمد عبدالشکور، صدر الخدمت فاؤنڈیشن پاکستان

3rd

بچے کسی بھی معاشرے کا سرمایہ اور مستقبل ہوتے ہیں اور انہیں

بچوں نے آگے چل کر ملک کی باگ و دوڑ سنبھالنا ہوتی ہے۔ والدین کی برکھن کوشش ہوتی ہے کہ ان کے بچے کو اچھی خوراک ملے، ان کی تعلیم و تربیت اچھی سے اچھی ہو اور انہیں وہ تمام بنیادی سہولیات میسر ہوں، جس کی بنیاد پر وہ خوش و خرم اور کامیاب زندگی گزار سکیں۔ ہمارا معاشرہ ایک ایسے خطے میں واقع ہے جہاں خاندان کے افراد اپنی راز مرہ ضروریات کے لئے مرد پر انحصار کرتا ہے جو شوہر یا باپ کی صورت کاروبار یا نوکری کی مدد سے خاندان کے باقی افراد کی

کفالت کرتا ہے۔ اللہ نے سوات اور زندگی کا اختیار اپنے پاس رکھا ہے۔ سوات یہ نہیں دیکھتی کہ کسی کے بچے چھوٹے ہیں یا کسی خاندان کے افسیل کے اس جہان فانی سے رخصت ہو جانے کے بعد کفالت کیسے ہوگی۔ یہ اللہ کا نظام اور کسی معاشرے کا امتحان ہے کہ ان بچوں سے معاشرہ کیا سلوک کرتا ہے۔ اس ضمن میں اس نقطے کو نمایاں کرنا بہت ضروری ہے کہ یتیمی کی کفالت کسی ایک فرد یا ادارے کی ذمہ داری نہیں بلکہ معاشرے اور قوم کی اجتماعی ذمہ داری ہے۔ ان کو قومی وطنی سرمایہ خیال کرتا ہے یا کوئی حکومت و محتاج سمجھتا ہے۔ خدمت فاؤنڈیشن معاشرے میں ایک مثبت رویے کو پروان چڑھا رہی ہے۔ ایک نئے اور صحت مند معاشرے کی طرف پہلا قدم۔ معاشرے کے یتیم، ہزارے بچے، ہزاری ذمہ داری۔

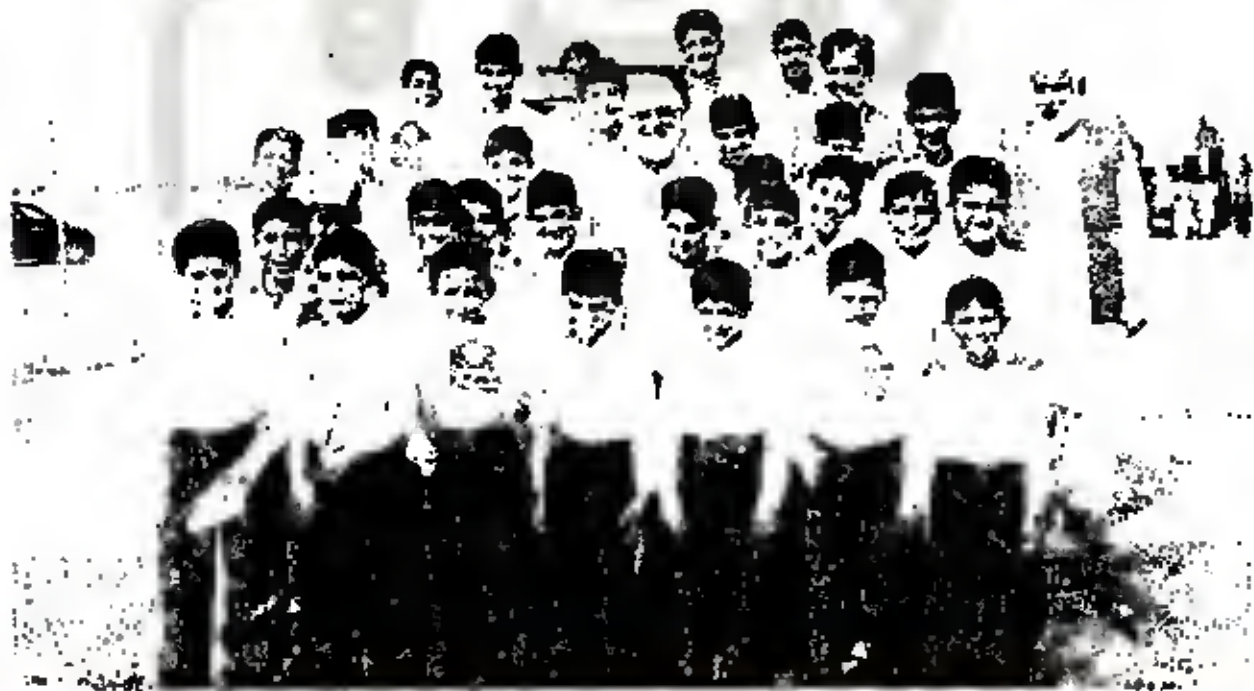
”آغوشِ خدمت نے مجھے

میرنی زندگی کا مقصد دیا“

(نوید انجم - پاکستان ایئر فورس)

میرا نام نوید انجم ہے اور میں پاکستان ایئر فورس کے شعبہ ”زندگی بچانے کے ساز و سامان“ (Life Saving Equipments) سے اسپیشلائزڈ ہوں۔ میں چھوٹا تھا جب میرے والد کا انتقال ہو گیا۔ میری والدہ پر جی لکھی نہیں تھیں، تم وسائل اور میرے بہتر مستقبل کے لئے انہوں نے مجھے آغوش میں بھجوا دیا۔ میں 12 سال کا تھا جب آغوش آئی تھا۔ یہاں کا سٹاف بالکل خاندان کی طرح ہے۔ میں نے یہیں تعلیم حاصل کی اور اب پاکستان ایئر فورس میں خدمات سر انجام دے رہا ہوں۔ آغوش نے ہماری زندگی کو ایک مقصد دیا۔ آج میرے والد زندہ ہوتے تو انہیں بھی مجھے اس مقام پر دیکھ کر خوش ہوتی۔

کے لئے رہائش، تعلیم اور صحت سمیت زندگی کی بنیادی سہولیات بہم پہنچائی جا رہی ہیں۔ اس ماں جیسی آغوشِ عمارت میں ان بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے تعلیم یافتہ انتظامی عملہ موجود ہے جو بچوں کے لیے نصابی اور غیر نصابی سرگرمیوں کے لیے صحت مند ماحول کا اہتمام کرتا ہے۔ آغوش کے قریب ہی بچوں کے لئے سکول کی سہولت بھی موجود ہے۔ اس کے علاوہ آغوشِ خدمت میں کمپیوٹر لیب، لائبریری، سپورٹس گراؤنڈ، ان ڈور گیمز اور بچوں کی نفسیاتی نشوونما کے لیے مختلف لیکچرز اور تعلیمی فورز کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ یہاں ایک بچے پر 9,000 روپے ماہانہ اور 1,08,000 روپے سالانہ خرچ آتا ہے۔ خدمت فاؤنڈیشن نے آغوش میں جس بات کو خاص اہمیت دی وہ یہ ہے کہ بچوں کو یہ احساس نہ ہو کہ یتیم ہونا خدا نخواستہ کوئی بڑی بات یا عیب ہے۔ ہمارے پیارے نئے ممالک بھی یتیم تھے۔ خدمت فاؤنڈیشن لاہور، حسب (بلوچستان)،



Scanned By Amir



بین الاقوامی (تھر پارکر) کراچی، لاہور، سمیت دیگر شہروں میں بھی آغوشِ خدمت نے قیام کا عزم رکھتی ہے۔ ان کا مقصد کس کا جوان ہوگا اور یہ حقیقت ہے کہ بچپن میں بچہ جن خرویدوں اور احساسِ نشتی کا شکار ہوتا ہے اس کا ازالہ ممکن نہیں ہوتا اور یہ عرصہ میان اس بچے کے مستقبل پر بڑی طرح اثر انداز ہوتی ہیں۔ اس لئے ہمارا فرض بنتا ہے کہ یتیم بچہ احوالک و قوم کا وارث بنے جا

کیا (بذاتی شریف۔

ہمیں احسان کرنا اور یہ دیکھنا ہے کہ ہمارے رشتے داروں میں، اہل محلہ، غلاتے اور شہر میں کتنے بے سہارا یتیم تو نہیں۔ موسم کی شدت برداشت کرنا، کھڑکی سے سول جاتے بچوں کو نکتہ، کسی درکشاپ پر کام کرنا یا کسی چوراہے پر پھول بیچنا تو ایسا معصوم جس تک خدمت نکالت، بھائی پروگرام کا پیغام نہ پہنچا ہو۔ مسلم معاشرے کے لئے ہر یتیم بچہ رنگ، نسل اور مذہب کی تمیز کے بغیر اپنے ہی بچوں کی طرح عزیز ہے۔ انسان تو نیت اور ارادہ کر کے ہی اللہ کی خوشنودی کا حقدار بن جاتا ہے جبکہ بڑے سے بڑا اور چھوٹے سے چھوٹا کام بھی اللہ کی مرضی کے بغیر انجام نہیں پاسکتا۔ اس لیے کار خیر میں خلوص نیت اور عزم معمم سے شریک ہو کر دنیا و آخرت کی فلاح اور نجات کا سامان کیوں نہ اکٹھا کیا جائے۔ خدمت فاؤنڈیشن معاشرے میں ایسے مثبت رویے کو پروان چڑھانے ہی ہے۔ اپنی مدد آپ کے تحت۔ آئیے آپ بھی صرف 3,000 روپے ماہانہ اور 36,000 سالانہ کے زر تعاون سے کسی یتیم کے خوابوں کی تعبیر کیجئے اور منہراہٹ کا باعث بنیں۔

رہا ہے، اسے زیادہ سے زیادہ شفقت و محبت سے نوازیں۔ اگر بچپن میں یتیم کو آوارہ چھوڑ دیا گیا اور ان نے غلط تربیت پائی تو یہ اپنے معاشرے کے لئے مفید شہری ثابت ہونے کی بجائے خطرہ بن جائے گا۔ مسلم معاشرے میں یتیم کا مرتبہ اور مقام کسی سے ذہکا چھپا نہیں۔ اسلام نے جن اعمال کو بہت واضح طور پر صانع اعمال قرار دیا ہے ان میں یتیموں اور مسکینوں کی مدد و ترجیح دی گئی ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ:

”اللہ تمہیں ہدایت کہتا ہے کہ یتیموں کے ساتھ انصاف بر قائم رہو اور نہ بھلائی تم کرو گے وہ اللہ کے علم سے چھپی نہ رہ سکتی۔“ (انعام۔ ۱۵۷)

نبی مہربان ﷺ خود بھی ایک یتیم تھے اور اسی لئے جہاں آپ ﷺ اوروں کے ساتھ صلہ تھی، عدل، پاک و امنی، صداقت و درگزر کا پیکر تھے۔ وہاں مسکینوں، یتیموں اور خصوصاً یتیموں کے لیے سب سے بڑھ کر پیکرِ ضرور و سخا تھے۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ:

”میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح (قریب) ساتھ ہوں گے۔“ (اور آپ ﷺ نے اپنی شہادت اور بیچ و بیچ و بیچ سے اشارہ





سپ



جاوید راتھی

ماں بیٹے کی محبت کے حال میں، میں کھل پھنسی چکی تھی۔ میرا بس نہیں چھوٹا تھا کہ میں از کران کے گھر پہنچ جاتی۔ میری ملازمت سے قبل ہی میں ہزار روپے ایڈوانس لے رکھا تھا جو ابھی تک میرے ذمہ چل رہا تھا۔ مگر میرا دل گلزار اور آئین کے خیالوں میں گھویا رہتا تھا۔ یوں لگتا تھا کہ دو بچے میری سخت اور مشکلات والی زندگی سے نجات دلا دیں گے۔

ایک بد نصیب دو شیرو کی کہانی جو حسین زندگی کا خواب لیکر کمر سے لگی تھی

بھلے لگتے ہیں۔ اس طرح کئی سڑک اور مکار چہروں کی عیارانہ مسکراہٹ کسی بھی احساس سے عاری دکھائی دیتی ہے۔

راجہ کی عمر بمشکل گیارہ بارہ سال رہی ہوگی۔ معصوم سا مسکراتا چہرہ، روشن آنکھیں۔ گاؤں سے شہر اپنے والدین کی غربت میں ڈوبی زندگی کا سہارا بنے آئی تھی مگر حالات نے اس کے بستے مسکراتے چہرے کے تمام رنگ

جس طرح آنے والا ہر موسم جانے والے دنوں سے مناسبت نہیں رکھتا اسی طرح مٹی کی کئی شکنیں مثلاً سوکھی مٹی، تیلی مٹی، سونہمی مٹی... اور پھر یہ مٹی جب بازار میں نہا کر کچڑ کی مثال بنتی ہے تو اس میں سے اٹھنے والی فوکنی شکلوں میں سامنے آتی ہے۔ آخر کار اس مٹی کی بڑھتی ہوئی ذہن کو متاثر کیے بنا نہیں رو پاتی۔ جس طرح ہر زمانہ مسکراہٹ کے آخر دیکھنے والی آنکھوں کو

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ پیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شرک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

← ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

نوجو کر اس کے چہرے پر ہنسرت کی پھیلاہٹ بھر
دی۔ اس کی روشن آنکھوں کے قہقہے بجا کر ان کی جگہ
گہری چرخائی بھردی۔

رائی رائے رضا حسین کھراں کے گھر رہنے کے
لیے آئی تھی۔ گاؤں کی کھلی گھاٹی میں سانس لینے والی شرمیلی
سی لڑکی آہستہ آہستہ شہری زندگی سے مانوس ہوتی گئی۔
محلہ کی ان دکاؤں پر جہاں سے وہ گھر کے لیے چھوٹی
سوئی چیزیں خریدتی وہ سب لوگ اُس کی خلسار عادت کی
بنا پر اس بچی سے شفقت کرتے۔ تھے۔

ایک روز راجہ صبح سویرے گھر سے نکلی لیکن شام
ذمیلے تک واپس نہ ملتی۔ رات گئے تک تلاش بیسار کے
بعد رائے رضا نے اس بارے میں باقاعدہ رپورٹ
درج کروا دی۔ انھوں نے بیان میں بتایا کہ ان کی
ملازمہ جو ان کے گھر میں ہی رہتی تھی، صبح گھر سے نکلی مگر
واپس نہ آئی۔ چند چشم دید لوگوں کی زبانی معلوم ہوا ہے
کہ راجہ کو انہوں نے ایک ریستورنٹ کے دوسری جانب
ریوے لائن کی طرف جاتے دیکھا تھا۔ بعد ازاں کچھ
افراد نے اسے ایک عورت تسلیم سن کر پورے کے ساتھ
جاتے دیکھا تھا۔ اس کے ساتھ کوئی نامعلوم شخص بھی
موجود تھا۔ بتانے والوں نے بتایا کہ وہ عورت اچھے
کردار کی مالک نہیں تھی۔ کیونکہ وہ شہر کی بدنام
عورتوں میں شمار ہوتی تھی۔

انسپکٹر عزیز احمد چیمہ نے اس پر نصیب رائی کو تلاش
کرنے کا بیڑہ اٹھاتے ایک ٹیم تیار کی اور تسلیم زوجہ اسلم
کے ٹھکانے پر پہنچی گئے۔ اس کو حراست میں لے کر لٹف
اذوں پر چھاپے دار سے گئے اور ہوا خرم نام طرمان کو قابو
کر لیا گیا۔

کہانی یہاں ختم نہیں ہوتی بلکہ بیسیا سے اصل کہانی
شروع ہوتی ہے۔ اس کہانی سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ
ہمارا معاشرہ کس سمت میں جا رہا ہے۔ جہاں معصوم بچے
خصوصاً چھوٹی بچیاں کس قدر غیر محفوظ ہیں۔ یہاں

پریت نگری سے پھیری والا

پریت نگری سے پھیری ملا میری نگلی میں آیا
چھڑی لٹکے لٹکی، چھلنگے بگمے تھے لایا
میں نے پوچھا کہ بھی کچھ ہے بلایا بیٹھا پہنا
جس کو لیکر جیون بھراک نام کی ملا پہنا
میں نے کہا کیا ملے جاس کا ہلا اک مسکن
تن میں آگ لگتا ہوں سے دکھوں کی آن
ستاسا کچھ کے آخر میں پگی مسکن
جیون بھراک سیت کے میں کسی اٹھلائی
سہاگا لال گلاب سا پہنا کب تک میرے سنگ
کب تک میں میں ہاں مسنگ کب تک میں میں سنگ
اس کے تار بھر جائیں گے، کب میرا دل مانے
دل پہ رہے گا کب تک جا دو، پھیری والا جانے
(سجاد باقر رضوی)

دنکے ہاتھوں

○ بیوی نے شوہر کو فون کیا اور بولی: کیا
کر رہے ہو؟
شوہر: آفس میں ہوں اور بہت مصروف ہوں اور
تم کیا کر رہی ہو ڈارلنگ۔
بیوی: کے ایف سی میں ہوں اور تمہارے پیچھے
بیٹھی ہوں۔

وقت

○ لڑکا شیخ سے: آپ اپنی بیٹی کی شادی مجھ
سے کر دیں میں اس کے وزن کے برابر آپ کو
سونا دوں گا۔
شیخ: مجھے کچھ وقت دو۔
لڑکا: سوچنے کے لیے۔
شیخ: تمہیں۔ بیٹی کا وزن بڑھانے کے لیے۔

(محمد نذیر، آزاد کشمیر)

جبکہ طرمان جیل روانہ کر دیے گئے۔

.....

طرمان کی گرفتاری کے چند روز بعد میں نے راجہ سے دوبارہ ملاقات کی اور ان واقعات کی تفصیلات معلوم کیں۔ اب وہ گھر والوں کے پیار اور اہمیت سے کچھ حد تک سنبھل گئی تھی۔ مگر اس کے چہرے اور آنکھوں کی وحشت سے لگتا تھا کہ اس کی روح پر جو زخم لگے ہیں وہ کبھی مندمل نہ ہو سکیں گے۔ راجہ نے خوف سے لرزتے ہوئے کہا شروع کیا:

”میں اکثر گھر کا سودا سلف بھائی پنوں کی دوکان سے خریدتی تھی۔ ایک تو اس کی چیزیں صحیح اور مزید مناسب ہوتا تھا۔ میں دو ایک گھر کی ضروری چیزیں چینی تھی اور پیسٹ لینے لگی تو پنوں بھائی دوکان کے اندر چھلے حصہ سے کوئی سامان لینے گئے ہوئے تھے اور دوکان کی حد بندی سے باہر ایک عورت اور لڑکا موجود تھے، شاید ان کا ہی سامان لینے وہ اندر گئے ہوئے تھے۔

میرے پوچھنے پر اس عورت نے مجھے بتایا کہ بھائی پنوں دوکان کے اندر ہیں۔ اسی دوران اس نے میرے پہننے سوٹ کی تعریف کرتے پوچھا کہ کتنے کا لیا تھا۔ جواب میں میں نے بتایا کہ یہ سوٹ میری مالکن کا تھا جو انہوں نے مجھے دے دیا۔ میں نے اپنے سائز کا کروا لیا۔ میں نے اس عورت کو حقیقت بتائی۔ اس عورت نے لڑکے کے ہاتھ میں کچرا شاپنگ بیگ نیا اس میں سے مٹھی بھر خوبانیاں نکالتے میرے ہاتھ میں رکھ دیں۔ میں نے بہت اٹکار کیا مگر اس کی شفقت کے آگے بے بس ہو گئی۔“

یہ تھی پنوں کی دوکان پر راجہ کی اس آٹنی سے پہلی ملاقات۔ اس تھوڑی سی بات چیت میں اس عورت نے راجہ کا نام لور پتہ معلوم کر لیا تھا مگر ساتھ ہی اسے خود سے مانور بھی کر لیا تھا۔ اس نے راجہ سے موہاں نمبر بھی پوچھ کر لکھ لیا اور کہا کہ اسے بھی اپنے گھر کا کام کرنے والی ملازمہ کی ضرورت تھی لہذا اس نے کہا کہ اگر تمہیں دوسری جگہ ملازمت

دہندے ہر وقت تاک میں بیٹھے ہیں کہ کب کوئی ”شکار“ نظر آئے اور یہ اسے دبوچ لیں۔ یہ ظلم ہمارے چاروں طرف روز ہورہا ہے اور ہم سب بے حس ہو کر یہ ظلم برداشت کر رہے ہیں۔

طرمان کی گرفتاری کے بعد ان سے تفتیش کی گئی تو معلوم ہوا کہ راجہ کو اغوا کرنے کے بعد ریشم پورہ، حسین کالونی میں رکھنا گیا تھا جہاں اس معصوم اور کم سن بچی پر ظلم کے پہاڑ نئے رہے۔ دوران تفتیش اغوا کاروں کی زبانی معلوم ہوا کہ راجہ تسلیم کی بچی عائشہ عرف عاشری جو ملتان میں اپنے خاوند کی سرپرستی میں قحبہ خانہ چلاتی تھی راجہ اس کے پانچ برس بے جا میں ہے۔ پولیس پارٹی تعاقب کرتی ملتان پہنچ گئی۔ عاشری کو اطلاع ہو گئی اس نے راجہ کو اپنے اذے سے نکالی کر اپنے خاوند کی تحویل میں دے دیا۔ جو کئی گھنٹے تک اسے موٹر سائیکل پر لہے ملتان کی سڑکوں پر گھومتا رہا۔ پولیس پارٹی اور رائے رضا حسین، مانوی کے عالم میں ایک جگہ کھڑے تھے کہ اچانک رائے کی نظر راجہ پر پڑی جو عاشری کے خاوند کی موٹر سائیکل کے پیچھے بیٹھی قریب سے گزر رہی تھی۔ انہوں نے انسپٹر چیمہ کو خبردار کیا موٹر سائیکل کا پتھا کرتے پولیس پارٹی نے اسے موقع پر ہی پکڑ لیا اور راجہ کو اس کے قبضہ سے چھڑا لیا گیا۔ راجہ کی نگاہ رائے صاحب پر پڑی تو وہ تڑپ کر ان سے پست گئی۔ اجڑا کھرا روپ معصومیت سے عاری چہرہ لرزتی کانپتی وہ دوکان پانچ بچی سب سے ہوئے انداز میں پولیس اور رائے رضا کے سامان کی چھت کے نیچے یوں بیٹھی تھی جیسے وہ صدیوں کا سفر کرتے کرتے کسی گھنے سایہ دار درخت کی چھاؤں میں آن بیٹھی ہو۔

انسپٹر عزیز احمد چیمہ نے عاشری سمیت اس کے ساتھیوں کو ملتان سے گرفتار کیا اور واپس اپنے تھانہ سے ڈویژن آگئے۔ یہاں پہنچ کر انہوں نے اغوا کاروں کے خلاف مقدمہ درج کر کے راجہ کو وفاق کے حوالے کر دیا

کی ضرورت پڑے۔ یہ کسی اور نرنگی و ملازمت کرنی ہو تو مجھے کال کر لیتے۔ گویا اس عورت نے معصوم راجہ کو پھینکنے کے لیے جان پھینک دیا تھا۔ بہر حال راجہ مزید بتانے لگی:

”بات آئی دن پرانی ہو گئی۔ ایک دن میں نے برہی کے فون سے اس نمبر پر کال کی تو اٹھانے والی خوبروی آئی تھی۔ فخر خیریت کے بعد اس نے مجھے پھر یاد دہرایا اور ساتھ میں یہ بھی کہہ کر تم خود آ جاؤ تو میں ان سے ایک ہزار زیادہ بخواہوں گی۔“ نہیں اتنی میں یہاں ٹھیک ہوں ہاں اگر کوئی کام چھوڑنے کی نوبت آئی تو میں اپنی والدہ کو آپ کا نمبر دے دوں گی اور وہ آپ سے مل کر بات کر لے گی نور آپ کا گھر وغیرہ بھی دیکھ لے گی۔“ پھر سسٹنٹ گیا مگر میں کبھی کبھار جب باجی سوری ہوتی تو چپکے سے ان کے موبائل سے آئی کو فون کر جیتی تھی۔ ایک دن میں نے فون کیا تو فون اٹھانے والا اس کا وہی بیٹا گلزار تھا جس سے میری ملاقات آئی کے ساتھ ہون کی دوکان پر ہو چکی تھی۔ پتہ نہیں اس کی باتوں میں کیا جاؤ تھا کہ میں اس سے کافی دیر بات کر رہی اور وہ دیکھ کر یہ کہہ کر جب کبھی موقع سے گا میں کال کریں۔ دو گئی۔ پھر جہری چورٹی چھپے ہاتوں کا سلسلہ چل نکلا۔ باجی دوپہر کو سو جاتی تھی بس مجھے اُن کو دہانا ہوتا تھا موبائل سائینڈ بیل پر پڑا ہوتا تھا جو میں چپکے سے اٹھا کر برآمدے میں آجاتی اور میں تل دیتی آئی اگر اٹھالیتی تو میری آواز سننے ہی گلزار کو آواز دے کر فون اس کو پکڑا دیتی۔ ماں بیٹے کی محبت کے جال میں میں کھل چھس چکی تھی۔ میرا بس نہیں چلا تھا کہ میں از کر ان کے گھر پہنچ جاتی۔ میرے گھر والوں نے میری ملازمت سے نکل ہی دس ہزار روپے ایڈوانس لے لے رکھا تھا جو اب تک میرے ذمہ چل رہا تھا۔ مگر میرا دل گلزار اور اتنی کے خیالوں میں گھویا رہتا تھا۔ یوں گنتا تھا کہ وہ مجھے میری تخت اور مشقت والی زندگی سے نجات دلا دینے لے۔ اتنی کئی بار مجھے اپنے گھر آنے کی دعوت دے چکی تھی اس میں نے وعدہ بھی کر رکھا تھا کہ جس روز میں

چھٹی سڑکی اس روز آپ کا گھر دیکھ کر جاؤں گی۔ برہی اور بھائی جان گاؤں جانے کے لیے تیاری کر رہے تھے۔ مجھے انہوں نے اپنے گھر جانے کا سبب ہی کہہ دیا تھا۔ مگر میں اپنے گھر جانے کے بجائے آئی اور گلزار کے گھر جانے کا ارادہ کر چکی تھی۔ میں آئی رہائش گاہ سے نکل کر باہر سڑک پر آ گئی۔ پنی او سڑک کر اس کے بارے میں تھا۔ جہاں آ کر میں نے آئی کو فون کیا اور بتایا کہ میں مارسیٹ میں پنی کی او کے قریب کھڑی ہوں۔ انہوں نے کہا کہ تم نو بج آتے ہیں۔ مجھے زبردستی پر انتظار نہ کرنا پڑا۔ گلزار اور آئی جہد ہی سڑک کے دوسری جانب موجود تھے۔ میں بغیر سوچے کبھی سڑک عبور کرتی ان کے پاس پہنچ گئی اور پھر ان کے ساتھ چل دی۔ وہ کئی لمبوں کو پیچھے چھوڑتے حسین کالونی کے ایک بڑے سے کچی ٹنڈا گھر کے کھلے گیت کے اندر نے گئے۔ اتنی مجھے اندر ڈرائنگ روم میں لے آئی۔ اسٹے میں دو اور بھی لڑکیاں ڈرائنگ روم میں آئیں جن سے اتنی نے اپنی جیسا سلیٹی اور شہرت تہہ کر میرا تعارف کر دیا۔ گلزار بھی سبڑ سا ٹیکل گھڑی کر کے اندر ہی آ گیا۔

”بہی آپ گھر والوں کو بتا کر آئی ہو؟“ اتنی نے مجھ سے دریافت کیا۔ جواب میں میرے انکار پر وہ جیسے مضطرب ہوئی۔ پھر دھرا دھرا کر باتوں کے دوران شہرت شربت بنا لائی۔ میرے سمیت سب نے اپنے اپنے گلاس ہانڈیے۔ شربت پینے کے دوران اتنی مجھ سے چینی چڑنی باتیں کر کے اپنا چہرہ مجھ پر شاہ کرتی رہی۔ پھر وہ مجھے گھر لے کرے دکھانے کے لیے مختلف کمروں سے لے جاتی ہوئی اوپر وہی منزل دیکھنے کے لیے بیڑھیوں کی طرف لے آئی۔ اوپر چڑھتے مجھے یوں لگا جیسے میزا سر چھارہ ہو۔ بڑی مشکل سے میں ان کے ساتھ اوپر والے حصے میں آئی۔ اوپر بھی کئی کمرے تھے آخری کمرے میں بیڈ پر ایک آدمی بیٹھا گھومتا پڑ رہا تھا۔ میرا سر تو چکر ماری رہا تھا مگر آنکھیں بھی بھاری بھاری ٹنگ رہی تھیں۔ وہ دونوں لڑکیاں اور گلزار کمرے سے باہر نکل گئے۔ مجھے اتنی نے صوف پر اپنے

یہ دس آنسو بہانے لگی۔ یہ سوچ کر کبھی منہ آ رہا تھا کہ وہ میرے بارے میں کیا سوچتے ہوں گے۔ اس میں نہیں منہ کا۔ کرنے چلی گئی ہوں۔ انہیں کیا معلوم کہ میری بیوقوفی نے مجھے کبھی کا نہ چھوڑا تھا۔ چائے پیتے ہی میرا سر پھر بھری ہونے لگا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ مجھے پھر سے بے ہوشی کی دوا دے دی گئی ہے۔ جب میری آنکھ کھلی تو میں نے خود کو کسی نئی جگہ پایا۔ سب سے پہلے نظر آنے والی عورت شکل سے ہی کوئی بد کردار دھانی پڑتی تھی۔ میرے ہوش میں آتے ہی وہ بولی:

"آج سے تمہارا نام روشی ہے اور میں نے تمہیں تین لاکھ میں خریدا ہے"۔ کان کھول کر سن لو یہاں آنے والے کسی بھی مرد سے کوئی بات کی یا اپنے بارے میں بتایا تو وہ تیرا آخری لمحہ ہوگا"۔

میں ایسے اڑے پر پہنچی تھی جہاں میرے سمیت کئی اور بھی لڑکیاں موجود تھیں۔ کئی کمرے میں ہوس کا بہ مست کاروبار جاری تھا۔ مجھے بھی اس گھناؤنے اور مکروہ رخنہ سے میں دکھیل دیا گیا۔ ان گھناؤنے اور گھنڈے کاروبار میں مجھے کچھ بھی یاد نہ رہا۔ میرے ہاتھ پر انجکشن در انجکشن لگتے رہے۔ مجھے یہاں آنے کتنے دن ہو گئے تھے اس بات کا ہوش بھی نہ رہا۔ پھر ایک روز جیسے میرے نصیب کو مجھ پر ترس آ گیا اور میں پولیس کی گاڑی میں اپنے لوگوں کے ساتھ اپنے شہر نور اپنے گھر کی طرف جا رہی تھی۔ مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں آزاد ہو گئی تھی"۔

یہ سب بتاتے ہوئے اس کی آواز آنسو میں دب گئی۔ اور میں یہ سوچتے ہوئے وہاں سے اٹھ آیا کہ ہم سب بھی راجہ جیسی لڑکیوں کے مجرم ہیں جو معاشرے کو ان بھیڑیوں سے آزاد کرانے کے لیے کچھ نہیں کرتے جو معصوم لڑکیوں کو مجرم اور گناہ کی ذلت آمیز زندگی کی طرف دھکیل دیتے ہیں۔

..... ❁

ساتھ بیٹھتے پوچھا "تمہاری قیمت تو ٹھیک ہے؟"
"پتہ نہیں آتی کیا بات سے میرا سروں پر ہے۔"
میں نے بڑی مشکل سے اپنی آنکھیں کھولتے جواب دیا۔ "اؤ میں تمہارا سروں ہاؤں" کہتے آئی نے میرا سروں پہنی گود میں رکھتے میرا سروں ہاؤں شروع کر دیا۔ سروں ہاؤں سے دوران آئی کی آواز جیسے مجھے بہت ڈر سے سنائی دے رہی تھی۔ پھر میں نیند میں ڈوبتی چلی گئی۔

بس مجھے ہوش آیا تو مجھے پتہ چلا کہ میں اپنا سب کچھ لٹا بیٹھی تھی۔ اس کمرے کا دروازہ باہر سے لاک تھا میں نے بہت شور مچایا مگر میری آواز کمرے کی دیواروں سے ٹکرائی اور وہیں اسی کمرے میں دفن ہو جاتی۔ باہر دن کی روشنی میں مجھے معلوم ہوا کہ میں تمام رات اس کمرے میں بے ہوش پڑتی رہی تھی۔ میں چیخ چلا کر بہنے لگا ہوا تو آئی نے باہر سے دروازہ کھولا اور اندر آتے ہی میرے منہ پر پتھپھروں کی پارٹ شروع کر دی اور حکم دیا "اگر تمہاری آواز نکلی تو باہر ہی گلہ دہ کر ختم کر دوں گی"۔ اور تمہاری لاش کا بھی پتہ نہیں چلے گا۔ تمہیں تو پتہ ہے کہ تمہارے سوا کسی کو معلوم نہیں کہ تم میرے گھر پر ہو۔ بس چپ چاپ میری بات مانتی رہو تو سنبھلی رہو گی"۔ میں سہم کر صوف پر بیٹھ گئی۔ اپنے قتل کا سن کر میرے اوسان خطا ہو گئے تھے۔ پھر آئی بولی: "رونا دھوتا بند کرو اور یہ کوسوٹ اور تیر ہو کر بنا شہ کر لو"۔ اس نے ایک سوٹ دیا۔ شاید وہ دونوں لڑکیوں میں سے کسی ایک کا تھا۔ آئی نے میرے پاس صوف پر سوٹ رکھ کر دروازہ پھر سے بند کر دیا۔ میں کافی دیر تک اپنے نصیب کو روٹی رہی پھر اٹھ کر میں کمرے کے اندر داش روم میں گئی۔ میرا سارا جسم بارے درد اور تھکاوٹ کے چور چور ہوا دکھ رہا تھا۔ کافی دیر کے بعد جب میں سنبھلی تو اس کا ایسا سوٹ پہن کر کمرے میں آ گئی۔ میز پر بنا شہ پڑا تھا جو شاید میرے نہاتے ہوئے کوئی کمرے میں رکھ گیا تھا۔ تمہارا بہت اہم بار کینا اور اپنے گھر والوں کی

طعام المسکین

انوار حسین عفی

مساکین کو کھلا دینے اور ان کو دھتکارنے والوں کے بارے میں آیات قرآنی اور احادیث مبارکہ میں بیان کردہ وعید و تنبیہات!

حضرت عبداللہ بن عمر بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی اکرمؐ سے دریافت کیا کہ اسلام کے اعمال میں کون سا عمل بہترین ہے اور افضل ہے آپ نے ارشاد فرمایا: "سب سے بہترین اعمال یہ ہیں کہ آپ غرباء و مساکین کو کھانا کھلائیں اور ہر شخص کو خواہ سستا سا ہو یا اجنبی سلام کریں۔"

(المحدث)

اس کے برعکس وہ لوگ جو قیہوں اور مساکین سے بے اعتنائی برتتے ہیں کھانا کھلانا تو دور کی بات انہیں دھکے دینے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ ان کو اللہ نے روز جزا کو جھٹلانے والوں میں شامل کر دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: "کیا تو نے اس شخص کو دیکھا ہے جو روز جزا کو جھٹلاتا ہے۔ یہ وہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا۔"

(الماعون۔ 1-3)

اس کا مطلب ہے جو قیامت پر یقین نہیں رکھتا وہ دنیا میں معاشرے کے لئے تیسری کردار کا مالک نہیں بن سکتا۔ جو لوگ استطاعت کے باوجود مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے انہیں رب کائنات کی یہ وعید یاد رکھنی چاہئے چہنچہن آہیں میں جب متنگلو کریں گے۔ "کس چیز نے تمہیں جہنم میں پہنچایا وہ کھلے گے ہم نماز گزاروں میں سے نہ تھے اور ہم مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔" (المدثر 44-42)

اللہ تعالیٰ ہمیں پورے کا پورا اسلام میں داخل ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

آج کے اس پُر آشوب دور میں ہم اپنی ذات میں اتنے کھو چکے ہیں کہ ہمیں دوسروں کی پرواہ نہیں۔ ہم دلوں ہاتھوں سے مال سیٹھا چاہتے ہیں۔ ہر لمحہ یہی فکر دامن گیر ہے کہ بس ہمیں ہر چیز زیادہ ملنی چاہئے۔ سرکاری ملازم ہیں تو خواہ سب سے زیادہ ملنی چاہئے، دکاندار ہیں تو سب سے زیادہ گاہکی ہماری ہونی چاہئے، اقدار میں ہیں تو زیادہ سے زیادہ عہدوں کی خواہش ہے، انسر ہیں تو زیادہ وی آئی پی سلوک کی تمنا ہے، الغرض ہر شے زیادہ سے زیادہ ہونی چاہئے۔ قرآن حکیم نے ہماری اس چاہت کے بارے میں کیا خوب ارشاد فرمایا ہے۔

"زیادہ کی چاہ نے تمہیں غافل بنا دیا یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پہنچے"

(الانکار 2-1)

دوستو! ہماری خوض غرضی کا یہ عالم ہے کہ اپنے اور گرد و غریبوں اور مسکینوں کو یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ مساکین کو کھانا کھلانا کتنا بڑا ثواب ہے۔ اس کا اندازہ ان آیات کریمہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔ "وہ جو نذریں پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی برائی ہر طرف پھیلی ہوگی۔ اور اپنی خواہش کے باوجود مسکین، یتیم اور امیر کو کھانا کھلاتے ہیں وہ ان سے کہتے ہیں ہم تمہیں صرف اللہ (کی رضا) کے لئے کھلا رہے ہیں ہم تم سے نہ تو کوئی معاوضہ چاہتے ہیں اور نہ شکرگزاری۔"

(الدر 7-9)

”اللہ کا وعدہ“

• نوسابہ اختر

اس نے بھرپور نفرت آمیز نگاہوں سے میری طرف دیکھا پھر اس سب لڑکیوں کی طرف جو ڈر اور خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھیں اور دفتر سے دو قدم باہر نکالے۔ فروزاں جو عین اس کے راستے میں تھی اس کو دبوچا اور سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں اپنے گھوڑے پر بیٹھ کر اس کو ایڑھی لگا چکا تھا۔



• ایک عورت کی کہانی جو عظمت و ہمت کا جیتا جاگتا پیکر تھی

”تعجب ہے اس انسان پر جو اللہ تعالیٰ کو حق جانتا ہے اور پھر غیروں کا ذکر کرتا ہے۔ جو حساب کو حق جانتا ہے اور پھر مال بھی جمع کرتا ہے جو جہنم کو حق مانتا ہے اور پھر گناہ کا ارتکاب بھی کرتا ہے۔“

اگر بندہ سوچنے سمجھنے کی تھوڑی سی صلاحیت بھی رکھتا ہو تو ان اقوال کی گہرائی میں اترنا بہت

فراست مومنانہ حضرت عثمان غنیؓ کی ذات میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اور یہ نتیجہ تھا پیغمبر علم و آگہی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت و تربیت کا حکمت قرآن پر گہرے غور و فکر پھر خصوصاً اور حسن نیت کا کہ آپؐ کی زبان فیض ترجمان سے نکلنے والے الفاظ حکمت و دانائی کے شہ پارے بن جاتے۔ فرماتے ہیں۔

Scanned By Amir

نیمحتوں کی پھرتی کے سائے تلے قدم اٹھاتے
 پسماندہ سا وہ علاقہ تھوڑا بہت تعلیم آشنا بھی تھا۔
 سکول بھی تھا اور ڈگری کالج بھی۔ غربت اور افلاس
 کی چنگ میں پسنے والے بہت تھوڑے لوگوں کے
 بچے تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ لیکن پورے ذوق و
 شوق سے۔ آج کے دور وانی لائبریری کیفیت مجھے
 کہیں نظر نہیں آتی تھی۔ یہ سکول اور کالج بھی
 وڈے چودھری صاحب کی کاوشوں کا نتیجہ تھا۔ کہ
 وہ ایک نیک نیت شخص اور مہربان چودھری
 صاحب تھے اور ان کا ایک جبری پارٹنر دوسرے
 ملک میں رہتا تھا جو گا۔ بے بگا ہے یہاں آ کر ان کی
 اچھی خاصی برین واشنگ کرتا رہا کہ لوگوں کو تعلیم
 آشنائی کے سمندر میں ہاتھ دھونے دو تمہارے
 لئے بھی اللہ آئندہ جنت کے دروازے کھول دے
 گا۔ ورنہ تو سنا ہے کہ ایک چودھری صاحب کے
 کسی آشنا نے انہیں اچھا خاصا سرمایہ دیا کہ اپنے
 علاقے میں سکول کھولو چودھری صاحب نے کہا یا
 میرے ساتھ دشمنی نہ کریے لوگ جب تک جاہل ہیں
 ہمارے غلام ہیں پڑھ لکھ جائیں گے تو ہمارا راج
 الٹ دیں گے۔ یہ مہربانی کرنی ہے تو ساتھ والے
 چودھری صاحب کے پاس چلے جاؤ جو ہر وقت
 ہماری جزیں اکھیرنے میں لگے رہتے ہیں ذرا ان
 کے لوگوں کو تعلیم دے کر ان کا راج پات کمزور
 کرو۔ یعنی چودھری صاحب دشمنی کا بدلہ اس
 طرح سے لینا چاہ رہے تھے۔

بہر حال یہ چودھری صاحب جو اب حیات نہیں
 یہ نیک کام کر گئے اور چونکہ لوگوں میں تھوڑا بہت شعور
 بیدار ہو چکا تھا اس لئے یہ کالج اور سکول چل رہے
 تھے۔ کچھ اس لئے بھی کہ سرمایہ لگانے والے مرحوم
 چودھری صاحب کے دوست گا ہے بگا ہے آتے بھی
 رہتے تھے ورنہ تو نئے چودھری صاحب کا ارادہ یہ

مشکل نہیں ہے۔

سورۃ بقرہ کی ابتدائی 5 آیات کے بعد چھٹی
 آیت پڑھ پڑھ کر میں پتہ نہیں کس دور کے کس
 ایسے میں جا داخل ہوئی۔

ترجمہ: بے شک آدمی حد سے نکل جاتا ہے۔
 اس وجہ سے کے اپنے آپ کو مستغنی دیکھتا ہے۔

پارہاریہ دو آیات میری زبان پر جاری ہو جاتیں
 اور دماغ میں دم پڑھ رہی ہانڈنی کا سا نابل آنے لگتا۔

ناشتہ کے لئے اٹھنے سے چھیلنے کھڑی ہوئی تو پور
 کا چھٹکا اٹارنے کے بعد ہار یک جھلی اٹارتے

ہوئے قدرت خداوندی اپنے پورے زور و شور
 سے میرے سامنے کار فرما تھی۔ دیکھیں اوپر کا چھٹکا

کتی جلدی ٹوٹ ٹوٹ کر گر گیا لیکن یہ جھلی ناخن
 سے کھرچ کھرچ کر اٹارنا پڑی اور اس تک دو

میں اس بہت پیچھے بہت ہی ڈور جا لگی۔
 یہ ون یونٹ ختم ہونے سے پہلے کا دور تھا۔

ماسٹرز کے بعد ایم ایڈ اور پھر ملتان جیسے دور دراز
 علاقے میں بطور ہیڈ ماسٹریں میری تقرری گھر میں

کسی کو بھی پسند نہ آئی اور مارشل لاء حکم نافذ ہو گیا کہ
 محترمہ وہاں جا کر جوائن نہیں کریں گی۔ لیکن یہاں

بھی تو مشکل مہمات سر کرنے کا جنون تھا۔ اس نئے
 سب کو ناراض کر دیا کہ وہاں مجھے کیسپس کے حدود

کے اندر ہی تو رہنا ہے اور یوں ہم جناب پوریا بستر
 سمیٹ ایک نئی دنیا کی تلاش میں چل پڑے۔

پہلی پہلی تقرری اور نئے نئے لوگ پھر وہ کام
 ہی کیا جہاں مشکلات نہ ہوں۔ جہاں انسان

آسانوں کے لئے رب کے در رحمت پر ہاتھ نہ
 پھیلائے اور جہاں بندے کو رب اپنا رب ہونے

کا یقین نہ دلائے۔
 بہر حال ہماری ٹرین بھی پٹری پر چل نکلی۔

کچھ اپنی سمجھ بوجھ سے اور زیادہ امی جان کی

اتنی ہی تمہیہ کے پیچھے ملنے والی سکرین پر وہ
محصومہ دیش ہرنی جیسی آنکھوں والا ایک چہرہ
اُبھرتا ہے جو آج اگر پرہہ سکرین پر نمودار ہوتے تو یہ
بڑی خوبصورت اداکارا میں اس کے حسن کی
چکاچوند میں ماند پڑ جاتیں اور اس کی گانگرا کا پانی
بھرنی نظر آتیں۔

میں نے آفس میں بیٹھی قائلیں دیکھ رہی تھی
جو بلڈنگ کے متعلق تھیں اور کلرک تھوڑی دیر پہلے
مجھے دے کے گیا تھا کہ دروازے پہ بکا سا شور ہوا۔
”کو مجھے جانے تو دے تا منور خان! آپا جی
مجھے کچھ نہیں کہیں گی۔“ یہ کہتی ہوں ایک
خوبصورت گندمی رنگ کی نیا رنگی۔ جو نیا رنگ سے
زیادہ کوئی فلمی ہیروئن لُک رہی تھی۔ سادہ سے لباس
میں بیوس سر کو پوری طرح ڈھانپے ہوئے وہ اندر
آنے کی اجازت کی منتظر تھی۔

”منور خان! کیا بات ہے۔ یہ شور کیا ہے؟“
میں نے پوچھ جانتے ہوئے بھی تمہیدی سوال کر دیا۔
”میڈم! یہ فروزاں بی بی آپ کے پاس
خواجواہ ہی آنے کی ضد کر رہی ہے جی!“ منور
خان کا انداز معذرت خواہانہ تھا۔

”اچھا! آنے دو اسے..... میں دیکھ لیتی
ہوں۔“

اجازت ملنے کی دیر تھی کہ وہ منور خان کا منہ
چراتی اندر آ گئی۔

”سلام میڈم جی... جی میں فروزاں ہوں
ہا بے رحیم بخش کی پوتری جی... وہی رحیم بخش
جی! جو آپ کے گینے شینے ٹھیک کرتے ہیں.....“ اس
نے اپنا مکمل تعارف کر دیا یہاں تک مناسب سمجھا۔

فیروزہ نام کو فروزاں بنا کر شاید اس کی
جاذبیت اور غرور میں کچھ اضافہ ہی ہوا تھا۔ فیروزہ
تو پتھر ہی ہے نا جس کو بھا جائے اس کے بلے بے

سلسلہ تعلیم منقطع کرنے کا من چکا تھا۔

”بھلا ان کی کیا کمین لوگوں کو تعلیم کی کیا
ضرورت ہے۔ پڑھ لکھ کر یہ وڈے لائٹ صاحب
نگ جائیں گے۔“

ظن بھرے یہ جیسے وہ اکثر لوگوں سے کہا
کرتے تھے۔ حالانکہ خود وہ کسی اچھی یونیورسٹی سے
شاید کوئی ڈگری نائے ہوئے تھے کچھ تھوڑا بہت
قانون بھی جانتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کے پیچھے آنے
والی فرعون کی فوج تو پانی میں اس طرح ڈبو یا کہ وہ
چوں بھی نہ کر سکے۔ فرعون وہ خود ساختہ خدا جس
کے حکم سے لاکھوں نومولود قتل کر دیئے گئے۔ اس
کے آباؤ اجداد جو بہت پہلے سے فرعون کی خصلتوں کا
مجسمہ تھے کہیں انہوں نے خندقوں میں آگ جلوائی
اور حق کے نام لیاؤں کو ان خندقوں میں ڈالا اور
کہیں وہ سختوں والے کہلائے کہ حق پرستوں کے
ہاتھوں پاؤں میں میٹھیں لگا کر ان کا ایمان خریدنا
چاہتے تھے اور بھی بہت سے اور مجھے ہتھکنڈے
ہوں گے حق پرستوں کو متزلزل کرنے کے لئے۔

لیکن جو سوچ مجھ ناچیز کے ذہن نارسا میں جنم
لتی ہے وہ یہ ہے کہ عبرت کا نشان بنائے جانے
والے فرعون کے بعد کیا فرعونیت ختم ہو گئی؟ کیا ظلم
و ستم کے در بند کر دیئے گئے؟ کیا جینے اور جیتے
رہنے کا پیدائشی حق ہر انسان کو مل گیا.....؟

اس کا جواب ہمیشہ نفی میں ہی رہا۔ ہر بڑی
چھلی چھوٹی چھلی کو ہڑپ کرتی رہی اور ہر صاحب
اقدار اپنے جوتوں کے نیچے کمزوروں کو روندھتا
رہا۔ عقوبت خانے محصوم بے گناہ لوگوں کا
قبرستان بنتے رہے۔ وہ ظلم و جبر کے قہر میں جسم
ہوتے رہے اور نام نہاد قانون سنی کا کچھ بھی

پڑھ جائے گی تیری وہی بھی اور پھر جی میں بڑے شوق سے پڑھنے لگ گئی تھی۔ اور جی میں نے آنکھوں کے امتحان میں وظیفہ بھی لیا تھا تو جی پھر بے بے نے مجھے نوٹس میں داخل کروا دیا۔ "وہ بونٹی بونٹی رُک گئی.... جیسے اس سے گلے میں کچھ اٹک گیا ہوا جیسے اس نے آنسوؤں کے مونے مونے قطرے گلے میں اتار لئے ہوں۔"

"کیا ہوا فروزاں! تم چپ کیوں ہو گئیں۔" وہ جی پھر میری پھوپھی نے زور ڈالا کہ کڑی کو ویاہ دو۔ اس نے کوئی نوکری شوکری کرنی ہے۔ بہتیری ہیں نوکھائیں۔"

وہ رو دئی۔ ایسے جیسے کس بچے کے ہاتھ سے اس کا من پسند کھلونا چھین لیا گیا ہو۔ یا جیسے کسی غیار کے سر سے پانی کی بھری گھاگر اس کے سر کے زاویے کے ذرا سے بدنے پر کھسک کر نیچے جا پڑے اور پوری آواز سے نوٹ جائے اور پانی دھلان کی طرف بہتا چلا جائے۔

"پھر میڈم جی! میری پھوپھی نے فوراً شادی کر دینے کا حکم دے دیا اور جی میری شادی ہو گئی۔ پر میڈم جی! مجھے اس شادی کی آزار بھی خوشی نہ ہوئی۔ میں تو بس بین سوچ کر رو رہی کہ کیا تھا پھوپھی ایک سال اور رُک جاتی میں دسویں کرے اس کی نوٹ بن جاتی تو پند تیں اس کی بھی بے بے ہو جاتی نا۔"

"پہ میڈم جی! میرا جو گھر والا تھا نا ان نے مجھے پہلے ون ہی کہہ دیا تھا۔ فروزاں تو دسویں کرے بے بے کو میں رانسی کر لوں گا۔ وہ فوج میں تھا نا تکی سپاہی۔ تو اس نے مجھے ساتھ تو نہیں لے جاتا تھا۔ اس نے بے بے کو رانسی کر لیا اور ویاہ کے پندرہ دن بعد جب وہ اپنی نوکری پا واپس گیا تو مجھے میری بے بے کے پاس چھوڑ گیا کہ اس کو سکول بھیج

اور جس کو کھا جائے اس کے کچھ نہ رہے پلے..... "ویسے میں ایسی تو ہات کی قائل ہرگز نہیں۔"

اور اس کے بقول فروزاں کو چانن ہی چانن تھا نا..... تارکیوں میں اجالا ظلمت میں روشنی اور خوش بختی کی علامت۔ یہ سارے احساس پل بھر میں میرے اندر سے ہو کر نرر گئے۔ میں جو اس کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ ایسے دیکھنے سے شاید وہ زورس ہو رہی تھی بھی فوراً بولی۔

"میں بیچہ جاؤں میڈم جی!" "ہاں ہاں فروزاں تم بیچو نا۔ کھڑی کیوں ہو۔" میں نے اپنی شرمندگی کی روا اوڑھتے ہوئے اسے پیار سے مخاطب کیا تھا۔

"ہاں اب بتاؤ۔ کس کام سے آئی ہو۔ یا ایسے ہی مشکل مسئلہ کرنے.....؟" وہ ہنس پڑی۔ ایسے جیسے کسی نے بھری گھاگر سے پانی اندر لے دیا ہو۔

"وہ جی میں تو آئی ہوں کہ آپ مجھے بڑھادیں نا میں بھی استانی جی بن جاؤں گی اور پھر کبھی میڈم جی بھی۔"

اتنی معصومیت تھی اس تقاضے میں کہ میں اس کا منہ دیکھتی رہ گئی جو یہ تقاضا کرتے ہوئے خوشیوں کی چنگ کو اوپر اور اوپر اڑائے جا رہی تھی۔

کیوں نہیں فروزاں! ہم سب کو یہ حق حاصل ہے کہ ہم تعلیم حاصل کرنے اپنے پیارے وطن کے لئے کچھ کریں۔ میں نے پیار سے ان کی طرف دیکھا۔ "مگر مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے پڑھائی شروع کہاں سے کرنی ہے۔"

"وہ جی میڈم جی میں نے دسویں تک پڑھا ہوا ہے جی۔ جب وڈے چوہدری صاحب زندہ تھے نا تو انہوں نے بے بے سے کہا تھا امیراں بی بی اس کو بھی سکول میں داخل کروا دے۔ چار حرف

کیا آپ چاہتے کہ

آپ، آپ کی اولاد، آپ کے بہن بھائی، عزیز واقارب

جھوٹ بونے سے باز آجائیں۔

تجارت اور ملازمت میں بدعنوانی اور بددیانتی سے باز آجائیں۔

اپنے گھر و عین سے حسن سلوک سے پیش آئیں۔

زندگی کا بوجھ سنبھالیں اور پارسائی میں گزرے۔

تعمیر و تعمیر کے شاندار درس ذہن نشین ہو جائیں۔

والدین سے وہ سلوک کریں جو خدا پسند کرتا ہے۔

تو

سیارہ ڈائجسٹ کی شاندار روایات

کے پیش منظر میں پیش کیا جانے والا

پیشکش اور زریر



اخلاق رسول صبر

مطالعہ کیجئے

احادیث رسول کی روشنی میں

دلوں پر تو ایک جیسے ہیں یہ چاہتی کیا کہہ رہی ہے؟ جب میں نے چاہتی سے کہا۔

”نہ نہ چاہتی! میرا ہر تو ٹھیک ٹھاک ہے۔ بھاری کوئی نہیں ہے۔ تو اس نے مجھے بڑے پیار سے گلے لگالیا۔“

”جا کھینڈ جا کر... کچھ نہیں ہوا۔“ اس نے مجھے پیار کیا اور بے بے اور چاہتی دونوں زور زور سے ہنسنے لگ گئیں۔

پھر جی! میری استانی جی نے بھی مجھے کہہ دیا کہ تو سکول نہ آیا کر تیری طبیعت خراب رہتی ہے۔ جب ٹوٹھیک ہو جائے گی تو میں تجھے بنا لوں گی۔“

میڈم جی! میں تو بس روتی رہتی تھی۔ پھر پھو بھی آئی اور اس نے مجھے بہت پیار کیا۔ ”تی فروزاں تو تو میرے پوتے کی ماں بننے والی ہے۔“ میں بے وقوف جی، کئی ساری عمر میں بس ایک ہی سوچ لئے بیٹھی تھی کہ میں نے دسویں ضرور کرنی ہے۔ کسی کی کوئی بات میرے بے نہیں پڑ رہی تھی۔ بس ہر ایک سے لڑتی جھگڑاتی رہتی تھی۔

پھر ایک روز میری بے نے مجھے پاس بٹھا کے آرام سے سمجھایا کہ کیا ہونے والا ہے میں چڑ گئی۔ تو اس نے پیار سے کہا تو مجھے کتنی پیاری ہے

فروزاں میں تیری بے بے ہوں نا۔ ”میں نے ہاں میں سر ہلا دیا۔“ اور تو بھی تو مجھے بہت پیار کرتی ہے نا..... ”میں نے پھر ہاں میں سر ہلا دیا۔“ ”تو پھر اگر اللہ تجھے وہی پتر دے دے اور تو بے بے بن جائے تو تو اپنے بچے کو پیار کرے گی نا.....“

بات کچھ کچھ میری سمجھ میں آ گئی اور میں گھر میں رہ کر اپنی دسویں کی کتابیں پڑھتی رہتی تھی۔ پھر میرا بیٹا پیدا ہوا۔ ان دنوں پھٹی نہیں مں رہی تھی پھر کسی جنگ کا رولا پڑا ہوا تھا۔ پر میرا گھر والا ایک دن کے لئے پھٹی پر کا کے کو دیکھنے آیا۔ اس نے

دیا کرو۔

”اور فروزاں تمہارے ابا جی کہاں تھے۔“ میں نے صرف بے بے کے ذکر پر اس کے ہاں کے متعلق پوچھنا مناسب سمجھا۔

وہ تو جی وڈی لام میں ہی فوت ہو گیا تھا اور میرا پروادا ہے نہ جی..... یہ بھی تو لام میں گیا تھا۔

ٹانگ میں کوئی لگی تھی اسی واسطے لنگڑا ہو کے چلتا ہے اور جی ہمارے پنڈ کے بہت لوگ وڈی لام سے واپس نہیں آئے تھے۔ اور جی میں تو اس وقت پتہ نہیں چھوٹی سی تھی۔ بس اپنے لبا کی بڑی سی تصویر میں نے دیکھی ہے میڈم جی! واہ واہ سوہتا گھبرو جوان تھا میرا ابا..... یہ بڑی سن شملے والی پگہ۔ پاندھے فوتی وروی پہنے بہت ہی سوہتا لگتا ہے جی.....“

اس نے پھر دوپٹے کے پلو سے اپنی ٹانگ صاف کی آنسو پونجے اور میں سوچتی رہ گئی کہ یہ جنگ عظیم دوم ہمارے ملک کے خاندانوں کے خاندان کھا گئیں۔ کچھ بچے اپنے باپوں کی موت کے بعد پیدا ہوئے اور جو فروزاں جیسے پہلے پیدا ہو چکے تھے وہ تیشی کی زندگی گزارنے پر مجبور کر دیئے گئے۔ ان گنت بچے ایسے تھے جن کے آنسو پونجھنے والا بھی کوئی نہیں تھا۔ مذہب سے دوری اور علم سے بے بہرہ ہم لوگ دوسروں کی لگائی آگ میں جلتے رہے۔ بھسم ہوتے رہے۔ اسی گاؤں کے بے شمار بچے یتیم تھے۔ فروزاں تو پھر بھی اچھی رہی کہ اس کا دادا زندہ واپس آ گیا اور اسے ہاں کی محبتوں کا رنگ دیا رہا۔

”پھر میڈم جی! میں سکول تو جانے لگ گئی۔ پر میں تو بیمار بھی رہنے لگی..... چاہتی نذیراں نے ایک دن بے بے سے کہا۔

”لگتا ہے فروزاں کا ہر بھاری ہے۔“ تو میں

دیا کرو۔

”اور فروزاں تمہارے ابا جی کہاں تھے۔“ میں نے صرف بے بے کے ذکر پر اس کے ہاں کے متعلق پوچھنا مناسب سمجھا۔

وہ تو جی وڈی لام میں ہی فوت ہو گیا تھا اور میرا پروادا ہے نہ جی..... یہ بھی تو لام میں گیا تھا۔

ٹانگ میں کوئی لگی تھی اسی واسطے لنگڑا ہو کے چلتا ہے اور جی ہمارے پنڈ کے بہت لوگ وڈی لام سے واپس نہیں آئے تھے۔ اور جی میں تو اس وقت پتہ نہیں چھوٹی سی تھی۔ بس اپنے لبا کی بڑی سی تصویر میں نے دیکھی ہے میڈم جی! واہ واہ سوہتا گھبرو جوان تھا میرا ابا..... یہ بڑی سن شملے والی پگہ۔ پاندھے فوتی وروی پہنے بہت ہی سوہتا لگتا ہے جی.....“

اس نے پھر دوپٹے کے پلو سے اپنی ٹانگ صاف کی آنسو پونجے اور میں سوچتی رہ گئی کہ یہ جنگ عظیم دوم ہمارے ملک کے خاندانوں کے خاندان کھا گئیں۔ کچھ بچے اپنے باپوں کی موت کے بعد پیدا ہوئے اور جو فروزاں جیسے پہلے پیدا ہو چکے تھے وہ تیشی کی زندگی گزارنے پر مجبور کر دیئے گئے۔ ان گنت بچے ایسے تھے جن کے آنسو پونجھنے والا بھی کوئی نہیں تھا۔ مذہب سے دوری اور علم سے بے بہرہ ہم لوگ دوسروں کی لگائی آگ میں جلتے رہے۔ بھسم ہوتے رہے۔ اسی گاؤں کے بے شمار بچے یتیم تھے۔ فروزاں تو پھر بھی اچھی رہی کہ اس کا دادا زندہ واپس آ گیا اور اسے ہاں کی محبتوں کا رنگ دیا رہا۔

”پھر میڈم جی! میں سکول تو جانے لگ گئی۔ پر میں تو بیمار بھی رہنے لگی..... چاہتی نذیراں نے ایک دن بے بے سے کہا۔

”لگتا ہے فروزاں کا ہر بھاری ہے۔“ تو میں

جی میرا دادا کہہ رہا تھا نہ بھلک فرزاد میڈم جی تو کسی بڑے گھر کی ہیں نا..... اور ہم ٹھہرے گی کمین تو کہاں استانی بن سکتی ہے۔" وہ تقریباً رو دی۔ "اور جی دادا کہہ رہا تھا کئے چودھری جی کہہ رہے تھے فرزاد سے کہو حویلی آجایا کرے۔ چوہدرائیں کی مدد بھی کیا کرے اور بچوں کو پڑھا بھی دیا کرے۔ تو میڈم جی! میں۔ میں کیا کروں۔" یہ کہہ کہہ وہ پھر رو پڑی۔ میں نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا وہ اور میں عمر میں تقریباً برابر تھیں لیکن اس وقت وہ ایسا مصوم بچہ لگ رہی تھی جس کی ماں بھرے میلے میں اس سے ٹھنڈا جائے۔ ڈری ہوئی تھی ہوئی قاضی کی مانند۔

"کتنی فیس داخلہ ہے فرزاد! مجھے تو نہیں پتہ۔" سب کچھ جانتے ہوئے بھی میں انجان بن گئی۔

"وہ جی لڑکوں والے سکول کے ماسٹر نے دادا کو بتایا ہے کہ جی پنتیس روپے فیس ہوگی اور وہی لینے دادا لگے چوہدری کے پاس گیا تھا۔"

"دادا چوہدری کے پاس کیوں گیا فرزاد؟" وہ بے لوک دوسروں کو کئی کمین ہی رہنے دینا چاہتے ہیں پڑھانا نہیں چاہتے اور دادا نے اس چوہدری کو جا جا کے تمہارے استانی جی بننے کی خوشخبری سنا دی۔ میں بھی تم جیسی ہی ہوں فرزاد کسی بہت وڈے گھر کی وہی نہیں ہوں ورنہ میں تمہاری مدد کیوں کرتی؟"

"جی میڈم جی!" اس کی آنکھوں میں ستارے سے جھلکانے لگے۔ میرا شہید گھر والا کہتا تھا مایوس نہ ہوا کہ فرزاد رب بڑا سب بتانے والا ہے۔ میں جا رہی ہوں میڈم جی! دادا کو بتا دوں نا" اور وہ اٹھ کر بھاگ گئی۔

خوش قسمتی سے ورنیکلر سکول کی پرنسپل میری نکاس قیلو بھی تھی۔ سارے معاملات طے کر کے

کا کے کو بہت پیار کیا اور ہم نے اس کا نام عالم دین رکھ دیا۔ اچھا نام ہے نا میڈم جی! پر لوگ اس کو علمو کہتے ہیں مجھے اچھا نہیں لگتا اور میرے عالم دین کا نیا پھر ایسا گیا کے اس کی شہادت کی خبر ہی نہیں ملی۔ 1965ء کی جنگ میں میرا عالم دین بھی جیم ہو گیا لیکن دادا خوش تھا کہ میرا پتر شہید ہو گیا ہے۔

پھر جی میں نے عالم دین کو بے بے کی گورنمنٹ میں ڈالا اور خود دسویں کے امتحان میں جا بیٹھی کے یہ میرے گھر والے شہید کی خواہش بھی تھی اور میڈم جی میں نے دسویں جماعت سیکنڈ ڈویژن میں پاس کرنی۔"

ایک احساس قاضی تھا جو اس کی نس نس سے پھوٹ رہا تھا۔ اس کا انگ انگ بول رہا تھا۔ "دیکھا میں نے وہ کر لیا جو میری خواہش تھی۔" "عالم دین اب سکول جاتا ہے جی! میں اس کو بہت پڑھاؤں گی بہت بڑا فسر بہتے گا میرا بیٹا۔ بس آپ مجھے اور پڑھاویں نا میڈم جی! مجھے اپنے سکول میں استانی لگا لیں۔"

اس سے میں نے ٹل اور میٹرک کے شوٹکیٹ لانے کا کہا اور وہ خوشی خوشی چلی گئی۔ لیکن میرے ارد گرد سوچوں کا ایک جال سا بن گئی۔ کیونکہ جس معاشرے اور جن حالات میں وہ رہ رہی تھی وہ کچھ ایسے سازگار بھی نہیں تھے کسی لڑکی کا میٹرک کر لینا بھی ایک معجزے سے کم نہیں تھا اور وہ بھی ایسے پسماندہ علاقے میں پتہ نہیں کیوں مگر میری چھٹی حس پکار پکار کر کہہ رہی تھی کہ کوئی بہت بڑا طوفان آنے والا ہے۔

دونوں بعد وہ اپنے شوٹکیٹ لے کر آ گئی۔ خوشی اور پاس دونوں کا ملا جلا تاثر لئے اور کرسی پر بیٹھنے کے بجائے وہ میرے قریب زمین پر جیسے گری گئی۔

"میڈم جی! وہ جی داخلہ بہت زیادہ ہے اور

زر بڑھتا ہی رہتا ہے۔

میں۔ نہ ہر ممکن ہے، اسان بخان رہے۔ جب وہ بول رہا تھا تو میں تعویذ پڑھ رہی تھی اور جب میں بولی تو اپنے رب کی عظمت بیان کرتے شروعات کی۔

”بیٹھ جائیں چوہدری بی انار علم حاصل کرنا ہے راہ روی کا راستہ ہوتا تو تھی یہ ”الفرما باسم ربک الذی خلق“ کی آیت نہ اترتی۔ حضرت آدم کا سید علم و ادب کا گھر نہ بنایا جاتا۔ آپ بھی خالص ان پڑھ ہوتے قانون دان نہ ہوتے۔ اگر آپ خود ان بچیوں کی لغات تہذیب نہیں انیس ویں صدیوں میں تو آپ کے لاکھوں میں سے چند روپے خرچ ہوں گے لیکن آپ نے لاکھوں کو آپ زرم زرم بنا جائیں گے۔ اور جائے ہو جس کہ اپنے والد کی طرح شرف انسانیت کا شہدہ پر سجاتا ہے۔ یا فرعون کی طرح فخر حضرت میں گرتا ہے۔“

جائے تھکے ہوئے کی قوت نیسے عود رانی تھی۔ شاید سٹور اور کارٹیج کے مہاشوں میں حصہ بننے کا آنا تھا اس لئے لیکن میں اس وقت نہ تھی گویا گویا

ہاتھ ہے اللہ کا ہمد مومن کا ہاتھ غالب و کار آفرین کا کار کشا کار ساز میں شعور نے مصداق گوی کہ حق تعالیٰ نے مجھے حق سے لے کر ہونے کا حصد عطا فرمایا تھا۔ اور یہ بات ان بچیوں کا شکر تھا جن کے ہونے میں ان کا شکر تھا۔ لہذا لے لئے ہاتھ لگایا۔ یہ ہے ان کے خیر فرعونیت کی یہ تھی کہ ان کے ہونے سے ہمد ہے جسے جو ہمد ہے ان کے ہونے سے ان کے ہونے کے لئے ان کے اور

میں نے کاغذات اور فیس بھجوا دی۔ ساڑھے تین سو روپے میرے لئے تو ایک بہت بڑی رقم تھی۔ اماں نے کہا تھا۔ تیری تنخواہ تیری ہی ہے۔ بس فضول خرچی نہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو بھی اور بخیل لوگوں کو بھی پسند نہیں کرتا۔ فضول خرچی کے تو وہ زمانے ہی نہیں تھے۔ سفید لٹھے کی شلوار پر عین چار قمیصیں سفید دوپٹے کالی یا براؤن جوتی اور بس اللہ اللہ خیر صلا۔ اور بخیل ہونا تو مجھے سخت برا لگتا تھا۔ میرا ہاتھ تو ہمیشہ سے کھلا تھا۔ اور رب العزت کا بے حد شکر ہے کہ اس نے اپنے بھرے خزانوں سے مجھے ہمیشہ نوازا۔

یہ سارا کچھ کر کے بھی میں بے سکون تھی۔ یہ کسی ایک فروزاں کی بات نہیں تھی وہاں تو رشیم ڈا ہنی بخش رسول حدیجہ الکبریٰ صغیرا بی اور نہ سب زہرا بھی تھیں جب انہیں فروزاں کے داخلے کی خبر ملی تو سب میرے آفس میں سوالیہ نشان بنی کھڑی تھیں ”سرف فروزاں کیوں؟ ہم بھی کیوں نہیں؟“

اور سبکیا وہ خوفان تھا جس نے عینی فی دیوانوں کو ملا دیا۔ نئے چوہدری کا طعنه پڑتی تھی۔ سب وہ فہم الرجال بنات سے کف اڑاتا فرعونی طعنه تھاتا میرے دفتر میں دیکھا ۲۰۰۲ء میں ۲۰۰۲ء ”کھو میڈیم“ اور اطلاق ہے اور ۲۰۰۲ء میں نہا ہونے سے اس نے ایک ایک چیز ”خبر کہاں“ سے خدائی ایجاد کر لی اور وہی ”خبر کہاں“ سے وہ خبریں جاری ہوئی تھیں۔

Scanned By Amir

والا۔ کئی بار اس کی عزت نفس کو مجروح کرنے کی ناپاک کوشش کی۔ کئی بار اس کے سر سے تقدس کی چادر نوجنا چاہی لیکن رب عظیم نے ہمیشہ اس شہید کی ہمدردی کی حفاظت کی۔ وہی فروزاں ایس وی کے بعد تعلیمی مراحل طے کرتے کرتے بی ایڈ اور پھر ایم ایڈ کر گئی۔ اس کی وہ معصوم سی خواہش ”پھر کبھی میں بھی میڈم جی بن جاؤں گی“ رب العزت کو بے حد پسند آئی اور وہ ایک بہترین میڈم جی کے روپ میں تسلیم کی دنیا میں ابھری۔ اس کا وہ معصوم شہزادہ اس کے خوابوں کی صحیح تصویر بنا اور سی ایس ایس کا امتحان شاندار نمبروں میں پاس کر کے اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوتا رہا۔

پھر میں اس وقت قرآن کی سورۃ اطلاق کی آیات پڑھتے ہوئے سوچ کے سمندر میں غوطہ زن ہوں کہ یہ آیات تو بوجہل کی خود سری کے لئے اُتاری گئی تھیں۔ ترجمہ: ”ہرگز نہیں اگر وہ شخص باز نہیں آئے گا تو ہم پیشانی کے بال نکال کر جو کہ وردغ اور خطا میں آلودہ پیشانی ہے کھینچیں گے۔“

کاش ہم قرآن کی تعلیمات کو سمجھنے اور ان پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کریں۔ میری نگاہوں میں کئے چوہدری کی چمک کا کلف لگا شملہ اور اونچی نیچی پگڈنڈیوں پر گھوڑے کی رکاب میں بچنے ایک بیٹوں کی وجہ سے کھینچا جانا گھوم رہا ہے۔ یہ پیشانی ہمیں گندی اور گند آلود ہے اور کئی فروزاں جیسی ہستی کی وہ پیشانی ہے جو سدا اپنے رب کے حضور جہدے میں گری رہی۔ فروزاں ایک ایسا پتھر جس کے متعلق مشہور ہے کہ جسے راس آ جائے شہنشاہ بنا دے، واصل کسی قوت کسی طاقت کا مالک نہیں ہاں البتہ فیروزہ سے فروزاں بن جانے والی ہستی کی چمک دمک میں ابھرنے والا وہ احساس ضرور ہے کہ اصل طاقت تو میں، رب ہی ہے جسے کئے

کے لئے اور پھر قرآن میں رب عظیم فرماتا ہے ”ہم تجھے عبرت کا نشان بنا دیں گے۔“ وہ بھی عبرت کا نشان بنا مگر کسی نے درس عبرت حاصل نہ کیا اور آج میری ان گنہگار آنکھوں کے سامنے وہ تھا۔ اونچے شملے والا نکا چوہدری اونچی نیچی پگڈنڈیوں پر جس کا شملہ تار تار ہو چکا تھا۔ حویلی کا سب سے اونچا کس زمین پوس ہو رہا تھا اور سب دیکھنے والے گویا پتھر کے مجسمے بن گئے تھے۔ کوئی ایک قدم بھی آگے نہ اٹھایا۔

”کو کوئی اس کو بھی دیکھے جا کے!“ فور سے کسی کی آواز نے گویا صور پھونک دیا۔ مجسوموں میں جان پڑ گئی اور کچھ لوگوں نے آگے بڑھ کر گھوڑا قابو کیا۔

ڈنڈا ڈولی کر کے چوہدری کو ہسپتال پہنچایا گیا اس کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ چکی تھی اس کا ٹھنڈا دھڑ بے جان ہو چکا تھا اور اصل بات جس کی سمجھ سب کو دیر سے آئی یہ تھی کہ فروزاں نے بے بسی کے اس عالم میں اس عالم کے بازو میں اپنے وائٹ گاڑھ دیئے تھے۔ جس کی وجہ سے چوہدری کے چنگل سے وہ خود بھی آزاد ہو گئی اور اللہ نے چوہدری کے لئے تباہی کا پروانہ بھی لکھ دیا۔ بہر حال جھوٹی نے ہاتھی کو مار گرایا۔ اور گرانے والا کون ہے؟ یہی وہ اصل ہے جس کو انسان بہت دیر سے سمجھتا ہے۔

پھر پھر ان چھ لڑکیوں نے لیس دی کر لیا۔ کس نے کس کی گفتگو کی یہ کرینے کی ضرورت نہیں کیونکہ ”تقریباً“ پر یقین رکھنے والے جانتے ہیں کہ بہترین سبب لاسہب اللہ تعالیٰ کی ذلت عالی مقامات ہے۔

فروزاں وہ ہستی جس کے گرد یہ ساری روداد گھومتی ہے کئی بار گرداب بلا میں پھنسی۔ کئے چوہدری سے وہ ایسے خوفزدہ رہتی تھی جیسے کیو تریلی سے۔ اس فرعون نے کئی بار اس کی عزت پر ہاتھ

ذحانپ لیا۔ اس نے مجھے عبیدالرحمان جیسا شوہر عطا کیا۔ تین اور بیٹے چاہوں گے رس سے بھرے میری گود میں ڈال دیئے۔ ایس وی کی فیس کی بھیک مانگنے والی کو اتنی اونچی کرتی پر لا بھایا دولت دی عزت دی اوناروی کیا نہیں دیا اس نے مجھے کیا میں اس کا شکر ادا کر سکی۔ اس کی عنائوں کے بدلے میں جی بھر کر نظر ادا کر سکی۔ بس مزے ہی لوتی رہی اس کی نعمتوں کے۔ میڈم جی آج اگر اس نے مجھ سے یوسف کی جدائی مانگی ہے جو بہت مشکل امر ہے تو کیا میں اس کی حکم عدوی کر دوں؟ اس سے کٹے ٹکڑے کرنے بیٹھ جاؤں؟ نہیں میڈم جی! میں خوش ہوں مالک حقیقی کی ہزاروں نعمتوں سے بھولیاں بھر بھر کے مٹانے والی فروزاں اپنے رب سے راضی ہے۔ مجھے اس سے کوئی شکوہ نہیں کوئی شکایت نہیں۔“

وہ مسکرا بھی رہی تھی اور رو بھی رہی تھی اور میں اس عزم و اہمیت کی تصویر نو دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی ہم میں سے کتنے بندے ہیں جو فروزاں جیسے احساسات سے محروم ہیں۔ اس کی حالت تو اس مومنہ جیسی تھی جس کے روبرو آیت پڑھی جا رہی ہو۔

زجرہ۔ بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے پس تم کو نہ بہکاوے دنیا کی زندگی۔

اور فروزاں

اے سلطان ہر گھڑی پیش نظر آئے کہ تخلص لے لیا۔
کی مکمل تفسیر میں میرے سامنے بیٹھی خاموشیوں کی زبان سے پکار پکار کر کہہ رہی تھی
جو ہر ذوق یقین پیدا لوگٹ جاتی ہیں زنجیریں۔

.....

چوہدری جیسے خود مر یہ کہہ کر ارنکاب کفر کرتے ہیں کے ”نکالے اپنے رب کو آج کوئی بھی تیری مدد کو نہیں آئے گا۔“

کیا کبھی رب نے اپنے بندوں کو تھا چھوڑا ہے۔ ہاں البتہ آزمائشوں کی بھیٹی میں ضرور ڈالتا ہے کہ دیکھے کون اس کی ذات سے وابستہ رہ کر بہترین انجام کی طرف بڑھتا ہے اور کون شر اور فتنہ میں فرعون سے بھی آگے بڑھ جاتا ہے اور پھر وقت ہی دور اس کے ہاتھ سے چھین کر کہیں بدر کے میدان میں۔ سو ابھی اور ذلت دی جاتی ہے اور کہیں بحر قلزم میں ڈبو کر دنیا کے لئے سامانِ عبرت بنا دیا جاتا ہے۔ ہاں اگر کوئی عبرت حاصل کرنا چاہے تو؟

اور وہ لوازنے والا اس کو بہت لوازا ہے جو اس کے ساتھ اپنے رشتے جوڑے رکھتا ہے۔ اسی ایس وی ٹیچر کے ساتھ فروزاں کی شادی ہوئی جس نے اسے فیس کے پینتیس روپے بتائے تھے۔ پھر رب نے اسے تین بیٹوں سے لوازا۔ بڑا تو تھا ہی شہید کا بیٹا اور پھر کارگل کی بلند چوٹیوں پر اس کا یوسف بھی شہید ہو گیا اور تب میری اس سے ملاقات ہوئی تو اس کی آنکھیں گلاب کی چٹا پر چمکنے والی شبنم کے نظارے دے رہی تھیں۔

”تمہیں دکھ تو بہت ہوگا فروزاں یوسف کی شہادت کا۔ میں نے جب اظہارِ ہمدردی کیا تو وہ مسکرائی۔“

”میڈم جی! میں کیا تھی۔ گم گشتہ راہ۔ پینتیس روپے فیس کی ادائیگی کے لئے گئے چوہدری جیسے فرعون کے سامنے ہاتھ پھیلائے والی قدم قدم پر اپنی عزت نفس کو بچانے کے لئے رو دینے والی۔ پھر میرے رب نے مجھے اپنی محبتوں رحمتوں اور شفقتوں کی بڑی سی چادر میں



مراقبہ اور اسکی اہمیت و افادیت

چاشبہ لوکا کی اہمیت و افادیت ہی اللہ تعالیٰ پر مشورہ سے ہمیشہ افزا اور یہ عقیدت کوئی مشکل معنی ہے اسکی سبب وہ ہے کہ باوجود بھی اسے نہیں کر سکتے۔ لیکن مراقبہ ایک ایسی تہذیب ہے جو نہ صرف آسمان ہے بلکہ اگلے فواید بھی لوکا جیسے چیزوں اور اس میں اسکی فہم کی اہمیت و افادیت کی بھی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔

ایکا دن ہر مشورہ سوچوں سے آزاد ہوتا ہے۔ مراقبہ ایک سادہ اور آسان طریقہ ہے اسے ذہنی تنظیم کا نام بھی دیا جاسکتا ہے۔ اس میں آپ نے اپنی تمام قوت اپنے ذہن پر مرکوز رکھنی ہوتی ہے تاکہ آپکا ذہن اپنے مقصد سے اوجھڑا نہ ہو سکے۔ مراقبہ نے مشہور و معروف ہونے کے باوجود بہت کم لوگ اس

مراقبہ کیا ہے؟

پیدا عام انسان مراقبہ کو عبادت کی طرح سمجھتا ہے۔ اسکی ایسا نہیں ہے۔ آپ اپنی سوچوں کے تسلسلہ اس سمت میں لے کر پھرتے ہیں یہ مراقبہ ہے۔ مراقبہ کا مطلب آپ کے سوچنے کے عمل پر آپ کی رہنمائی ہے۔ یہ شعور کی ایک ایسی حالت ہوتی ہے جس میں

Scanned By Amir

ہوتا ہے۔

☆ قوت مدافعت بڑھاتا اور بیماریوں کے خلاف لڑنے میں مدد کرتا ہے۔

☆ جیٹا بولزم کو بہتر بناتا اور وزن گھٹانے میں مدد کرتا ہے۔

☆ آپ کو منظم و منتظم بناتا اور اچھی اور خوشگوار نیند لاتا ہے۔

☆ آپ کی ذہانت بڑھاتا اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت میں اضافہ کرتا ہے۔

☆ بلند فشار خون، درد اور تھائی کے احساس کو کم کرتا ہے۔

☆ جلد کو صاف کرتا اور سنسنے اور دیکھنے کی صلاحیت کو بہتر بناتا ہے۔

وقت اور جگہ کا تعین ضروری نہیں

مراٹے کی ایک اور اچھی بات یہ ہے کہ اسے آپ بھی بھی کسی بھی جگہ اور جب چاہیں کر سکتے ہیں۔ اس کے لیے آپ کو دن میں کسی بھی

وقت 15 سے 20 منٹ درکار ہونگے۔ آپ اسے گھر پر، دفتر میں یہاں تک کہ آپ ٹرین

میں ہی کیوں نہ بیٹھے ہوں آرام سے کر سکتے ہیں لیکن ضروری بات یہ ہے کہ اسے روزانہ کی

بنیاد پر کیا جانا چاہیے ورنہ اسکے بھرپور نتائج نہیں مل سکیں گے۔

ماہرین نے اگرچہ وقت اور جگہ کا تعین نہیں کیا لیکن

غیر بھی اسکے خیالی میں مراٹے کا بہترین وقت صبح کا ہے خاص طور پر جب آپ سو کر اٹھتے ہیں کیونکہ اس

وقت آپ کا ذہن ہلکا پھلکا اور ہر قسم کے دباؤ سے آزاد ہوتا ہے۔ لیکن اگر آپ شام کو آسانی محسوس

کرتے ہیں تو یہ بات یاد رکھیں کہ مراٹے کرنے سے کم از کم 10 منٹ پہلے اپنے ذہن کو مکمل طور پر دن سے

ہونے والی سرگرمیوں سے آزاد کر لیں۔ خاص طور پر

کے بارے میں جانتے ہیں۔ مراٹے میں کسی ایسی چیز کو تصور میں لایا جاتا ہے جو ہمیں مطمئن کرلی اور سکون دیتی ہے۔ ایک شخص روزمرہ زندگی کے کام کرتے ہوئے بھی مراٹے میں ہو سکتا ہے جبکہ پہاڑ کی چوٹی پر مخصوص انداز میں بیٹھا شخص مراٹے سے نوسوں دُور بھی ہو سکتا ہے۔ اگر مراٹے کے دوران ذہن دُکھ سکون اور خاموش ہو تو گہرا سکون حاصل کیا جاسکتا ہے۔ بہت سالوں پہلے مراٹے کو ایک خاص طبقے کے لوگوں کا شیوہ سمجھا جاتا تھا لیکن آجکل یہ قدیم و جدید ہر طرح کے لوگوں میں یکساں شہرت رکھتا ہے۔ سائنس و طب کی شہادتوں سے اسکے بے شمار فوائد سامنے آچکے ہیں لیکن حیرت انگیز فوائد پر ابھی بھی تلاش جاری ہے۔

مراٹے کے فوائد

مراٹے ہمارے جسم اور ذہن کے لیے ایک طاقتور ہتھیار ہے۔ مطالعہ سے یہ بات ثابت شدہ ہے کہ

مراٹے کا سب سے اہم کام ہمارے ذہن کو متوازن رکھنا ہوتا ہے۔ یہ صرف ہمارے دباؤ کو کم ہی نہیں

کرتا بلکہ ہمارے جسم کو دیگر بیماریوں کے خلاف موثر مقابلہ کرنے کے لیے بھی تیار کرتا ہے۔ جاپان

میں فستری آف لیر کمیشن نے مراٹے کے فوائد کا جائزہ لینے کے لیے 447 ملازمین کو اسکی تربیت دینی

مطالعہ سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ ان ملازمین کی نہ صرف کارکردگی بہتر ہوئی بلکہ وہ دیگر ملازمین کے

مقابلے میں کم بیمار رہے۔ ذہنی دباؤ اور مختلف امراض کی شکایت بھی عام ملازمین کی نسبت ان

میں بہت کم رہی۔ جلاتا مراٹے کرنے کے فوائد درج ذیل ہیں:

☆ مراٹے ذہنی دباؤ اور پریشانی سے نجات دلاتا ہے۔

☆ عمر کے اثرات کو زائل کرتا ہے۔

☆ خوش و خرم زندگی گزارنے میں معاون ثابت

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ

(اور ہم نے آپ کا ذکر (سب پر) بلند کر دیا۔ القرآن)

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا، لوح و قلم تیرے ہیں

پیغمبرِ آخر الزماں کی سیرتِ پاکت **سیارہ ڈائجسٹ** کی طرف ایک لاثانی پیشکش

قیمت: 275 روپے
قیمت: 450 روپے

سیرت

”میں نے جب یہ کتاب ختم کی تو اونچی آواز میں جسے میں بھی صاف
سن سکوں، ایک بار پھر کلمہ پڑھا۔ گویا اپنے آپ سے اپنے مسلمان
ہونے کا اعذان لیا۔“ (عبدالقادر حسن، مشہور صحافی)

یہ ایمان افرہ، کتاب خود بھی پڑھتے اور اپنے دوستوں کو بھی پڑھائیے

سیارہ ڈائجسٹ - 240 مین مارکیٹ، ریواڑ گارڈن لاہور

فون: 042-37245412

Scanned By Amir

سے آزاد ہو رہے ہیں (پہ سوچ کر اسے بخوبی محسوس
 تھک سہجائی) پھر اپنی باتوں کو انھیں کرنے والی
 باتی بنا کر انداز میں سمجھ جائیں۔ اب اگر آپ کسی
 غیر جسم کے غائب ہونے کا شکا ہیں تو تصور کریں کہ
 اس میں کسے غائب ہونے سے مراد ہے۔ آہستہ آہستہ یہ بات بھی
 سمجھیں اور پھر

۱۔ وہ وقت جس میں آپ غمزدگیوں سے بے خبر ہوتے ہیں
 ان میں سے کسی ایک یا دو یا سب کو یاد رکھیں۔ اسے غمزدگی
 کے لیے سمجھیں۔ یہ وقت اس وقت تک یاد رکھیں کہ وہ وقت
 وہ بھی جانیں کہ وہ وقت کیا ہے۔ ان وقتوں سے جانیں
 یہ وقت کب شروع ہوا اور کب ختم ہوا۔ یہ وقت کب شروع ہوا
 اور کب ختم ہوا۔ ان وقتوں سے جانیں کہ وہ وقت کیا ہے۔
 ان وقتوں سے جانیں کہ وہ وقت کیا ہے۔ ان وقتوں سے جانیں
 کہ وہ وقت کیا ہے۔ ان وقتوں سے جانیں کہ وہ وقت کیا ہے۔

۲۔ اب اپنی سب سے اپنے ہاتھوں کی طرف موزوں
 جو دونوں پر رکھے ہوتے ہیں۔ یہ وقت بھی یاد رکھیں۔ اس
 دوران آپ کے ہاتھوں میں کسی قسم کی حرکت نہیں
 ہونی چاہیے۔ آگے اٹکیاں اور پھینکیں ایک جگہ پر جمیں
 ہونی ہوں۔

۳۔ ہاتھوں کے چند ڈھکوں کی طرف سوچ کر آہستہ آہستہ
 نکل کرنا شروع کریں۔ اس کی طرف ہاتھوں سے
 ہاتھوں پر آگے جائیں پھر بدن اور پھر سر پر توجہ مرکوز
 کریں۔ پھیلائی بناک، گان، ہونٹ، ناک، بھتی پھر
 کے تمام خطوط پر الگ الگ توجہ مرکوز کرتے رہیں۔ سانس
 لینے کا عمل جلدی رکھیں اور تصور کریں کہ توانائی آپ کے
 جسم کے تمام حصوں میں آ رہی ہے۔ بہترین نتائج کے
 لیے یہ عمل تقریباً 15 سے 20 منٹ تک روزانہ ایک
 ہی وقت پر کریں۔ جب مثبت چیز سوجھیں تو سانس
 اندر کی جانب میں اور جب سانس باہر نکالیں تو سانس
 باہر کی جانب میں۔

ایسی باتوں کو ذہن سے نکالیں جو آپ کے لیے دہانہ
 اور پریشانی کا باعث بنتی ہیں۔ اگر آپ تھوڑی دیر
 کے لیے تھوڑی کر لیتے ہیں یہ کوئی بھی ایسی پھوٹی
 سوئی ورزش جس سے آپ کی اعصابی توانائی بحال
 ہو جائے تو مزاجی کے زیادہ بہتر نتائج برآمد
 ہوتے۔

ہو سکتا ہے کہ جب آپ مراقبہ شروع کریں تو اپنے
 ذہن کی اندرونی آواز سے پریشان ہو جائیں۔ لیکن
 غمزدگی کوئی بات نہیں! لپکا ذہن آہستہ آہستہ جان بوجھ کر
 جائے گا۔ آپ اپنے غمزدگی کو سوچ کر موزوں کر
 دیں اور اگر کبھی چیز سے نجات چاہتے ہیں تو یہ
 الفاظ منہ سے نکالیں جیسے "میں غمزدگی نہیں
 نجات حاصل کروں گا" "میرا غمزدگی تو آواز اتنی
 رکھیں کہ آپ کے کان میں بھی نہیں سکیں لیکن اگر آپ
 اپنی آواز میں دیکھنا چاہتے ہیں تو یہی ہون سکتے ہیں
 دونوں کے نتائج ایک جیسے ہیں اور سب سے
 ضروری چیز یہ ہے کہ آپ کی خصوصی توجہ اپنے
 سانس پر ہونی چاہیے۔

مراقبہ کیسے کیا جائے؟

۱۔ مراقبہ کرنے کے لیے پرسکون اور آرام دہ جگہ کا
 انتخاب کریں جہاں کسی بھی قسم کا شور نہ ہو تاکہ
 آپ کے تصور کا تسلسل ٹوٹنے نہ پائے۔ غیر آرام
 دہ اور چست کپڑے پہننے سے اجتناب
 کریں۔ ڈھینے کپڑے پہنیں لیکن اجوتے اور
 لیں اور کسی آرام دہ جگہ پر ناگیں سیدھی کر کے بیٹھ
 جائیں۔ اپنی آنکھیں بند کریں اور اپنی تمام توجہ
 سانس لینے اور خارج کرنے پر مرکوز کریں۔ جسم کو
 بالکل ڈھیلا چھوڑ دیں۔

۲۔ آہستہ آہستہ اپنے جسم کی طرف توجہ موزوں
 کریں۔ اپنے پاؤں سے اس کا آغاز کریں۔ مراقبہ
 کے دوران یہ سوچیں کہ آپ پاؤں پر کسی قسم کی



ube.info

بازارِ معینہ

قاتل آن لائن

تفہیم کی نگہی و خاویں۔ عتارف اور لیا اور انہوں نے آئینہ کی برکت سے اپنے شوہر کو قاتل بنا دیا۔ وہاں بیاد پر خلق نے رسی تگی کیونکہ انہوں نے اکاؤنٹ سے فوٹو سٹاپ سے تھے ہوائے سہمہ کیخلاف جاتے تھے۔ یا تو ان کو کسی نسل کا مہم کو ان کا لبتا تھا اپنا کام کروانے کے بعد اس کا معلوم ہو گیا ہے ان کا دوبارہ راجہ نہیں ہے

جدید دور کے مجرموں کی کہانی جو کمپیوٹر پر جنگ کرتے ہیں

برسات کی تھیں تھیں پر موسم ان کے وقت میں وہ...
...تے نیچے...
...ہے اور انہوں نے افکار سے اپنی جاری ہوتے
...ہیں۔ انکی انی مندرجہ ذیل اور متعدد واقعات کی "عیاشی"
...بڑے میدان اور ہنس کی کر رہے ہیں۔ بہر حال اخبار
...کے مالک نے ایک روز دفتر تبدیل کرنے کی "خوش
...خبری" سنا دی۔ سوئے بیٹھ کے پان کہیں سے کالی

...ہیں۔ یہاں بظاہر کوئی تعلق نہیں تھا۔ روز
...تھا۔ انہوں نے پچھلے دنوں انہیں
...یہ دور سے۔ سے مختلف تھا۔ وہ انات وینا دیکھنے
...جنگ میں تھامت سے شہر سے منگ تھا۔ ایس تھا
...کا ٹیٹرا ایک دوسرے نے سامنے لے آ رہا تھا۔ ہوا کچھ
...ہیں کہ میں نہیں ایشیا میں ملازم تھا میں نے۔ لک
...نے دفتر تبدیل کر لیا تھا۔ ہم پہلے ایک خستہ حال

Scanned By Amir

دوسرے کے موقف تبدیل کروانے میں ناکام رہے اس کے باوجود ہماری گہری دوستی تھی اور ہم ایک دوسرے کے رازدان بننے چلے گئے۔

ایک روز مجھے ہیکرز پر ایک فخر لکھنا تھا۔ میں نے مجیب سے اس بارے میں معلومات حاصل کرنے کا فیصلہ کیا، میرا خیال تھا کہ سافٹ ویئر انجینئر ہونے کے ناطے اس کی اس موضوع پر گرفت ہوگی اور مجھے اس سے آؤٹ آف ریکارڈ بھی بہت سی معلومات مل سکیں گی۔ جب میں نے مجیب سے اس سلسلے میں بات کی تو اس نے یہ بتا کر مجھے حیران کر دیا کہ وہ خود بھی ہیکر کے طور پر کام کرتا ہے۔ مجھے یہی سے معلوم ہوا کہ پاکستان میں بھی ہیکرز کا ایک وسیع نیٹ ورک موجود ہے۔ یہ مختلف ویب سائٹس، ای میلز اور دیگر ڈیٹا چوری کرتے ہیں اور متعلقہ افراد کو بیچ دیتے ہیں اسی طرح ہیکرز کا منظم گروہ مل کر بھی اہم ویب سائٹس پر حملے کرتا ہے۔ تعلیمی اداروں کے کمپیوٹرز تک رسائی حاصل کی جاتی ہے اور پھر ڈاؤن کر دیئے جاتے ہیں۔ مجیب کے بقول ہیکرز بھی مختلف وجوہوں کے ہیں، کچھ ہیکرز حب الوطنی کے نام پر پاکستان مخالف ممالک کی سرکاری ویب سائٹس پر حملے کرتے ہیں اور وہاں پاکستانی جینڈا گاڑتے ہیں۔ روگل میں ان ممالک کے ہیکرز بھی پاکستانی اداروں کی ویب سائٹس پر قبضہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی طرح کچھ ہیکرز صرف شوق شوق میں اس جانب آتے ہیں ان میں یونیورسٹیوں کے طالب علموں کی تعداد زیادہ ہے یہ اپنے دوستوں کے ای میلز تک رسائی حاصل کرنے میں مگن رہتے ہیں۔ ہیکرز کا سب سے خطرناک گروہ ان پروڈیوسل ہیکرز پر مشتمل ہے جو دولت کمانے کے لئے یہ کام کر رہے ہیں۔ مجیب کا شمار ان لوگوں میں ہوتا تھا وہ خفیہ طور پر لوگوں کو اپنی

بھاری رقم آگئی تھی۔ بظاہر اس نے یہی بتایا تھا کہ اس کا پرائز باؤنڈ نکلا ہے۔ یہ الگ بات تھی کہ سینٹھ نے دفتر تبدیل کرنے میں تو دلچسپی کا اظہار کیا لیکن ہماری دو ماہ کی تنخواہ کی ادائیگی کے حوالے سے اس کے پاس حالیہ نقصانات اور کاروبار میں مندرے کی لمبی چوڑی فہرست موجود تھی۔ وہ ہمیں کچھ اس طرح اپنے نقصانات کا بتانا تھا کہ کبھی کبھی تو ڈر لگنے لگتا کہیں تنخواہ دینے کی بجائے ادھار ہی نہ مانگ لے۔ بہر حال نئی عمارت اور اچھے دفتر میں منتقل ہونے پر بھی ہم کافی خوش تھے۔ یہاں کم از کم ہم اپنے "سورس" اور دوستوں کو بلا تے ہوئے شرمندگی تو محسوس نہ کرتے۔ ہمارا اپنا دفتر ایک نئے تعمیر ہونے والے پلازے کی دوسری منزل پر تھا۔

اخبار کے نئے دفتر کے ساتھ ہی ایک درمیانے درجے کی سافٹ ویئر کمپنی کا دفتر تھا۔ مجیب اس کمپنی میں ملازم تھا۔ اکثر آتے جاتے میرا اس سے سامنا ہوتا تو ہم ایک لمحے کے لئے ایک دوسرے کا حال چال پوچھ لیتے۔ ہمیں سے ہمارے درمیان اجنبیت کے پردے ختم ہوئے اور آہستہ آہستہ دوستی کا رشتہ قائم ہوتا چلا گیا۔ ہم پلازے کے نیچے چائے کی دکان پر اکٹھے ہوئے اور پھر دنیا جہاں کے موضوعات پر گفتگو کرتے۔ وہ صحافت کے شعبہ سے بہت متاثر تھا۔ اس کا خیال تھا کہ صحافیوں کے تعلقات کا دائرہ کار بہت وسیع ہوتا ہے۔ جسے چاہیں ڈرا دھمکا سکتے ہیں اور ان کی ایک فون کال پر بڑے بڑے افسر فوراً کام کر دیتے ہیں۔ مجھے اس سے اختلاف تھا۔ اسی طرح میرا خیال تھا کہ سافٹ ویئر انجینئرز کی زندگی مزے میں ہے۔ ہماری تنخواہیں لیتے ہیں نہ فینڈ ورک کا جھنجھٹ نہ تنخواہ کے مسائل، بس مزے سے دفتر میں بیٹھے کام کرتے رہے اور پھر گاڑی میں بیٹھ کر گھر چلے گئے۔ ہم دونوں ایک

سے تھا۔ ابتدائی معلومات کے مطابق تیس سالہ خاتون ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں اہم عہدے پر فائز تھی اور شہر کے پوش علاقے میں رہتی تھی۔ اس نے مجیب سے اپنے شوہر کے ای میل اکاؤنٹ تک رسائی حاصل کرنے میں مدد مانگی اور اس خدمت کے عوض ایک لاکھ روپے دینے کا وعدہ کیا۔ اس کا شوہر بھی اسی کمپنی میں ایک درمیانے درجے کے عہدے پر فائز تھا۔ خاتون کو اپنے شوہر پر شک تھا کہ وہ دفتر کی ایک لڑکی میں دلچسپی رکھتا ہے اور معاملہ کافی آگے بڑھ چکا ہے۔

مجبیب نے اس خاتون سے ڈیڑھ لاکھ میں معاملہ طے کر لیا۔ خاتون نے روایتی انداز میں کہا کہ اسے اپنے شوہر پر بھروسہ ہے اور وہ محض اپنی تسلی کے لئے اس کا اکاؤنٹ چیک کرنا چاہتی ہے۔ اس نے یہ شرط بھی رکھی کہ مجیب وہ اکاؤنٹ خود نہیں دیکھے گا بلکہ ڈی کوڈ کر کے اس کا پاس ورڈ تبدیل کر دے گا اور تبدیل شدہ پاس ورڈ خاتون کو بتا دے گا۔ یہ محض ظنن نسل تھی، مجیب اسے دھوکہ دے سکتا تھا، اس نے مجیب کو پچاس ہزار روپے ایڈوانس بھی بھیج دیے۔ عموماً ایسا نہیں ہوتا مجیب رقم لے کر قایم ہو سکتا تھا یہ بھی ممکن تھا اس نے خاتون کو فریب دیا ہو لیکن وہ اس پائے کا بہک رہی نہ ہو۔ بہر حال خاتون یا تو انتہائی مالدار تھی یا پھر اس نے اجنبی کو رقم دے کر جو کھیل لیا تھا۔ اس کی خوش قسمتی تھی کہ مجیب اس پایہ کا ہیکر تھا جو اس کا کام کر سکتا تھا۔

مجبیب نے ایک ہفتے میں یہ ”پراجیکٹ“ مکمل کر لیا اور خاتون کو اس کے شوہر کے اکاؤنٹ کی پہلی ای میل بھیج دی۔ یہ اس بات کا ثبوت تھا کہ مجیب اپنے مشن میں کامیاب ہو چکا ہے۔ خاتون نے باقی رقم بھیجی تو مجیب نے اسے نیا پاس ورڈ بتا دیا۔ اس کے ساتھ ہی ان دونوں کا رابطہ ختم ہو گیا۔ مجیب نے ہمیشہ کی طرح پراجیکٹ مکمل ہونے کے بعد وہ ای میل

خدمات فراہم کرتا تھا اور رقم منگوا لیتا۔ اس طریقہ واروات میں نہ وہ اپنے کلائنٹ کو ملتا اور نہ ہی کلائنٹ اسے ملتا تھا۔ یہ سارا نظام انٹرنیٹ کی مدد سے چل رہا تھا۔ مجیب کے گروپ میں بھی دنیا بھر سے ہیکرز شامل تھے۔ یہ لوگ ایک دوسرے کو بھی فرضی ناموں سے ہی جانتے تھے۔ اس کے مطابق ہیکرز کے لئے پاکستان کسی جنت سے کم نہیں کیونکہ دیگر ممالک میں ہیکرز جلد پکڑے جاتے ہیں لیکن پاکستان میں ہیکرز کسی بھی انٹرنیٹ کیفے میں بیٹھ کر اپنا کام کر لیتے ہیں اور ان کی شناخت بھی نہیں رہتی ہے۔ اپنے کلائنٹ سے ”فیس“ منگوانے کا بھی ان کا خاص طریقہ کار تھا جس بارے میں اس نے مجھے کچھ بھی بتانے سے معذرت کر لی البتہ اس نے یہ ”آفر“ ضرور کر دی کہ اگر میں اکاؤنٹ کی معلومات حاصل کرنا چاہوں تو میرے لئے اس کی خدمات مفت ہوں گی۔

میں نے مجیب سے حاصل کی گئی معلومات کی بنیاد پر پتہ کھل کر لیا لیکن اس کا دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ وہ مکمل کر سامنے آ گیا۔ اب وہ مجھ سے اپنے نئے ”پراجیکٹس“ پر گفتگو کرنے لگا۔ بعض اوقات یہ باتیں انتہائی دلچسپی کی حامل ہوتی تھیں۔ ایک دن اس نے بتایا کہ اسے آن لائن ایک ایسی پیش کش ہوئی ہے جس میں خطرہ بھی نہیں ہے معاوضہ بھی زیادہ مل رہا ہے۔ ان دنوں وہ ہیکرز کے ایسے آن لائن گروپ کا حصہ تھا جہاں متعدد ہیکرز فرضی ناموں سے موجود تھے اور لوگ ان سے رابطہ کر کے کمپیوٹرز سافٹ ویئرز کے مسائل کا حل پوچھتے تھے۔ بظاہر اس گروپ کا یہی کام تھا کہ لوگوں کو کمپیوٹرز کے مسائل حل کرنے میں مدد فراہم کی جائے لیکن اندرون خانہ یہ ہیکرز کا ”بگ آفس“ تھا۔ یہی گروپ میں ایک شخص نے مجیب سے رابطہ کیا۔ یہ شخص دراصل ایک خاتون تھی جو فرضی نام سے اس گروپ میں آئی تھی۔ اس کا تعلق اسی شہر

میں کامیابی کے لئے کافی محنت بھی کر رہا تھا۔ اس نے اس ملٹی پبلس کمپنی میں اعلیٰ عہدوں پر فائز ایسی خواتین کا پتہ کروایا جن کے شوہر بھی ایسی کمپنی میں ملازم ہوں۔ یہ انتہائی مختصر سی فہرست تھی۔ اس فہرست میں ایک 40 سالہ ایسی خاتون کا نام بھی شامل تھا جنہوں نے حال ہی میں اپنے شوہر پر خلع کا کیس کیا تھا۔ سب انسپکٹرز نے کڑیاں طائی شروع کر دیں۔ خاتون سے تفتیش کی گئی تو انہوں نے اعتراف کر لیا کہ انہوں نے ایک ہیکر کی عود سے اپنے شوہر کے اکاؤنٹ کو کھنگالا تھا۔ وہ اسی بنیاد پر خلع لے رہی تھی کیونکہ اسی میل اکاؤنٹ سے ایسے ٹھوس شواہد ملے تھے جو ان کے شوہر کے خلاف جاتے تھے۔ خاتون کو کسی قتل کا علم نہیں تھا ان کا کہنا تھا اپنا کام کروانے کے بعد اس نامعلوم ہیکر سے ان کا دوبارہ رابطہ نہیں ہوا۔ میری معلومات بھی یہی تھیں کہ مجیب نے اس خاتون سے دوبارہ رابطہ نہیں کیا تھا۔

سب انسپکٹرز کا کہنا تھا کہ مجیب نے اس خاتون کا کام ضرور کیا ہے لیکن یہ اس کے قتل کا سراغ لگانے میں معاون ثابت نہیں ہوا۔ اسی اندھے قتل کے سلسلے میں ایک روز سب انسپکٹرز اور میرے درمیان گفتگو ہو رہی تھی۔ دوست ہونے کی وجہ سے وہ مجھے صورت حال سے آگاہ رکھتا تھا اور میری بھی خواہش تھی کہ مجیب کے قاتل جلد از جلد پکڑے جائیں۔ اس روز اسی کیس پر گفتگو کرتے کرتے ایک نکتہ نے ہمیں چونکنے پر مجبور کر دیا۔ ریکارڈ کے مطابق خاتون کا شوہر آئی ٹی کے شعبے میں ملازم تھا۔ ایک خیال بجلی کی طرح ذہن میں کوندا۔ میں نے سب انسپکٹرز کی توجہ اس جانب دلائی تو وہ بھی چونک اٹھا۔ اسکے رد میں معلوم ہوا کہ اس نے خاتون کے شوہر کو باقاعدہ اس کیس میں گرفتار کر لیا ہے۔ تفتیش کچھ آگے چلی تو اس شخص سے قتل کا اعتراف ہی نہیں ہوا۔

اکاؤنٹ چھوڑ دیا اور نئے نام سے نیا اکاؤنٹ بنا لیا۔ ایک ہفتے میں ڈیڑھ لاکھ روپے حاصل کر لینے پر وہ بہت زیادہ خوش تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ اگر وہ یہی کام شروع کر دے تو چند ماہ میں کروڑ پتی بن سکتا ہے کیونکہ پاکستان میں ہر دوسری خاتون کو اپنے شوہر پر شک رہتا ہے۔ بہر حال ایک آدھ ہفتے میں یہ واقعہ بھی پہلی کہانیوں کی طرح ماضی کا حصہ بن گیا۔

اس واقعہ کے ایک ماہ بعد ایک روز میں دفتر آیا تو ہمارے پلازے کے باہر پولیس اہلکار کھڑے تھے۔ انہیں سے معلوم ہوا کہ گزشتہ رات کسی نے مجیب کو تشدد کے بعد ہلاک کر دیا تھا۔ مجیب کی لاش اسی کے قلیٹ سے ملی تھی۔ اس کے دروازے کے پاس خون کے وہے نظر آنے پر ہسائے نے پولیس کو فون کیا اور جب پولیس نے دروازہ توڑا تو اندر مجیب کی لاش پڑی تھی۔ پولیس اس کے دفتر اسی قتل کی تفتیش کرنے آئی تھی۔ اس پولیس میم کے ساتھ آنے والا سب انسپکٹرز میرا واقف تھا۔ میں نے اسے ایک طرف بیجا کر بتا دیا کہ مقتول پر ڈیٹیل ہیکر بھی تھا۔ لہذا اس جانب بھی غور کرنا کہ کہیں اس قتل کا تعلق اس کے اس کام سے نہ جڑا ہو۔ سب انسپکٹرز کے دریافت کرنے پر میں نے اسے مجیب کے حالیہ چند ”پرائیکٹس“ سے بھی آگاہ کر دیا۔ مجھے اندازہ تھا کہ میری معلومات نامعلوم ہیں، ہیکنگ کی اس دنیا میں شناخت سے نئے کر رابطے تک بھی کچھ پرووں میں چھپا ہوتا ہے۔ اتفاق سے اس خاتون کی ملٹی پبلس کمپنی کا نام یاد نہ گیا تھا جس نے اپنے شوہر کا اکاؤنٹ ہیک کر دیا تھا۔ یہ شخص ایک اشارہ ہی تھا کیونکہ ممکن تھا اس نے اپنی ہی نام بھی غلط بتایا ہو۔ بہر حال سب انسپکٹرز اعلیٰ تسلیم یافتہ تھا اور اسے بھرتی ہونے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا۔ اس سے اس پر روایتی پولیس کارنگ غالب نہیں آتا تھا۔ وہ اس کیس پر

تھی۔ اس کے اکاؤنٹ میں کہنی میں کیے گئے نمین سے لے کر اس کے معاشقوں تک کی تفصیلات موجود تھیں۔ بیوی اور اس کی دولت کے ساتھ ساتھ اسے نوکری بھی ہاتھ سے جاتی نظر آئی۔ اس صورتحال میں اسے عجیب اپنا سب سے بڑا دشمن لگنے لگا۔ دوسری جانب چونکہ یہ محض میاں بیوی کے اکاؤنٹ کا ”پراجیکٹ“ تھا اس لئے عجیب نے بھی بہت زیادہ احتیاط نہ کی تھی۔

وہ یہ کارروائی اپنے لیپ ٹاپ اور انٹرنیٹ کنکشن کی مدد سے کرتا رہا تھا۔ طرم نے اس کا آئی پی ایڈریس ٹریس کر لیا۔ عجیب نے ای میل اکاؤنٹ تبدیل کر لیا تھا لیکن انٹرنیٹ کنکشن اور فلیٹ کا پتہ وہی تھا۔ طرم نے کہنی کے ایک اور آئی پی ایڈریس دوست کو ساتھ ملایا ہوا تھا وہ دونوں عجیب کے فلیٹ تک پہنچ گئے۔ وہاں اسے قابو کرنے کے بعد انہوں نے اس پر تشدد کیا اور پھر کچن میں پڑی چھری گلے پر بھیر کر اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ طرم نے اپنے بیان میں جس ساتھی کا ذکر کیا اسے بھی پولیس نے گرفتار کر لیا تھا لیکن اس نے اس سارے واقعہ سے علی لاطلی کا اظہار کر دیا۔ اس کا کہنا تھا کہ طرم کسی پرانے جھڑے کی وجہ سے اسے بھی اپنے ساتھ پھنسانے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس کی بد قسمتی تھی کہ عجیب کے دروازے کے پاس خون کے دھبے کے ساتھ ساتھ دروازے پر لگے خون کے نشان سے جو ٹنگر پرنٹ اٹھائے گئے وہ اسی کے ہاتھ کے تھے۔ پولیس نے دونوں ہیکرز کو قتل کے الزام میں گرفتار کر کے چالان عدالت میں بھیج دیا۔ ہیکرز کپیوٹرز کی مدد سے جنگ لڑتے ہیں۔ یہ وائٹ کالر جرم کہلاتا ہے لیکن اس کہانی کے ہیکرز کپیوٹرز سے باہر آ کر دعوے بن گئے تھے۔

بظاہر قتل کا کیس اب حل ہو چکا تھا لیکن میرے ذہن میں کچھ باتیں کلک رہی تھیں۔ میں جنرل میں اس قاتل کا انٹرویو کرنے چلا گیا۔ سب انسپکٹر اس کیس کو حل کرنے کا کریڈٹ مجھے دیتا تھا۔ دوسرا اس کے ساتھ پرانی دوستی بھی تھی لہذا اس نے طرم سے ملاقات کا اہتمام کر دیا۔ میں نے طرم سے سوالات کیے کہ آخر اسے عجیب کا علم کیسے ہوا؟ عجیب انتہائی محتاط ہیکر تھا۔ سب انسپکٹر سے منگلو کے دوران یہی خیال ذہن میں آیا تھا کہ خاتون کا شوہر آئی ٹی ڈیپارٹمنٹ میں کام کرتا ہے۔ اس لئے ممکن ہے اسے علم ہو چکا ہو کہ اس کے اور خاتون کے درمیان جھگڑے کی اصل وجہ کون بنا ہے، یہ محض ایک شک تھا جو بعد میں درست ثابت ہو گیا۔

طرم نے انکشاف کیا کہ وہ خود بھی پروفیشنل ہیکر ہے۔ اس بات کا علم اس کی بیوی کو بھی نہیں تھا۔ وہ خاتون ویسے بھی شوہر سے برتر عہدے پر فائز ہونے اور صاحب ثروت خاندان سے تعلق رکھنے کی وجہ سے اپنے شوہر کو زیادہ اہمیت نہیں دیتی تھی۔ بیوی کے اسی رویے نے اس شخص کو اس سے بے وفائی پر مجبور کیا تھا۔ طرم کے مطابق جب عجیب نے اس کے ای میل اکاؤنٹ میں گزیدہ شروع کی تو اسے فوراً اس کا علم ہو گیا تھا، ہیکر ہونے کی وجہ سے وہ اس حرکت پر اشتعال میں آ گیا اور اس نے بھی جواباً گزیدہ کرنے والے کی تلاش شروع کر دی۔ اسے اپنے اکاؤنٹ پر ناز تھا کہ اس کا پاس ورڈ کوئی نہیں توڑ سکتا۔ اس لئے اس کی تمام تر توجہ گزیدہ کرنے والے کو ڈھونڈنے پر تھی۔ اسی دوران عجیب نے اس کا پاس ورڈ توڑ دیا اور اس کی پیگم کے حوالے کر دیا۔ طرم کو معاملے کی سببیت کا علم تب ہوا جب اسے معلوم ہوا کہ اکاؤنٹ ایک رسائی اس کی پیگم کو دی گئی ہے۔



عزت کار کھوال

نواز خان

Scanned By Amir

عزت کا رکھوالا

ماہنامہ

”اس معاشرے کی پہلی جس میں عورت کو وہ حیثیت نہیں دی باقی، جس کی وہ حق دار ہے۔ نہیں بھی تھی اس خاص معاشرے میں دو ڈب بھی پیدا ہوتے ہیں جن کی نسبت عورت نیسا تھ یہ سونے گوارا نہیں کرتی۔“

ہوری نہیں۔ اندر سے تو اس کا کلیجہ پھٹ گیا ہوگا۔ وہ پر سے وہ برداشت والا آدمی نظر آ رہا تھا۔ جیسا کہ میں نے کہا ہے کہ سو بخش سنگھ انسروں سے یاریاں رکھنے والا آدمی تھا اور اس علاقے میں آنے کے چند دنوں بعد ہی مجھے اس کے شجرے کا پتہ بتا دیا گیا تھا۔ اس میں جاگیرداروں وانی روایتی قسم کی اکڑ نہیں تھی۔ میں موقع واردات پر پہنچا تو اس نے اپنی عورتوں کو وہاں سے ہٹا دیا اور خود زمین پر ہی بیٹھ گیا۔ اس کے ہاتھ ایک لڑکے کی چارپائی کے پیلوں پر رکھے ہوئے تھے اور گردن ایک طرف ڈھکی ہوئی تھی۔ مجھے اس پر بہت ترس آیا۔ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر میں نے اس کے ساتھ اٹھوس کیا وہ دھڑکیں مارنے لگا۔ میں نے اسے بغل میں ہاتھ دے کر اٹھایا اور کچھ فاصلے پر چھٹی ہوئی چارپائی تک لے گیا۔ فوری کام تو لاشوں کا پوسٹ مارٹم کرانا تھا۔ گورنمنٹ سنگھ نے کورا جواب دے دیا ”خان صاحب بنا شک کچھ نہ کرو۔ میں تان مرکب گیا ہوں۔“ وہ اس علاقے کی ٹھیکہ پنڈلی میں کہنے لگا۔ ”آپاں خود دیکھ لوں گے۔“

وارث راضی نہ ہوں تو میں بھی پوسٹ مارٹم پر

1945ء کی بات ہے میرا تھالہ امرتسر سے اناری کے علاقے میں ہوا تھا۔ میرے یہاں قیام کے دوران ایک ایسی واردات ہوئی تھی جو مجھے ابھی تک یاد ہے۔ میرے تھانے کے قریبی گاؤں برج میں شاید سہ پورا نام مجھے بھی یاد آتا ہے لعل کی واردات ہوئی۔ زمیندار گورو بخش سنگھ کی حویلی کی دیوار کے اندر کی طرف اس کے سوتے ہوئے دو بیٹے لعل کر دیئے گئے تھے۔ شجروں سے ان پر حملہ کیا گیا تھا۔ اطلاع ملنے پر میں موقع واردات پر پہنچا تو لاشوں کے سرد گھر والے چھپیں مار رہے تھے۔ لاشوں کے گلے سے لے کر چھاتیوں کے درمیان تک زخم کی گہری لیکر تھی۔ قاتل نے بہت ہی وحشت سے کام لیا تھا۔ گورو بخش سنگھ بڑی پہنچ والا سکھ تھا۔ جیسا کہ دیہاتی علاقوں میں کہا جاتا ہے کہ لڈن آدمی کو تحصیل جانے پر کرسی پیش کی جاتی ہے یعنی انسراں کی قدر کرتے ہیں۔ اسی طرح گورو بخش سنگھ بھی انسروں سے یاریاں رکھنے والا آدمی تھا۔ جس وقت میں لاشوں کا معائنہ کر رہا تھا وہ بڑے حوصلے کے ساتھ اپنی رشتہ دار عورتوں کو سنبھال رہا تھا۔ اس کی پجڑی کھل کر گلے میں پڑی تھی آنکھیں لال سرخ

نوجوان تھا۔ مجھے اس تھانے میں آئے ایک سال ہو چکا تھا اور میں نے ملانے میں کافی جان پہچان حاصل کر لی تھی۔

ہذاں شاہ میرے ساتھ ہی تھا۔ بیوی بچے اس کے امرتسر میں ہی تھے اور وہ ان سے مل کر آ جاتا تھا۔ میں نے اپنے بچہ بلائے اور ان میں سے ایک سے جو دوسروں سے زیادہ ہوشیار دکھائی دیتا تھا گور بخش سنگھ کے گھر سے بارے میں معلوم کیا۔ یہ کیسٹین سنگھ تھا جو گور بخش کی زمینوں پر فصلوں کی کٹائی بھی کرتا تھا اور گھر کے کام کاج کے لئے حویلی بھی جاتا رہتا تھا۔ اس نے بتایا کہ گور بخش سنگھ ہے تو کڑوے مزاج کا ہے اس نے کبھی کسی کے ساتھ جبر زیادتی نہیں کی۔ البتہ اس کا بڑا بیٹا رگھویر سنگھ طبیعت کا سخت اور اُلٹے سیدھے کام بھی کرتا تھا۔ مزاجوں کو بے دریغ مارتا تھا اور اپنے جوان مرد ہونے کا ثبوت بھی دیتا رہتا تھا۔ انہی دنوں گاؤں کی ایک لڑکی بلوند کور کے ساتھ لہے پیرانے کے بعد اسے چھوڑ دیا تھا۔ بلوند کور جب اس کے ہاتھ چڑھی تھی تو دلبر سنگھ ساہوکی منگیتر تھی۔ دلبر سنگھ چار سال ہوئے گھر سے غائب تھا جب بلوند کور اور رگھویر کے تعلقات چھپے نہ رہے تو دلبر سنگھ گھر سے غائب ہو گیا پتہ نہیں اسے منگیتر کے زمیندار کے بیٹے کے ساتھ تعلقات پر ڈکھ ہوا تھا یا وہ برداشت نہ کر سکا کیوں کہ گور بخش سنگھ کے گھرانے سے گھر لینا آسان نہ تھا۔ اس لئے بے عزتی برداشت نہ کرتے ہوئے دلبر علاقہ ہی چھوڑ گیا۔ رگھویر جیسے زمینداروں کے لاکے تو شادیوں کے چکر میں نہیں پڑتے انہیں شادی کے بغیر ہی لڑکیاں مل جاتی ہوں تو وہ بدکاریوں کے عادی ہو جاتے ہیں۔ بلوند اس کے دل سے اتر گئی دلبر کا ماسوں بھی گھرو جوان تھا طبیعت کا اکھڑ اور ہتھ چھٹ تھا۔ اپنے بھانجے کی یہ خواری اور ذلت اس سے برداشت نہ ہوئی۔ اس

زور نہیں دیتا تھا مگر وہ باقی تھا کارروائی ضروری تھی۔ یہ بہت ضروری ہوتا ہے پھر میں نے تو اپنی تفتیش کرنا تھی میں تھوڑی دیر لاشوں کا معائنہ کر کے اور نقشہ بنا کر وہاں سے نکل آیا۔ پاکستان بننے سے پہلے یہاں کے انگریز پولیس افسران اور ڈاکے کی واردات بہت سخت نظر رکھتے تھے۔ آج کل ہر طرح کا سروس جاتا ہے اس زمانے میں ایسا نہیں تھا۔ زیادہ سے زیادہ کار تو کسی رائفلس لوگوں کے پاس ہوتی تھیں۔ چاقو، خنجر، چھری اور ڈانم یہی ہتھیار تھے ڈاکے میں ساتھ ہوتے تھے۔ دیکھی علاقوں میں چوری چکاری پالی کی تقسیم پر لڑائی ہوتی اور لاشیں لگتی تھیں۔ زمینداروں کو کرنے والے سنگھ بھوتے جاتے تو وہ بہت تہرے تھے ہو جاتے۔ میلوں پر شراب پی کر کھین کھول کر ناچتا فرستی اور دنگ فساد ہوتا تھا۔ سنگھ نوجوان لڑکیوں اٹھانے میں سر نہیں چھوڑتے تھے۔ اسے مردانگی اور منڈے کے جوان ہونے کا نشان سمجھا جاتا تھا۔ جس گھر کا نوجوان سنگھ لڑکی نکال لاتا اسے گھر والے عن طعن نہیں کرتے تھے گھرو ہونے پر فخر کرنے لگ جاتے۔ دوسرا گھر بلاش گرانے کی تیاریوں میں لگ جاتا۔ پہنچتی فیصلے وقتی طور پر کام آتے تھے دنوں کی نفرت ہر روز بڑھتی جاتی تھی۔ گور بخش سنگھ کے گھر سے تھانے واپسی پر میں نے بیٹھ کر اطمینان سے سوچنا شروع کر دیا۔ گور بخش سنگھ ایک باوقار سنگھ تھا۔ اچھے گھری والا سر پر سفید پگڑی ہوئی حالانکہ زیادہ تر سنگھ کالی پگڑیاں پاندھتے تھے۔ ان طرح اس کی طبیعت ظاہر ہوئی تھی۔ اس کا کسی سے جھگڑا تھا بھی تو اس کا بڑا چائیس ہوا تھا۔ سفید پگ خوبصورت تھی ہوئی سفید موٹھیں سرخ چہرہ پھر تیرا اور تھوڑا سا بھاری جسم لہبا قد پات دار آواز ایک بازعب آدمی تھا تین لاکے تھے جن میں سے دو تو لگے ہو گئے تھے ایک باقی تھا۔ رگھویر سنگھ وہ بھی قد کاٹھ مردانہ رعب والا باوقار میں پختہ سا

علاقت کی خواہش کی۔ گور بخش نے ایک نوکر کو اشارہ کیا جو تھوڑی دیر بعد رکھویر کو بلا لایا۔ رکھویر نے اندر آ کر مجھے ایک نظر دیکھا اس کی آنکھوں میں میرے لئے کوئی دلچسپی نہیں تھی پر وہ غضب کا ایکٹر تھا۔ ایک دم میری طرف بڑے پیار سے جھکایوں ظاہر کیا کہ اسے بھائیوں کے قتل کا بڑا دکھ ہے اور میری مدد پر ہی بھروسہ کر رہا ہے۔ ان نے میرے گھٹنے چھونے چاہے میں نے اس آدھے جھکے ہوئے کو ہی کندھوں سے پکڑ لیا۔ میری ہی عمر کا جوان تھا مجھے شرم محسوس ہوئی رکھویر میرے گلے لگ گیا۔ اس کا باپ اپنے اترتے کے ایک کونے سے آنکھیں صاف کر رہا تھا۔ رکھویر نے میرے کان سے اپنا منہ لگاتے ہوئے سر ٹوٹی کی۔ اسپر خان میں کل خود تھانے آ کر بات کروں گا اس وقت خاموش ہی رہو تو بہتر ہے۔ میں نے ایک جھکے سے اسے خود سے ہٹایا اور اس کے بازوؤں پر دونوں ہاتھ رکھے رکھے اس کی آنکھوں میں بڑی سختی سے دیکھا جب بھی اس طرح کی بات میں نے جس منہ سے سنی تھی وہ منہ میرے کون کی وجہ سے شناخت کے قتل نہیں رہتا تھا۔ مگر میں نے پتہ نہیں کیوں اس نو جوان کا لحاظ کیا جیسا کہ میں نے پہلے کہا ہے وہ بڑا غضب کا ایکٹر بنتا تھا۔

ایک دہانے کے چہرے پر تھیں برسنے لگی۔ اس نے فوراً میرا ہاتھ پکڑ کر دبا یا۔ میں نے اس کے ساتھ تعزیتی رقمی جتنے بولے اور تھانے واپس آ گیا۔ مجھے اس کی تھانے آہ کا شدت سے انتظار تھا۔ میری طبیعت سخت الجھی ہوئی تھی میں نے اس تجربہ کو بلوایا جو مجھے گور بخش کے اس بیٹے کی کہانی سنا چکا تھا۔ اسی دوران محرم ایک اوجیز عمر آدی کو اپنے کمرے سے نکال کر میری طرف لایا۔ محرم کے ہاتھ میں ایک ہنہ تھا میرے پاس آ کر اس نے سلام کیا اور بتایا کہ یہ جیب ستر اتانوں والے اڑے سے کل پکڑا گیا ہے۔

میں نے رکھویر سنگھ کو ایک دن موقع پا کر گھیر لیا۔ کرپان نکال کر رکھویر پر حملہ کر دیا۔ رکھویر بھی آپ نے دیکھ لیا ہے وہ بھی ٹھکرا آدی ہے، اس نے اپنے ساتھ آنے والے بد معاش قسم کے کامیوں کو ہاتھ اٹھا کر حملے سے روک دیا اور اپنے بیٹے میں اڑسا ہوا چاقو نکال کر حملہ آور کو وہاں ختم کر ڈالا۔ آپ سے پہلے یہاں کے تھانہ انچارج رکھویر کے دوست تھے ایک تو پولیس کا دہ بہ دوسرے گور بخش سنگھ کی علاقے میں ٹوہر، اس علاقے پر منی ڈال دی گئی۔ سارے علاقے کو کان ہو گئے۔ اب تو گور بخش سنگھ کے گھرانے کی عزت ایک اور وجہ سے بھی ہونے لگی۔ رکھویر سنگھ شریف باپ کا بیٹا ہوتے ہوئے بھی دہشت کی علامت بن گیا تھا۔

دلہر سنگھ کو غائب ہونے چار برس ہو گئے ہیں رکھویر کی دلچسپی کم ہوئی تو بلوند کور کو بھی ہوش آ گیا اور پھر وہ دن اور آج کا دن اسے کسی نے نہیں دیکھا۔ گاؤں والے سارے یہ بات جانتے ہیں پر کسی کو کہنے کا حوصلہ نہیں ہوتا۔

میں نے اس تجربے سے کہا کہ وہ ارد گرد نظر رکھے اور یہ معلوم کرے کہ اس قتل میں دلہر سنگھ کا کوئی ہاتھ ہے یا نہیں۔ منبر کو فارغ کر کے میں ایک بار پھر گور بخش کی حویلی چلا گیا۔ جس جگہ چار پائیوں پر لاشیں پڑی تھیں وہاں زمین پر خون کے چھینٹے تھے۔ حویلی کی باہر والی دیوار پکڑی ضرور تھی لیکن اس پر گرد کی تہہ جم چکی تھی۔ اس پر دو جگہ ساتھ ساتھ بیروں کی رگڑ کے نشان تھے۔ پھر بھی ان میں اتنا فاصلہ ضرور تھا کہ دونوں ایک آدی کے بیروں کے نشان نہیں ہو سکتے تھے۔ میرا اندازہ تھا کہ حویلی کے اندر ایک نہیں دو آدی اترے تھے۔ ان دونوں میں سے ایک نے یا پھر دونوں نے الگ الگ قتل کیا تھا۔ ان کی داہسی بھی اسی طریقے سے ہوئی تھی۔ میں نے گور بخش سے چند سوال کیے اور اس کے بیٹے رکھویر سنگھ سے

سیارہ ڈائجسٹ

کا
عظیم الشان اور روح پرور



کا ایڈیشن شائع ہو گیا ہے

اپنی سابقہ روایات کے شایان شان یہ نمبر پیغمبران خدا کی
حیات جاوداں ان کے معجزات اور ایمان افروز واقعات پر مشتمل
ایک متاع بے بہا اور جامع دستاویز ہو گا۔

پہلے کسی آہنی کی جیب کو رز چکا تھا اور اب ایک دوسرے آدمی کو سلاخیوں پھیرنے لگا تھا کہ ، ننگ نے پکڑ کر اسے پولیس کے سپاہی کے حوالے کر دیا جو اسے تھانے لے آیا۔ رات میں نے حوالات میں رکھا تھا۔ یہ جیب تراش ڈالا پرا، معلوم ہوتا تھا۔ اس نے اس دن میں عمر کالی ہوئی تھی۔

جیب تراشوں کی دنیا بڑی دلچسپ ہے۔ قیوم پاکستان سے قبل یہ بڑے فنکاروں کا پیشہ تھا۔ وہ کس کام کے اتنے ماہر تھے کہ آدمی کو دیکھ کر اندازہ لگا لیتے تھے کہ اس کے پاس کتنی رقم ہے۔ جیب کترا شکار کا پتہ شروع کر دیتا تھا اور شکار ہوشیار ہوتا تو نہ کام رہنے والا جیب کترا اسے اپنی حدود سے باہر لھکتا دیکھ کر اسے دوسرے جیب کترے نے ہاتھ فروخت کر دیتا تھا جو اسے اپنی حدود کے اندر شکار کرتے تھے۔ ملا گانا بنید سے ہوا اور بیگ کی صفائی کرتا ہوتا ہے۔ جیب کترے اپنی ہاتھوں کی انگلیوں کو سلاخیوں کہتے ہیں۔ ان لوگوں کا دعویٰ ہے کہ ان کے ہاتھوں سے کوئی جیب محفوظ نہیں ہوتی۔ لمبھیں کی سینہ والی جیب کھیسہ کوٹ کی اندر کی واپس طرف وئی جیب ان کے لئے بہت آسان ہوتی ہیں۔ جن آدمیوں کے کندھوں پر چنکا اس طرح رکھا ہو کہ رتے کی اوپر والی جیب ڈھکی ہو وہ بھی آسانی سے جیب کترا لیتے ہیں جس آدمی نے چادر اوڑھی ہو وہ بھی آسان شکار ہوتا ہے۔ جس آدمی نے جبر سٹوکے میں ڈانی ہو اور لمبھیں پائی ہو اور لمبھیں کا پھینکا منہ نیچے لے کر بیٹھا ہو اس کی سوکے کی جیب میں ہاتھ ڈالنا مشکل ہوتا ہے۔ بعض استوتو نوٹ ناکائے نے جد کاغذ بھی شکار کی جیب میں رکھ دیتے ہیں کہ اگر سفر کے دوران جیب نونے تو اسے حساس نہ ہو کہ جیب کترا نہیں ہے۔ سونے کی جیب میں پیسے رکھ کر اسے لمبھیں پہننے اور اس کا پھینکا منہ نیچے لے کر بیٹھنے والے مسافر سے کہتے ہیں۔

میں جی ذرا شیشہ کھول دین یا اس کے پاؤں کے پاؤں پیسے کرا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ذرا تمہیں میں پیسے آپ کے پاس سے اٹھالوں۔ جب مسافر ذرا سہانہ ہے تو اس کی لمبھیں پیچھے سے نکال دیتے ہیں اور پھر اس کے سٹوکے تک مزینڈ لے جاتا آسان ہو جاتا ہے۔ عام طور پر یہ بھیڑوانی جیبوں میں کام کرتے ہیں جہاں کس جھڈنی یا رش کی وجہ سے بوکھلائے ہوتے ہیں۔ میں آپ کو جیب کترائی کی باتیں سنانے لگا گیا ہوں۔ محرم جس جیب کترے کو پکڑ کر میرے پاس لیا اس کے پاس ہونے میں کچھ نوٹ اور رش کی ایک تصویر بھی تھی۔ میں اسے الٹ پٹ کر دیکھی رہا تھا کہ جس نمبر کو بلوایا تھا وہ آ گیا۔ میرے ہاتھوں میں تصویر دیکھ کر وہ چونک گیا۔ جتا یہ تصویر تو بلونڈ کور کی ہے۔ اس نے میں اتنا ہی کہا اور میری طرف دیکھنے لگا۔ میرے ذہن میں جیسے کھنی بن گئی۔ میں نے جیب کترے کو گھورا "اوسے تمہارے جس آدمی کی جیب سے یہ ہونڈ اڑایا ہے اس کا ذرا حلیہ بتاؤ اور وہ کہاں تھا؟"

جیب کترے نے پتہ نہیں میری اس بات کا کیا مطلب یا تھا۔ شاید اس نے سوچا ہوگا کہ جیب کترانے والے میرا پر دوست یا عزیز ہوگا وہ میرے پیروں پر رہے۔

"جتاب معاف کریں غلطی ہوئی ہے مجھے تو پتہ نہیں تھا کہ۔"

میں نے اٹھ کر اسے پرے دھکیلا۔ اب یہ تصویر ول ہونڈ بہر سٹوکے کا تھا تو اس کا مطلب ہے کہ وہ اپنی پر اسے رشڈگی کے بعد واپس آ گیا ہے اور اس نے جی شیشے کے خوار ہونے کا بدلے میں خاطر گھویر لکھ کے بھرتوں کوں کیا ہے۔ میں نے تمہارے تان میں کھڑے کھڑے کھڑے کہا کہ اس جیب کترے کے ساتھ لاکا شیشے میں ہے۔ ساتھ لاکا شیشے کے تانوں کے ذائقے کی طرف جانا ہے۔ میں نے

پلا اور یہاں تھانے چھوڑ گئے۔ حیران ہوں کہ آخر
دہر کو مجھ سے کیا دشمنی تھی اور مجھے اس نے اندر ہی
کراہا تھا تو ہونہ کیوں مجھے دے گیا؟ شاید وہ ثبوت
میرے پاس رکھنا چاہتا تھا؟

جو ہفتہ اس جیب کترے کی کچھ میں نہیں آ رہی
تھی میں سمجھ چکا تھا۔

دہر یہاں واردات کرنے آیا تھا۔ ہاتھوں کے
انگڑے پر اس جیب کترے کے اسے پتوں یا دہر کو ڈر
تھا کہ شاید یہ دشمنی جو تھا ہے اس لئے رھویر سنگھ کو نہ
چا کر بتا دے اس کے اس نے نہایت چالانی سے
اسے تھانے بچھو دیا اور ات کو درات کر گیا۔ میں نے
محر سے کہا کہ جیب کترے کو حوصلات میں بند کر دو۔

اگلے دن میں امرتسر چھاؤنی جا پہنچا جیب
کترے کے بیان سے ایک فوجی جیب میں تھے۔ ان دنوں کی
عام آواز کے جیب کا کیا کا؟ آج کل تو فوجی
جیب کی چھپیں بھی نہ آدھیوں کے پاس نظر آ جاتی
ہیں نہ ان باتوں کا سوال ہی نہ تھا۔ چھاؤنی میں
کس پونٹ میں جانا ہے ہمہ اندازہ نہیں تھا۔ بال
شاد نے کہا کہ اس کا ایک واقف کار ساتھی ہے وہ
اٹوری کا بی رہنے والا ہے امرتسر چھاؤنی میں ہی
پیدل فوج کی بارکوں میں رہتا ہے۔ ہم اس کے پاس
آ گئے۔ برت میں اس کی ماں کی ایک راتھی اور دو
اکڑا ہوں چپکا تھا۔ ہم نے اسے یہ نہیں بتایا کہ ہم
کس کام سے آئے ہیں۔ ہوں شاد نے صرف اس
سے جھٹکے کا بہانہ کیا تھا۔ باتوں باتوں میں اس سے
تھہر کر دیا کہ ہونے کے بہت سے جوان ات چھاؤنی
میں ہیں اور یہی کا وہ سنگھ تو اس کی پونٹ نے میجر کا
جیب کا ایک ہے۔ اس کے اس سے پونٹ کا ایک پتہ
اور میجر کا ایک باتوں باتوں میں معلوم کر لیا۔ میجر
مہمان تھا۔ پوچھو، نے جاننے کا تھا بہت دیر
مشہور تھا۔ اس سپاہی نے ہماری بیوی مہمان خوانی کی

جیب کترے کو چھوڑنا "ہو تو تم نے سب نکالا تھا؟"
وہ بولا "کل صبح سویرے ہی۔ لیکن نکالائیں اور جس
کا تھا بڑا ہوشیار تھا۔ میں نے ہتھیلی ہاں رکھا ہے
یہ گنا ہے کہ وہ مجھے پہچان چکا تھا اس لئے کہ میں بھی
اسی سے گاؤں کا رہنے والا ہوں اور وہ بھی دیکھ بھلا
گیا تھا اور جان بوجھ کر مجھے موقع دے رہا تھا کہ
میں اس کی جیب کا پتہ لوں ایسا کا دیکھ کر تو ہر سے
باتھ میں تھیں ہونے تھی سے جو خود ہی موقع بھی دے
- ہا ہو۔ بہر حال مجھے شک نہیں تھا وہ اسی ہی ہے کہ
یقین ہو گیا تھا میں نے اسے چھوچھو گیا کہ تم دہر ہو؟
اس نے مجھے گلے سے لگا لیا اور کہنے لگا بڑی دیر بعد
میں ہو گاؤں کا جان وغیرہ بتاؤ۔ وہ مجھے باتوں
والے الے میں جہرے کے ہونے میں لے گیا اور
نکھانے کا کہا۔ جب ہم ہونے کے اندر جا رہے
تھے تو میں نے دیکھا کہ تھانے کا جیل پر ایک فوجی
جیب کترے ان کے اس میں سفید پٹوں میں دو
اور آئی۔ طے جو صحنے سے تھوٹے تھے بلہر۔ نہ ان
دہر کے طرف ہاتھ بڑا کر اشارہ کیا اور ہونے
دروازے پر ڈنک گیا۔ دونوں جیب کترے
آگے دہر نے ان میں سے ایک کو ہاتھ میں لے کر
پہلے سے پکے پکے آ رہا۔ دو آگے گریں اور ہر
بھیان سے کا گیا۔ اور مجھے ہونے سے کیا اور پھر
گھٹا گھڑانے لئے۔ کھانے سے بعد میں پیپے اپنے
کا خیاں کر کے جیب میں ڈالے۔ نے لگا تھا اس پر
پہلے ہی میں نے ایک آواز کی جیب سانس کی تھی
نہر نے جھٹکے۔ نے ہونے کے ہونے
نہر لگا گیا۔ اور ہاتھ کا ڈر کہ ہوں تو اس میں سے
پینے لگا۔ اس جی وہیں محمد نے جھٹکی ہوئی۔ وہ جس
خانے میں جا رہا تھا۔ اور مجھے ان سے ہونے
نے لگا۔ اس کو ہونے سے ہاتھ میں تھا تو جمع
ہو گئے اور وہ مجھے ان سے ان کے ہونے سے
نکل گیا۔ ان باتوں میں سے ایک نے میرا ہاتھ

کی اور باہر اڑے تک ہمیں چھوڑنے آئی۔ اہم نے اسے اندھیرے میں رکھا۔ وہ اڑے سے گیا اور ہم وہاں چھاؤنی پہنچ گئے۔ اس یونٹ کا دفتر بند تھا پتہ چلا کہ میجر صاحب ٹینس کورٹ میں ملیں گے۔ ایک سپاہی ہمیں راہ دکھانے ساتھ ہو گیا۔ ٹینس کورٹ میں میجر سے ملاقات ہوئی میں نے اپنا تعارف کرایا اور پوری بات بتانے کے بعد شک ظہر کیا کہ دہبر واردات کر کے دوپہر ڈیوٹی پر حاضر ہو گیا ہے۔ ٹینس کورٹ کے کنارے بڑی کرسیوں پر ہم لوگ بیٹھ گئے۔ دہبر نے میجر کے سامنے پانی لا رکھا اور پسینہ خشک کرنے کے لئے تویہ دیا۔ میجر نے تویہ ایک بار اپنے منہ پر پھیلا اور پھر نیکا ایک غصے میں آکر زمین پر دے مارا اور میری طرف چہرہ کر کے کہنے لگا، خان صاحب دہبر واردات کے لئے گیا تھا یا نہیں پر وہ مرد آدمی ہے اور مرد ہی یہ کام کرتے ہیں۔ میجر کا ردیہ بڑا فروغی لہجہ کا تھا۔ تقسیم سے قبل فوجی افسر خود کو بڑی اچھی طرح پویس کے مقابلے میں اعلیٰ سمجھتے تھے۔ میں نے خود پر قابو رکھتے ہوئے کہا کہ میجر صاحب مجھے کمزور خیال نہ کریں اول تو مجھے چھاؤنی کے کمانڈنگ افسر کے پاس جانا چاہئے تھا وہ خود ہی تحقیق کریتا پر میں نے سوچا کہ چھو آپ سے تو بات کروں لیکن آپ سیدگی بات نہیں چاہتے تو میں کمانڈنگ افسر سے بات کریتا ہوں۔ میں نے اندھیرے میں ہی تیر چھوئے تھا حالانکہ کمانڈنگ افسر کے پاس جانا ہوتا تو پہلے میں بقاعدہ و ایف آئی۔ درن کرتا پھر اپنے اس پتہ کا غلطی کارروائی پہنچاتا پھر فوجی افسر تک بات جاتی اور انٹوائزنگ کے بعد ہی اہم کو اورنی تحویل میں دیا جاتا لیکن لیجنگ نے انی چاقوں میں آکر کھینے لگا لیکن ہے آپ ناخوش ہے۔ یہ بھی ذرا ہمیں اس سے ساتھ نہ ہوا تھا۔ یہ سب یہ وہ تھا کہ اسے کو

پھر کبھی بحث کر لیں گے مجھے دہبر سے خواہیں۔ میجر نے اسی پیر سے کہا کہ چھاؤ ڈرائیور کو اس کے نوادر سے لاؤ۔ دہبر چلا گیا اور ہم ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے۔ یہ وہ تھا کہ دہبر نے اپنی آئی لینن دہبر کے بغیر اس نے بتایا کہ دہبر کا کوارٹر خوں پڑا ہے یہ لگتا ہے وہ یہاں سے بھاگ ہی گیا ہے۔

میں سمجھ گیا کہ میرے ساتھ یہ نوٹ اڑانہ کر رہے ہیں۔ آج کل تو پتہ نہیں آیا جان ہے لیکن تقسیم سے پہلے کی بات یہ ہے کہ جن فوجی سپاہیوں نے اپنے عذروں میں دشمنیاں ہونی تھیں وہ خود یا ان کے سروانے انہیں فوج میں بھرتی کر دیتے تھے۔ تاکہ وہ علاقے سے نکل جائیں اور ان کی جان بھی محفوظ رہے جس طرح وہ میجر دہبر کی طرف داری کر رہا تھا اس سے میرا یقین ہو گیا کہ دہبر شکہ گاؤں سے قریب ہو فوج میں بھرتی ہو گیا ہے۔ اس میجر کا ڈرائیور تھا۔ اس نے میجر کو اپنی مطلوبیت کی کہانی سنائی اور اس نے ہمدردی میں اس کا پورا ساتھ دیا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس نے یونٹ میں اسے حاضر دکھایا ہو اور اسے وہاں سے کھٹکا دیا ہو کہ چھاؤ واردات کرے وہاں آ جاؤ۔ اس سے پہلے کی ایک واردات ہو چکی تھی کہ فوجی جوان رات و پیر کوں سے لگا: اور اپنے مخالفوں کو لٹھکانے لگا، یونٹ میں وہاں آ گیا۔ اس کے ساتھ اور افسر اسے تحفظ دیتے تھے۔ فوڈ سیدھے اور بائیس ہوتے ہیں وہ قانونی چکر میں پڑا اور انصاف نہیں دیتے ظلم کرنے والے کے اندر اپنے ہاتھ سے کون اتارتے ہیں۔ بیس افسر سے بتایا تھا کہ اس کے ساتھ فوجی جیپ میں دو اور آدمی تھے۔ وہ بتایا اس کے ساتھ ہی ہوں گے ہوسکتا ہے میجر کو بھی پتہ ہو لیکن میں فائدگی اور اس کے بغیر چھوٹیں کر سکتا تھا۔

میں "ہاں شوہر ہیں سننے لگا" میں سیدھا میں میں نے اسے پاس پہنچا یہ چھاؤنی تھا۔ اس نے

قبول کیا۔ میں نے صرف ریپڈ اور ناک برادر لکھ دیا، اور
 اس کے پتے نہ پا سکے۔ یہ کہہ کر وہ گھبرا گیا اور آگے بڑھا۔ اس کو
 تھامنے کے لئے آگے۔ بیپ نے اسے جوڑت سے تھام
 کر اپنے کے سامنے کھڑا کیا تو اس نے سر جھکا دیا۔
 تھامنے میں دلیر سے لڑا اور موٹیا ہارنی نہیں دکھائی۔
 اسے کھوپڑی ہڈیاں شہ کے گھاؤں کا ٹرک پر لگا گیا تھا۔
 اس نے مزید در سے بغیر پناہ شروع کر دی۔ لیپ نے
 ہنی کی چٹی بلونڈ کو، میری منٹ بے سے پہتے ہی تھے
 ہتہ کرتی تھی اس سے میر سے ساتھ یہ اندازہ لڑا تھا تو
 کہ اس کی شادی ہوئی تو صرف میر سے ساتھ چپ
 کے پاس زمین نہیں وہ مردوں کی زمینوں پر منت
 مزدوری کر کے گزارا کرتا تھا۔ ایک دن پانچ روز
 سے جاتے ہوئے رکھویر نے اسے لیا اور اس کے
 جہ اس سے میر سے چچہ نہیں شروع کر دیں۔
 اگلے دن لڑکھائی کی کوئی نہیں اس کا سر کے لئے بھیج
 ڈے رکھویر کی نیت ابھی نہیں تھی۔ چاچا نے لڑکھائی
 رکھویر نے پیچھ نہ چھوڑا اور چھوڑا گزارا۔ ایک سال
 چوٹی ہوتا رہا۔ لڑکے کے گرد بھائیوں کا آسرا تھا۔ اس
 کے موٹیوں کی دیکھ بھال کرتا تھا چھوٹی موٹی پوری
 پکارتی اور سے میری کر سکتے تھے۔ پاپا سے مرنے سے
 جہ کہہ کی حالت پتلی ہوئی تھی۔ بلونڈ بھی رکھویر کی
 طرف سے نکت نکلتی تھی۔ وہ اسے خلی کر پتے گا تھا
 کہ وہ اس کی حفاظت میں آجے اسے نوز، لکھے گا
 دیر جیسے نقرے ستانے یا ستے گا۔ آپ ہا سہے ہیں
 کی غریب آدمی مڑور سوتا ہے۔ رکھویر کو سر کی تو
 کر سکتا تھا کی اور طرح اس سے نکت میں سے سکتا تھا۔
 قتل اس سے نہ پتے چھائی ریب ہڈوں گار ہونڈ اور
 ہل واپوں میں لڑا ہوا میری ہاتھ کھول نہ آتا ہے۔ ہا
 اور یہ آڑ ٹنگ آگھرست نہیں ہا پگاوں نے
 نکت کی لڑکی کی توی سے معصوم ہونے ہی ہے
 تھے۔ مجھے ا سے لکھے کا ہڈا ڈاٹھ ہوا۔ لڑکھائی
 اس بات سے بھی لڑائی کہ ہونڈ سے رکھویر کی ہیں

بن گئی تھی۔ محنت ذات تھی کہاں تک میرا نظارہ کرتی
 میں ہمہ تن میں قوتی بھرتی کے اندر جا چوٹی۔ میری صحت
 اچھی تھی مجھے بھرتی لڑیا کہ۔ اس نے ڈرائیونگ کا
 ٹاٹا سیکھا اور ان لٹرسوں کے ساتھ لڑوٹی پر رہا۔ ایک
 میکر سے سب مجھ پر مہربان ہو گئے میری صحت کی بڑی
 تعریف کرتے۔ میں دن رات انتقام کی آگ میں
 اس لڑا تھا میں نے لڑکھائی سب لڑویر سے چھوڑنے
 اپنے ماننے سے لڑکھائی اور رکھویر کی بدعا میں سب ہاتھ
 سیاہ۔
 لڑکھائی نے مجھے غم سے باز رہنے کی بڑی
 نصیحت کی۔ یہ سب اس کو جو بگاڑ لگا دیا نہیں تھا۔ فوج
 کی روٹی تھی اس بیپ میں پنپتے تھے اس طرح انتقام
 لیا۔ لڑکھائی نہیں تھا۔ لڑکھائی نے جب
 دیکھا کہ میں جبہ لےنے بغیر نہیں لڑکھائی لڑکھویر نے
 میری مدد کی حاتی بھرتی اور اندھا سہ کے تھپس بیپ اور
 اسٹارڈس کا اور چھوٹی سے لڑی لڑویر میں لڑکھائی کا لٹرا
 رکھویر لگا۔ آگے تمہارا کام لڑویر میر سے پاس
 واقع آجاتا۔ چھوڑویر بعد میں صاحب سے ایک
 لڑیپ اور لڑویر ان میر سے ساتھ لڑکھائی کے ساتھ ہوں
 لڑکھائی لڑکھائی لڑکھائی لڑکھائی لڑکھائی لڑکھائی
 لڑکھائی لڑکھائی لڑکھائی لڑکھائی لڑکھائی لڑکھائی
 لڑکھائی لڑکھائی لڑکھائی لڑکھائی لڑکھائی لڑکھائی
 لڑکھائی لڑکھائی لڑکھائی لڑکھائی لڑکھائی لڑکھائی
 لڑکھائی لڑکھائی لڑکھائی لڑکھائی لڑکھائی لڑکھائی
 لڑکھائی لڑکھائی لڑکھائی لڑکھائی لڑکھائی لڑکھائی
 لڑکھائی لڑکھائی لڑکھائی لڑکھائی لڑکھائی لڑکھائی
 لڑکھائی لڑکھائی لڑکھائی لڑکھائی لڑکھائی لڑکھائی
 لڑکھائی لڑکھائی لڑکھائی لڑکھائی لڑکھائی لڑکھائی

Scanned By Amir

جاتا تو یہ تپن میرے کھاتے پڑ جاتے تھے۔ میں وہاں سے کھٹک گیا۔ واہس تاگموں والے اذیت پہنچا بھر ہونے وان گئی کہ میرے سانگی جیب لے کر آگئے پھاؤنی واہس گئے تو میں بھمبر صاحب کے پاس پہنچا۔ انہوں نے پوچھا کام ہو گیا؟ میں نے کہا ہاں صاحب۔ جوئے جاؤ آرام کرو۔ میں کواریہ میں آکر بیٹ گیا میں اندر سے بہت شرمندہ تھا دشمن کے گھر جا کر بھی ناکام واپس آ گیا؟ پھر سوچنے لگا رھو پیر کے بھائیوں کو میں نے لپٹا نہیں یہ تو وہ دن تھا؟ کچھ کچھ میں نہ آیا۔ رھو پیر بہرست شریف اندر سے چھٹا ہوا پدمعاش تھا۔ جس طرح ہوندر وازالے یہ اسی طرح کی اور کے ساتھ دغا کیا ہوگا۔ اس نے ہر لے لیا ہوگا۔ رھو پیر کے بھائیوں کی اپنی دشمنیاں ہوں گی مجھے تو اپنی ناکامی کا صدمہ تھا اردو سر ہوندر کا چہرہ آنکھوں کے آگے آجاتا جو رھو پیر کی رھیل بن گئی تھی ایک تو میرے اپنے اندر شرمندگی دوسرے بھمبر صاحب سے بھوت ہونے کی شرمندگی، میں نے وہاں سے سامان اٹھا لیا اور بھاگ نکلا۔ اردن ڈسے سے اس پکڑی اور گاؤں سے پہر آ کر ویران کھوہ میں ڈیرہ ڈال دیا۔ پتہ نہیں کیسے مخبری ہوئی ہے اور آپ نے مجھے اور بچپن کو وہاں سے پکڑ لیا۔ جناب رھو پیر کے بھائی میں نے نقل کس کئے آپ سے کچھ نہیں چھپا رہا۔ اب بھی آپ کے سامنے صفا بہت ہوں کہ رھو پیر دن نہتے آئے تھا دو کس با زاندگی میں اور کس آمنہ سامن ہو گیا تو سے مارنے کی کوشش ضرور کروں گا۔ پڑیہ دونوں میں سے نہیں گئے۔

میں نے جوہران سے مل کر پڑو دار پکھڑ رسید کر لیا۔ پکھڑ کی نیتی سے اس نے جوہران میں سے ایک نیت سے کہاں وہ نیتوں پڑھیں۔ میری اس زاندگی کا تمہد تھا نہ کہ وہ بھوت ہوں۔ وہ بندہ آج بند ہے اس طرح کے غیبی اور ہوندری شہادتے مہرہ دن جوتے ہیں تو میں کواریہ نیتوں کے بعد میں

اور اسے روٹی کھانے کا کہہ کر ہوگی میں لے گیا۔ میں کوئی بات سوچتا چاہتا تھا میں نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کرتے پاس بلا یا ان سے کہا کہ تم جاؤ اور صبح صبح آ جانا۔ وہ چلے گئے تو میں سوچنے لگا اس جیب کترے سے کس طرح جان چھڑاؤں۔ فوجی نوکری آدی کو ہوشیار بنا دیتی ہے۔ روٹی کھانے کے بعد میں ہاتھ دھونے کے بہانے غسل خانے کی طرف گیا اور اپنا ہنڈا سے پکڑا دیا کہ اس میں سے پیسے نکالو میں نے غسل خانے کے دروازے میں سے دیکھا کہ وہ ہنڈے میں پیسے کن رہا ہے میں تیزی سے پہر آیا نور اسے روون سے پکڑ کر دو تین پھڑنگا دیئے اور ساتھ ہی شور مچا دیا کہ اس نے میری جیب کاٹی ہے لوٹ جمع ہو گئے ایک آدی بڑا جوشیلا تھا میں نے اسے کہا کہ اس آدی کو کھانے کے چلتے ہیں ہنڈہ جیب کترے کے ہاتھ میں ہی تھا کیونکہ وہ تو میرے زارے سے ایک دم حیران رہ گیا تھا۔ اس کا دماغ ہی لپٹ ہو گیا تھا۔ انجم نے اسے آگے لگانا چند قدم چلنے کے بعد میں انجم میں سے نکل کر غائب ہو گیا مجھے امید تھی کہ اب یہ رات کھانے میں گزارے گا اور میرے کام میں رکاوٹ نہیں ہوئی۔

میں وہاں سے سیدھا گورنمنٹ کی حویلی پہنچا چاروں طرف پھر کر میں نے پہرے کا اندازہ لگایا پہر کوئی نہیں تھا اور شاید ہی کوئی پہریدار ہوتا۔ میں نے پکھوڑے کا رخ کیا اور وہاں سے حویلی کے اندر کودا۔ دروازے ساتھ حوم پکھڑ کر اندازہ لگا دیا تھا کہ رھو پیر کس کمرے میں ہو سکتا ہے کہ اندھیرے میں ایک چارپائی سے ہاتھ لیا۔ اس کے ساتھ ہی ایک اور چارپائی تھی۔ میں نے بھمبرکان یہ نہیں جانتا کس کو تھا پانچویں پانچویں کے دونوں بھائیوں کی نہیں تھیں۔ مجھے بہت اذیت ہوا۔ اس بات کا اندھ نہیں کہ وہ نہیں کھانے ہوئے جتنا جہاں بات کا تھا کہ رھو پیر

کے غائب ہو جانے سے اسے پریشان کر رکھا تھا کئی سال تو روٹی چینی رہی جب بری سنگھ کے دلبر کے ساتھ رابطے شروع ہوئے تو اسے سکون آ گیا تھا کہ دلبر زندہ تو ہے۔ میرا خیال تھا کہ بری سنگھ بہت کچھ بتائے گا میں نے اسے حوالات سے نکالا اور پوچھ کچھ کرتا رہا ساتھ ہی میں نے قہانے کا پراتا ریکارڈ بھی نکلوا لیا۔ اس کا اہل ہونے والے ماموں چور تھا۔ ایک آدھ ذکیتی کی واردات اس کے کھاتے میں تھی۔ دلبر کے مقتول ماموں کے ساتھ ایک اور آدمی ہوو سنگھ کا بھی نام تھا وہ اس قہانے کا پراتا ہسٹری فیلر تھا نور مہم از کم دن بارہ سال سے اہتہ رہی تھا۔ کچھ پتہ نہیں تھا کہ کہاں ہے۔ مہم از کم پوئیس کے ہاتھ بھی نہیں چھا تھا۔ بری سنگھ سے جب میں نے پوچھ کچھ شروع کی تو ہوو سنگھ کو بھی ذہن میں رکھا۔ بری سنگھ روایتی قسم کا بد معاش نہیں تھا کہ اس سے اگلوۃ مشعل ہوتے ہیں نے اس سے پہلے اس قسم کے کمزور آدمیوں سے گفتیش میں دیکھا تھا کہ انہیں اپنی عزت اور پوئیس سے بے عزتی کا بڑا خیال ہوتا ہے۔ بری سنگھ سے میں نے عہد کیا کہ وہ اپنی عزت چاہتے تو کھل کر بات کرے۔ وہ نہ وہ حوالات ہی مار چند منٹ بھی نہیں کہے گا۔ بری سنگھ یہ بات سمجھ گیا مجھے کہنے لگا۔

”خان صاحب میں نے آپ کو وہ بی قسم کا امر پتہ ہے۔ اب تک جو کچھ ہوا ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔ اب کا ماموں پتہ بھی تھا اور ڈیٹ بھی پر گھویر سنگھ نے استخبر کر لیا۔ اور نکلنے لگا ہے مال و دولت وہاں ہے پتہ وہ کبھی ہے اور کسوں کے اصول بھی جائز ہے۔ جب اس نے بیٹہ سے اپنی ٹیٹ پر ہاتھ ڈالا تو اسے ایسی بات اٹھانے سے منع کیا۔ پتہ پتہ ہے۔ اور پتہ تھا کہ امران میں نہیں نے استیجائی نہیں یہ مجھ سے ہے تو اب وہ مجھ سے بھی۔ جو پتہ توئی جس ایسے ہاتھ پہنچے۔ اب وہی آپ میں چھانی ہے جس دانہ کا مہم از کم

نے اسے اپنے محرر کے حوالے کیا کہ اسے حوالات میں بند کر دے۔ وہ امر چکر کے ٹیس میں زیر تفتیش تھا لیکن ایک فوجی ساتھی بھی تھا اور ابھی تک حاضر سروں تھا اور وہ مجھے ٹیس کے ٹیس میں مطلوب تھا تو فوجیوں کو بھی مطلوب تھا ایسے بھگوزوں کیخلاف کارروائی ہوتی ہے۔ میں اسے زیادہ حوالات میں نہیں رکھ سکتا تھا۔ مجھے فوجی سربراہ کو اطلاع دینا تھا کہ ان کا فوجی پتہ کیا ہے۔ میں نے اپنے ایس ٹیس ٹی کو اطلاع کردی انہوں نے مجھے ہتھ کہ دلبر سنگھ کو میرے پاس پہنچا دو میں یہاں سے اسے فوجیوں کے حوالے کر دوں گا۔ میں نے دلبر کو ایس ٹیس ٹی کے دفتر پہنچا دیا لیکن وہاں سے جانے سے پہلے قہانے میں اس سے اچھی طرح پوچھ کچھ کر لی۔ دلبر نے مجھے قہانے کر دیا کہ اس نے ٹیس کے امر رکھو۔ اسے مل جائے تو وہ اسے ضرور قہانے کرے گا۔ پوئیس کے سامنے اس طرح دھمکیاں دیتا بھی ایک جرم ہے اور میں اس کیخلاف مقدمہ درج کر سکتا تھا لیکن چونکہ اسے فوج سے حوالے کرنا تھا اس کے میں اس چہرے میں نہیں پاتا۔ جانے سے پہلے اس نے کہا کہ اس کے چچا بری سنگھ پتہ کر رہے ہیں اس کا کون تصور نہیں۔ وہ میری محبت میں جھوٹے بیٹے آیا تھا۔

اب تک کے واقعات میں کسی کو ہونڈ اور کاخین آیا نہ آیا بہت کچھ شروع سے ہی دھین تھا کہ چپ چپ طریقے سے دیکھوں کہ ہونڈ کیا کرتی ہے؟ مطلب یہ کہ اس کی سرگرمیاں کیا ہیں اس سے کسی شہ کو بلایا اور اسے خالی گانے کے لئے کہا۔ وہ اب تک بنا کامیاب رہا تھا اس نے دو دن سے جد مجھ پر درتے ہیں۔ ہونڈ اپنے چچا بری سنگھ کے ساتھ ہی رہتی ہے۔ اس دن وہ سنگھ ورتہ رہا تھا ہی دن ہونڈ اور اس نے چپ چپ چینی چینی سنگھ کی گھروں دونوں ہی جانب ٹیس اب اس سنگھ سے کسی طرح پوچھنے کا اہل تھا۔

اس دن اسے قہانے چھانی کرنا۔ اور بھی گور۔

معلوم کرنے سے کہ تمہاری دشمنی اس کے ساتھ کس وجہ سے ہے۔" اس بانگل انجون بنا ہوا۔ اس پر یہ ظاہر نہ آیا کہ میں بلوندر کے دانتھ سے آگاہ ہوں اور ہری سنگھ اور دہر سنگھ میرے ہاتھ میں ہیں۔ گورنمنٹ نے بے چینی سے پہلو ہوا۔

"میرے ساتھ کسی نے دشمنی کیا کرتی ہے؟ بس نے آپ کو ہری سنگھ بھی بد معاشی سمجھنے لگ گیا ہے اور دہر سنگھ بھی۔ دہر تو خیر یہاں سے نکل ہی گیا ہے۔ اس کا سارا نمبر ہی لپے لپے نکالوں گا ہے۔ مرنے والا ان کا ہا بھی اپنے بڑوں کی راہ پر چل نکلتا تھا۔ چوری چکاری اور ڈاکہ کی چیز سے دروغ نہیں کرتے تھے۔" گورنمنٹ نے کھل کر بات کرنے پر آدھ نظر آتا تھا۔ "میں نے یہی دیکھا ہے کہ ہری سنگھ اور اس کے بھتیجے نے بھی نیکی کا کام نہیں کیا خود ہری سنگھ کا بڑا بھائی نوہ سنگھ تھا۔ اصل اسی کی بد معاشی نے دوسرے سرداروں کو اس راہ پر لگایا ہے۔" گورنمنٹ نے موٹی سی گالی دی۔ "اگر یہ لوگ نوہ سنگھ کی بد معاشی پر میرے ساتھ متھالگا رہے ہیں تو میں اس کا بھی بندوبست کر رہا ہوں۔ تمہارا صاحب آپ ایک طرف ہو کر بس تماشا دیکھو بندے میں خود تمہارے پاس نے آؤں گا۔ بے شک کہہ دیتا تم نے پکڑے ہیں پر میری راہ کھولی نہ کرو مجھے بہت سے کام کرنے ہیں۔"

جب تک گورنمنٹ راہ پر نہ آتا میرے لئے آگے بڑھنا مشکل تھا۔ میرے اندر کا نواز خان ہاہر آ گیا۔ میں چہ رہا ان سے اٹھا اور گورنمنٹ کو گھور کر کہا۔ "گورنمنٹ تم مجھے کبھی طرح نہیں جانتے مجھے چودھرا سٹ یا زمینداری کا رعب بھی نہ دینا خطا کھاؤ گے۔ دوسرے میں ایک سرکاری افسر ہوں اور اس نقل کی تفتیش میں نے کرنی ہے مجھے سیدھی طرح بتا دو گے کہ معاملہ کیا ہے تو اچھی بات ورنہ نواز خان کے سامنے کسی کی زبان بند رہے یہ ممکن نہیں ہوتا۔"

نہیں کیا اگر کر لیتا تو ہماری ناک بھی اونچی رہتی آپس میں چل گئی ہے تو شاید اور بھی چل چلا ہوں گے میں نے تو زندگی دیکھ رہے چاہتا ہوں کہ دہر اس کی پیٹ میں نہ ہی آئے۔

دلبر کا چچا یہ اس اپنے سر بیٹے پر ہنسی تھا پر میں ایسا کس طرح ہونے دیتا مجھے تو اصل قاتل کو پکڑنا تھا۔ ہری سنگھ کے بیان کے بعد میں نے مقتولوں کے ہاں گورنمنٹ سے بات کرتے ضروری خیال کیا۔ بے چارہ بہت بری حالت میں تھا۔ بیٹوں کے سر نے اس کی ہمت توڑ دی تھی۔ جس دن واردات ہوئی تھی اس دن میرے حویلی پہنچنے پر گورنمنٹ نے کہا تھا کہ وہ تو مرگ گیا ہے اور وہ خود ہی اپنے بیٹوں کے قاتل یا قاتلوں کو دیکھ لے گا۔ اس وقت تو وہ علم اور تکلیف کی حالت میں تھا اس لئے میرے اس سے کوئی اعتراض نہ کیا پر اب دوسری بات تھی۔ حویلی جا کر میں نے گورنمنٹ سے کہا کہ وہ اگر بڑا زمیندار ہے تو مجھے اس سے سروکار نہیں میں نے قاتل پکڑنے ہیں اور خود تمہارا بھی فائدہ اسی میں ہے کہ میرے ساتھ تعاون کرو۔ اس دن تم نے کہا تھا کہ تم خود ہی قاتلوں سے نہٹ لو گے۔ اب بتاؤ تمہیں کس پر شک ہے یا واقعی تم کسی کو جانتے ہو۔ گورنمنٹ منہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ پھر بہت آہستہ سے کہنے لگا۔ "خان صاحب آپ کی سرپا سے کہ آپ اتنا کشت کر رہے ہو یہ لوگ کیا سمجھتے ہیں کہ گورنمنٹ سنگھ یہ سب کچھ برداشت کر جائے گا میں نے آج تک علاقے میں خود کوئی جرم کیا نہ کرایا۔ رگھویر نے جو غلطی کی اس کا مجھے بھی احساس تھا ایک تو اسے اس لڑکی... کیا نام ہے اس کا... بلوندر کو منہ نہیں لگاتا چاہئے تھا دوسرے بات یہاں تک نہیں بڑھانی چاہئے تھی۔ اب تو اس بات کو کئی سال ہو گئے پر دشمن ہمیشہ سچ کروا کرتا ہے سو اس نے کر دیا ہے۔"

میں نے گورنمنٹ کو ٹوکا۔ "گورنمنٹ مجھے یہاں

گورنمنٹ سے میرے چہرے کی کٹی دیکھی تو نرم
 ہو گیا۔ مجھے کہنے لگا، "بھئی تو ناراض ہو گئے۔ میرا
 سبب تھا کہ ٹوہ سنگھ سے بیٹا شہید تمہارے سنا ممکن
 ہو۔ ان کے لئے بندوں کا انتظام بھی کر سکتا ہوں
 تھے۔ یقین ہے کہ مجھ پر وار کرنے والے ٹوہ سنگھ ہی ہے
 جس کی طرح کر رہا ہوں۔ ان دنوں اس کا ٹھکانہ کہاں
 ہے وہاں روکی گئے۔ صاحب تمہیں بتا دوں گا۔"

پان بیٹا گیا۔ اس نے ایک ایک گروہ سنگھ کے
 بارے میں سب کچھ بتا دیا۔
 ہری سنگھ کا بیان بہت حوصلہ تھا۔ اس نے پہلی
 سٹی کے ان کا بھائی خود سنگھ کو ایسے بنا۔
 "ٹوہ سنگھ میرا بڑا بھائی ہے ہمارا باپ ہوش
 سنبھالنے سے پہلے ہی مر گیا تھا۔ ہمارے سوس بھیجا
 شروع کر دیا۔ چھ برسوں تک سکول میں پڑھتے
 رہے پھر سکول سے بھاگ گئے ٹوہ چودہ پندرہ سال
 کی عمر میں ہی کافی جوان ہو گیا تھا۔ ہمارے ڈاکے ڈاکے
 سے۔ یہ صلاح ٹوہ نے ہی دی تھی، تاکہ جمع ہفتہ
 نکالے اور ایک قبائلی سے پان بندوں خریدے۔ انہوں
 کے پاس ان دنوں میں میں گھوڑیاں تھیں دو ہر نے
 نکالیں اور پہلا ڈاکہ ساتھ دے گاؤں میں گیا۔
 جس گھر میں گئے تھے ٹوہ نے مجھے باہر کھڑا کیا،
 بندوں مجھے ہی اور کہا کہ جو اندر آئے اسے کوئی مار
 دینا۔ ٹوہ اندر گیا گھروالوں نے بغیر جھگڑائے زور
 اور اپنے ان کے حوالے کر دیئے۔ ٹوہ باہر آیا ہم
 گھوڑیوں پہنچے اسے میں نے تین لاکھ کئے کہ انہوں
 اپنے آنا چاہتا ہے تو زور جائے۔ زیور ہم نے سنبھالے
 نہ پاس بیچا اور رہا آزادی۔ ہمارا تیسرا بھائی ہری
 بہت میں مرا تھا اس کی بیوی بھی اس کے پیچھے ہی
 چلی جاتی پر ہم نے سنبھال لیا اس کا ایک ہی بیٹا ہے
 دہر سنگھ ٹوہ کے ساتھ میں نے چار ڈاکے ڈاکے۔
 پانیس برس تک پہنچی گئی ٹوہ ایشیائی ہو گیا میں بیچ
 گیا۔ دراصل ٹوہ مجھے ڈاکے دان جگہ پر گھر سے باہر
 رکھتا تھا۔ کسی نے آج تک میری شناخت نہیں بتائی
 تھی۔ پولیس کی وجہ سے ٹوہ کا اس علاقے میں رہنا
 مشکل ہو گیا۔ وہ ہمارے ان طرف نکل گیا وہیں اس
 نے شادی کی اور تین سال کی لڑکی میرے حوالے
 کر دی۔ بلوڈ کوئی دن ہمارے چلے میں ہی کی بیوی
 سے مرئی تھی۔ ٹوہ نے بلوڈ کا بیٹا دہر سے کر لیا تھا ٹوہ
 بھی بھرا آ رہا بلوڈ کو دیکھ چکا۔ اب جانے اسے

پان بھائی چھڑا آیا۔
 "ٹوہ سنگھ کی حویلی سے واپس آ کر میں نے
 ہری سنگھ کی اچھی خبر سنائی کی۔ میں خود حوالا ت
 لئے اندر گیا اور وہاں سے کاسٹیبلوں کو باہر نکال کر
 ہری سنگھ کو سامنے کھڑا کیا۔ ہر نے اس کے
 سامنے کس بل نکال دیئے تھے میں نے اسے کہا کہ
 وہ ساری بات کھل کر بتائے۔ "دو تو جی میں بتا چکا
 ہوں۔" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے
 کہا۔ "بلوڈ کہاں ہے؟" اس کے چہرے کا رنگ
 سفید دم بدل گیا۔ میں نے اسے سنبھالنے کا موقع نہ
 دیا۔ میں اٹھ کر اس کے قریب آیا اور اس کے
 کندھے پر ہاتھ رکھ کر ایک جھٹکا دیا۔ "ٹوہ سنگھ
 کہاں ہے؟" ہری سنگھ کی ٹانگوں میں جیسے جان نہ
 تھی۔ وہ لرزے لگا، میں نے زور دار پھرتا اس کے
 سامنے۔ "نواز خان سے چھپاؤ گے تو جان غراب
 میں گرزوں گا۔ اب ہک دو ورنہ بعد میں
 پھٹاؤ گے۔"

ہری سنگھ کے لئے شاید ایک تھپڑ کافی نہیں تھا۔
 خاموش رہا میں نے حوالا ت کے باہر کھڑے ایک
 کاسٹیبل کو اشارہ کیا کہ یہ پکڑاؤ ہری سنگھ اب بھی
 حیدر بنا کھڑا تھا پھر جب میں شروع ہوا تو ایک دو
 منٹ ہی اس کے لئے کافی تھے۔ وہ فرش پر گر کر
 پینے لگا اور ہاتھ اٹھا کر مجھے بکے کا اشارہ کیا سر سے
 پر نیچے اشارہ کر رہا تھا۔ میں نے یہ ایک طرف
 دھونے میں پھینک دیا اور گھنٹوں کے بل اس سے

درخواست دی اور اسے ایس آئی کو تھانے کا انتظام دے کر بلاں شاہ کے ساتھ ایک ایسے سفر پر روانہ ہو گیا جس کا مجھے پیسے بھی تجربہ نہیں ہوا تھا۔ ایس آئی نے میری مدد کے لئے مجھ کو انتظام بھی کر دیا تھا۔

اس سفر سے پہلے ہی کہ طرف جانے کے لئے ایک طویل راستہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔ ہری سنگھ نے ٹوہ کے پار سے مس بتایا تھا کہ وہ مہینوں کے بعد اس علاقے کا چکر لگاتا ہے۔ اس کا ٹھکانہ ہونہیل ریاست باجور پور کے جنگلوں میں ہے اور وہاں کے راجہ کا سرکاری شکاری بن چکا ہے۔ باجور پور قبیلے میں ایس آئی دن رات گھومتے ہیں شاہ بن مجیب طرح کی ہے چٹائی لگی۔ میں نے اسے وہی طور پر تیار کر دیا تھا کہ اسے جنگل میں رہنا ہے اور وہاں سے ہی مجھے پکڑنا ہے۔ باجور پور کا داروغہ جبران سنگھ مونا سنگھ تھا۔ پچاس پھوپھوں کے پیٹے میں تھا گوشت جیسے بڈیوں نے چھوڑ رکھا ہو۔ اس کے جسم سے اندازہ ہوتا تھا کہ جوانی میں بہت مضبوط اور عجزار رہا ہوگا۔ ہونوں پر کبھی مسٹر، اہل راجتی۔ ٹوہ سنگھ کی بات سن کر جب میری طرف دیکھا اور بولا۔ "تیر نے اتنے بڑے کام کو ہاتھ میں لے لیا ہے جس میں تمہاری جان بھی جاسکتی ہے ایب ماہر شکاری جنگل میں اپنا جان خطرے میں کھتا ہے۔ یہاں تمہارا واسطہ جس آدمی سے ہے وہ کسی جنگلی جانور سے نہیں اس کا نشانہ نہ ختم نہیں جاتا اور پھر تم یہ نہ بھولو تم ملازم سرکار ہو تو وہ بھی اس راہیہ (تقسیم سے پہلے راجوں کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں راج کہلاتی تھیں) کا سرکاری ملازم ہے۔ دوسرے یہ بھی ضروری ہے کہ ہمارے علاقے میں اس طرح ٹھونٹے پھرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ اوز تو میرا ہی فرض ہے کہ تمہیں گرفتار کر لوں چوتھر سے روایت بھی کروں تو یہ معاملہ راجہ کے نوٹس میں لاؤں گا۔ فیصلہ دہی دیں گے۔ بات کے لئے تمہارا انتظام سرکاری ریست ہاؤس میں کر دیا گیا ہے۔ ریست ہاؤس شہر سے باہر تھا شہر کی پرچی

نہ پیر کے معاملے کا کس طرح پتہ چلا اس نے ایک رات مجھے مارا کہ میں اس کی بیٹی کی حفاظت نہیں کر سکا اور اسے کو بھی مروا دیا۔

ٹوہ نے مجھے کہا کہ تیار ہو جاؤ اور دشمن سنگھ کی جد باری سے کٹ کر وہی رات وہ میرے پاس آیا۔ مجھے ساتھ لیا اور پچیس فی طرح مجھے گورنگھن کی حویلی کے باہر کھڑا کر دیا۔ ٹوہ نے دیوار بھانڈی اور اندر چلا گیا۔ اس پار میں باہر نہیں رکھا۔ اندر ٹوہ مارا جا۔ تو میری زندگی حرام ہو جاتی یہ ڈر بھی تھا کہ گورنگھن نے کوئی انتظام نہ کر کے کھنا ہو۔ ٹوہ اسے پیغام بھجو چکا تھا کہ وہ اپنی بیٹی کی بے عزتی کا بدلہ لینے ضرور آئے گا یہی اس کی غلطی تھی ورنہ کوئی امر تک نہ پہنچ سکتا۔ میں بھی دیوار بھانڈی اندر کھینچ گیا ٹوہ ٹوہ پھر کر اندر جانے کی راہ دیکھ رہا تھا مجھے دیکھ کر ناراض ہوا۔ ہم پھر رہے تھے کہ چارپائیوں پر گورنگھن کے بیٹے نظر آئے ہم نے شہر لگانے اور دونوں کے گلے چیر دئے جس طرف سے آئے تھے اور ہی نکل گئے۔ ٹوہ نے حرکت میرا ساتھ لیا پھر نکل گیا۔

میں بڑی خاموشی سے اس کی کہانی سنتا رہا۔ دونوں بھائی بلا شرف ہی دار تھے۔ ان کا آگے بیٹا بھی ہی دار ہی ٹکڑ پر جہ سے مجھے نفرت سے ٹوہ کی بات سن کر میرے دل میں شدید خونخوش ہوں کہ اس کی گردن دیوچی لوں۔ اس لئے میں ہری سنگھ کو زیادہ دینے کا موقع دے رہا تھا۔ ہری سنگھ بات ختم کر چکا تو میں نے اس سے ٹوہ سنگھ کا پوچھا۔ اس نے وہ بھی بتانے میں دیر نہیں لی۔ میں نے گورنگھن سنگھ کے بیٹوں کے گلے کا پرچہ کاٹا اور ہری سنگھ کو مارا کر کے اسے حوالات میں بند کر دیا۔ میں نے ایس آئی کی رپورٹ بھجوا کر درخواست کی کہ فوجی قہراں سے ہا جانے کہ وہر سنگھ کی فوج میں میں کس وقت بھی ضرورت پڑسکتی ہے۔ اس لئے جب ہم چاہیں اسے ہر وقت ہوا سے کر دیا جائے۔ میں نے فوج کے بڑے ملازم کو پکڑنے کی خاطر دفتر سے چند دن کی چھٹی کی

اور بلال نے ایک ساتھ انکار کر دیا۔ "لو اسے پیو۔"
اس نے حقہ ہمارے آگے کر دیا۔ ہمارے انکار پر خود
ہی حقے کی تزی منہ میں لے کر کھس لگایا۔
"اب بولو کیا کہتے ہو۔"

میں نے اسے بہت مختصر طریقے سے بتایا کہ میں
سرکاری شکاری ٹوہ سنگھ کو پکڑنا چاہتا ہوں خود بھی
سرکاری آدمی ہوں ساتھ ہی میں نے سو روپے کا
نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھایا "اس کے ٹھکانے
تک رہنمائی کرو تمہاری محنت دے رہا ہوں۔"

ہر دیال نے دو تین گہرے کس لئے فضا میں
تہا کو کا دھواں بھر گیا۔ دھوپ کے مرغولوں میں سے
دہلی ہوئی ایک سج آواز آئی "تم اس تک نہیں پہنچ
سکتے وہ دوسرے راجہ کے علاقے میں ہے بھوان نے
اس علاقے میں اتنے بڑے جنگل اور پہاڑ بنائے
ہیں ٹوہ سنگھ اسی جنگل کا درندہ ہے۔"

"کیا تم شکاری نہیں ہو؟" میں نے اس کی دہمتی
رگ پر ہاتھ رکھا۔ وہ تڑپ گیا۔ زور سے حقے کا کس
لگایا۔ "دشتا اے دشتا" اس نے زور سے آواز لگائی۔

میرا رک سیک اور بندوق لاؤ ساتھ والے کمرے میں
کھڑ بڑ ہونے لگی۔ ہر دیال اٹھ کر اوجھلا گیا۔ اس کے
جاتے ہی میں نے بلال شاہ کی طرف دیکھا اس نے
آنکھ بند کر خوشی کا اظہار کیا۔ تھوڑی دیر بعد ہر دیال واپس
آ گیا۔ ایک ہاتھ میں بندوق کندھے پر تھملا تھا۔
"تمہارے پاس اتھیار ہے اس جنگل میں خالی ہاتھ کا
مطلب ہے تم خود اپنی موت کے منہ میں چلے جاؤ۔"
میں نے ہاں میں سر ہلایا۔ میری جیب میں سروں ریوا لڈ
اور کافی گولیاں تھیں۔ بلال شاہ کے پاس ولسی ریوا لڈ
بھی تھا۔

پھاڑی پھنڈی پر چلتے چلتے دن چڑھنے والا
تھا۔ ہر دیال کسی بندر کی طرح چل رہا تھا۔ اگرچہ
تھک میں بھی گیا تھا بلال جیسے گینڈے کے لئے
یہ مشقت سخت تھی۔ اس کا سانس پھول چکا تھا

گلیاں اور بازاروں سے گزر کر ہم راج محل کے باہر
سامنے کی طرف ریست ہاؤس میں پہنچے۔ روشن جنگلات
راج محل تھا۔ بہت اونچا پتھروں کی دیواریں باہر
خروٹ کے درختوں کے جھرمٹ محل کے باہر کم از کم
سو آدمیوں کی گارڈ تھی۔ راجاڑوں کی شان کچھ اور تھی
بہر حال ریست ہاؤس میں رات کے وقت بلال اور
میں نے سوچ بچار کیا ہم دونوں کی رائے یہی تھی کہ
راجہ اور داروغہ دونوں ہی ہمیں ٹوہ کو پکڑنے کی اجازت
نہیں دیں گے۔ ہم نے ایک سکیم بنا لی اور دن نکلنے
سے پہلے ہی ریست ہاؤس سے نکل گئے اس طرف
آتے ہوئے دن میں ہم نے گلیاں بازار دیکھے تھے۔
وہاں پوچھتے پوچھتے ہم کھالوں کے کاروبار کرنے والی
دکان پر جا پہنچے جس کا مالک گنجا چوٹی والا ہندو تھا۔ اس
سے ہم نے کسی مقامی شکاری کا پتہ پوچھا پہلے تو ہندو
سمجھا کہ ہم جانوروں کی کھالیں خریدنے والے ہیں وہ
ہماری خوشامد کرنے لگا پھر واپس ہو کر ہمیں ہر دیال
کے گھر کا راستہ دکھا دیا ہم نے دن وہیں گلیوں اور
دکانوں پر گزرا۔ رات ہوتے ہی ہم اس گلی میں داخل
ہوئے۔ داروغہ سے چھپ کر رہنا تھا ورنہ وہ ہمیں
پکڑا دیتا۔ گلی میں کھل سناٹا تھا آخری سرے پر
ہر دیال شکاری کا مکان تھا میں نے دروازے کی باہر
لٹکی کنڈی کھڑکائی نور احمد سے کچھ برتنوں کے گرنے
چارپائی کی الٹ پلٹ اور آہستہ آہستہ پریشان سی
آوازیں آئیں پھر خاموشی چھا گئی۔ چر کی آواز سے
دروازہ کھٹا ایک لمبا اور پلا ہوا آدمی باہر نکلا۔ "کون ہو؟
کیا بات ہے۔"

"تم ہر دیال ہو۔" اس نے گردن ہلائی۔ "تم
سے بات کرتا ہے۔" وہ شک کی نظروں سے ہمیں
دیکھتا رہا پھر احمد آنے کا اشارہ کیا۔ کمرے میں
دو چار پائیاں تھیں ان پر بیچے سو رہے تھے ایک طرف
لکڑی کا ٹوٹا ہوا دیوان تھا۔ اس نے ہمیں بیٹھنے کے
لئے کہا۔ "تمہارے لئے چائے بناؤں؟" میں نے

پڑے تھے۔ ہم بے آواز جلتے ہوئے برآمدے میں آئے جس میں جگہ جگہ لکڑی کے ستون تھے بائیں جانب کا برآمدہ خالی تھا۔ دائیں جانب کے برآمدے میں پرانی سوئی بیوں اور لکڑی کے چھوٹے چھوٹے پھنوں کا ڈھیر تھا۔ اسی ڈھیر کے پیچھے سے ہو کر میں جانے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ ایسے لگا جیسے پہاڑی جنگل کی خاموشی میں کسی نے گرنیڈ کا دھماکہ کر دیا ہو۔ یہی رائفل کی گولی ٹھانیں کی آواز سے لگی اور میرے دائیں بازو کو تقریباً چھوتی ہوئی گز گئی۔ میں نے سوئی بیوں کے ڈھیر پر چھانگ لگائی اور اپنے جسم کو لڑھکاتا ہوا اس کے ڈھیر کے پیچھے ہو گیا۔ میں نے بلال شاہ کو آواز دی میری آواز پوری نہیں لگی ہوگی کہ بلال شاہ نے اپنے دسی پستول کا فائر کر دیا۔ میں بیوں کے ڈھیر کے پیچھے سے کھسکا ہوا برآمدے کے ساتھ بنے لکڑیوں کے پھنوں سے بنائی گئی چھوٹی سی دیوار کی طرف بڑھنے لگا۔ میں فائر کر کے اپنے پر حملہ کرنے والے کو بھگانا نہیں چاہتا تھا۔ یکا یک ایک اور فائر کا کڑا کا ہوا۔ اور جیسی دیر میں کچھ سمجھ سکتا کوئی آدمی دھڑ دھڑ کرتا ٹوٹے کپ والے گیٹ کو جھٹکے سے کھول کر باہر نکلا۔ ہمارے دوڑ کر وہاں پہنچنے سے پہلے ہی وہ وادی کی اترائی میں غائب ہو گیا ہم اس گھر سے باہر نکل آئے ہری سنگھ کو یقین تھا کہ یہ ٹکڑہ ہی تھا۔ ورنہ ان رکھوں کا کوئی سرکاری شکاری ہم پر حملہ نہیں کر سکتا تھا۔ اسے کیا خبر کہ ہم کون ہیں ہماری کسی سے کیا دشمنی تھی ہم پر گولی دینی چلا سکتا تھا جسے پتہ تھا کہ ہم کون ہیں یا تو وہ ٹکڑہ ہو سکتا تھا یا دارو فہ کا آدمی جو ہمارے پیچھے بھیج دیا گیا ہو۔ ہر دیال نے کہا کہ اب دوسرے ڈاک بنگلے جانا ہوگا تین ایک میل کی چڑھائی تھی میں راتوں رات ہی یہ کام کرنا چاہتا تھا۔ دن کے اجالے میں ٹکڑہ پر قابو پانا مشکل ہو جاتا۔ یہ تین میل بلال شاہ نے منہ میں بیڑ بڑاتے اور ٹکڑہ کو

ہر دیال نے ہماری طرف دیکھا اور سمجھ گیا کہ آرام کی ضرورت ہے۔ ایک پتھر پر ہم بیٹھ گئے ہمارے سامنے اوپر اٹھتی ہوئی گھائی تھی جس کے دوسری طرف ہر دیال نے بتایا کہ کالی ہوزہ کا ڈاک بنگلہ تھا جس پتھر پر ہم بیٹھے تھے وہ ہر دیال کے حساب سے پہاڑ کے آخری حصے کے قریب تھا۔ جنگلی انکوروں کی بلیں ہر طرف نظر آ رہی تھیں باجور کا شہر میں میل پیچھے رہ گیا تھا تھوڑے آرام کے بعد ہم پھر اٹھے اور چل دیئے۔ اوپر پہنچے تو کالی ہوزہ کا ڈاک بنگلہ نظر آیا ہم کالی ہوزہ کے گاؤں کے اوپر چکر لگا کر گزرنے لگے۔ دو تین کوس کے بعد پتھر جنوبی راستے کی طرف پٹے ہر دیال کالی ہوزہ گاؤں سے ہٹ کر نکلتا چاہتا تھا۔ راستہ اب بہت دشوار ہو گیا تھا خطرناک اونچائیاں جان لیا اترائیاں گہری کھدیں پر شود پہاڑی نالے جن پر کوئی پل نہیں ہوتا۔ بلال شاہ ایک قریبی پتھر پر بیٹھ گیا۔ اب آگے جانا اس کے بس کی بات نہ تھی ہر دیال مسکرایا۔ اس نے اپنا تھملا زمین پر رکھا اور اس میں اسے ایک بوتل نکال کر اس میں شربت نما کوئی چیز گلاس میں ڈال کر بلال شاہ کو دی پھر گلاس میرے لئے بنایا کوئی دوا جیسا مگر بڑا مزیدار ڈانٹہ تھا۔ چند منٹ بعد ہی ہماری ٹھکن غائب ہو گئی۔ کالی ہوزہ کا گاؤں اب پیچھے رہ گیا تھا۔ ہمارے مغرب کی طرف دور تک دیو داس کے درختوں کا جنگل تھا۔ اس جنگل کے شروع میں ہی ایک چھوٹا سا گھر تھا۔ اس علاقے کی تمام رکھوں ڈاک بنگلوں اور شکار گاہوں کا ایک طرح سے ہیڈ کوارٹر تھا۔ ہماری آنکھیں اندھیرے کی عادی ہو گئی تھیں۔ ہمارا رخ اب اس گھر کی طرف تھا گھر کے ارد گرد لکڑی کی مضبوط باڑھی جس کا دروازہ لکڑی کے ایک بڑے کپ کے ساتھ بند تھا مگر نیم بند کیونکہ کپ ٹوٹا ہوا تھا۔ ہاڑھ کے اندر سبزی کی بلیں تھیں گیٹ سے برآمدے تک گھاس میں جگہ جگہ پتھر

یہ کوئلہ کے سیٹھی شوہز ہیں مزارق نہیں
شوہز نہیں اُتاروں گا جان دیدوں گا



میرے سیٹھی شوہز
اُتارو ورنہ دو
ٹکڑے کر دوں گا

KOTLAA SHOES OFFICE NO. 1, FIRST FLOOR, ISLAM ARCADE, UPPER RADAR CLOTHS,
16-MCLIBROADLAHORE-5400. PH. 314287-86. FAX NO. 7226293 E-MAIL: kotlaa@wol.com

کے آخری کونے میں کوئی زمین پر بیٹھا تھا اس کی پینہ دیوار کے ساتھ تھی۔ اس کے جسم کے پیچھے چھٹی ہوئی لائین کی بڑی کمزور روشنی آ رہی تھی۔ میں اس کی طرف بڑھا اس کا چہرہ زرد اور کمزور سا لگ رہا تھا۔ وہ گہری نیند میں تھا میں نے واپس جا کر ہر دیال کو اندر بلایا اس نے قریب سے اس آدی کو دیکھا اور دانت نکال دیئے۔ یہ یہاں کا چوکیدار ہے اسی ہے میں جواب دینے بغیر غسل خانے کے راستے باہر نکلا۔ اس ستون کے پاس سدا بہار کے اونچے اونچے پودوں کے پاس مجھے ایسے لگا کہ کوئی سنا یہ میرے پیچھے لہرایا ہے میں چیزی سے مڑا اس ایک سیکنڈ میں میں نے ایک آدی کو خود پر جھپٹے دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں لمبا سا چاقو تھا۔ دیوالور نکالنے کا موقع ہی نہیں تھا مجھے یاد ہے کہ ہانگل خواب کی طرح میرا دائیاں مکا اٹھا اور اس آدی کا چہرا گتے سے پہلے میرا مکا اس کے پیٹ کے اوپر والے حصے میں دب چکا تھا۔ چاقو اس کے ہاتھ سے اچھلا اور وہ دوہرا ہو گیا۔ ہر دیال نے رائفل گھما کر لاش کی طرح ماری پر اس کا اندازہ غلط ہو گیا۔ رائفل اس دوہرے ہوتے ہوئے آدی کے اوپر سے ہوتی ہوئی میرے بائیں کندھے پر لگی اور میں چکرا کر زمین پر گر گیا۔ ہر دیال میری طرف پکا اور وہ آدی آدھا ہوا ہو کر پھر چیزی سے اٹھا اور باہر کی طرف بھاگا۔ بلال شاہ نے مجھے زمین پر گرتے دیکھا تو میری طرف بھاگا اگر وہ ایسا نہ کرتا تو مجھ پر حملہ کرنے والا اس کے قابو آ سکتا تھا۔ میں چیزی سے اٹھا اور بلال شاہ کو پرے ہٹا کر اس آدی کے پیچھے بھاگا۔ چڑھتے دن کی ہلکی سی روشنی میں وہ ڈاک بنگلے کے پورچ سے نکل کر نیچے ذحلان کی طرف بھاگ رہا تھا۔ ہر درخت چٹان یا کھڈکی آڑ لے رہا تھا۔ ایک جانو کی طرح جو پائے کی طرح اس نے ہمارے دیکھتے دیکھتے شمال کی طرف جنگل میں پناہ لے لی۔ ہر دیال نے میرے

گالیاں دیتے ہوئے گزارے۔ ایک ادبھی کھائی کے پیچھے خود رو جھاڑیوں میں ہم رک گئے۔ ہر دیال نے ایک جھاڑی کے اندر صحر کر اس کی شاخیں توڑ کر دور بین نما سوراخ بنائے جن سے ہم سامنے دیکھ سکتے تھے۔ سامنے ہی اونچا اور بڑا عالی شان ڈاک بنگلہ تھا۔ ادبھی چٹان کاٹ کر بنایا گیا تھا اس کے پیچھے چڑھ کے جنگل تھے ڈاک بنگلے کی ایک کھڑکی سے بڑی مدہم روشنی نکلی رہی تھی باقی عمارت اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ میرے پیروں کے پاس سرسراہٹ ہوئی، خرگوش گزر رہے تھے۔ ان کی آنکھیں لال انگارہ تھیں۔ ہر دیال نے آسمان کی طرف دیکھا، وہ ستاروں کے ذریعے وقت معلوم کر رہا تھا۔ میرے پاس گھڑی تھی لیکن ہا جوڑ کے اس جنگل کے بے پناہ اندھیرے میں بالکل بے کار تھی۔ ہری سنگھ کے حساب سے رات ختم ہونے میں نہیں ایک دو گھنٹے باقی تھے۔ دن نکلنے سے پہلے ہمیں اس ڈاک بنگلے کے اندر ہونا تھا۔ ورنہ تلوار نکل جاتا میرے خون نے جوش مارا میں اٹھ کر بھاگنے لگا پتھر کھڈے جھاڑیاں سب روند رہا تھا۔ بلال شاہ میرے پیچھے اور اس کے پیچھے ہر دیال تھا۔ میں ڈاک بنگلے کے پیچھے پہنچ گیا اور جنگل سے نکل کر عمارت کے اندر آنے میں پانچ منٹ لگے۔ مجھے ایسے لگا جیسے ایک کھڑکی کے پیچھے سے مجھے کوئی دیکھ رہا ہے۔ میں ایک ستون کی اوٹ میں ہو گیا اگر یہ تلوار تھا تو مجھے آسانی سے گولی مار سکتا تھا میں نے عمارت کے گھن میں داخل ہوتے ہوئے بلال شاہ اور ہر دیال کو نیچے لیٹ جانے کا اشارہ کیا خود دے پاؤں کھڑکی کی طرف بڑھا۔ یہاں کوئی پہریدار نہیں تھا۔ کھڑکی کا اوپر والا شیشہ ٹوٹا ہوا تھا میں نے کھڑکی کا دروازہ کھولا اور اندر کود گیا۔ بلال کو میں نے باہر رکنے کا اشارہ کیا۔ یہ غسل خانے کی کھڑکی تھی۔ غسل خانے سے باہر ایک راہداری نکل رہی ہے کوریڈور

دوسرے کے نئے بہت کچھ کرتے ہیں اور ان کی حکومت چلانے والوں کا دوسرے راجیوں ریاستوں سے کھانا پینا اکٹھا ہوتا ہے۔ گجرات سنگھ کا مفروضہ ان سب کا مفروضہ ہوگا۔ گویا ہریال مجھے ڈرا رہا تھا کہ شاید چار ریاستوں کی پولیس میرے پیچھے ہے اور میں تو وہ ڈاکو کے پیچھے جو یہاں کا سرکاری شکاری بنا بیٹھا ہے۔ ہم اس کھنڈر سے اب باہر نکلے۔ اب جنگل گھٹنا نہیں رہا تھا آخر یہ ختم ہو گیا اور سامنے پہاڑ جیسی چٹانیں کھڑی تھیں انہی چٹانوں کے پار تو وہ سنگھ ہو سکتا ہے۔ جس ریست ہاؤس سے ہم نکلے ہیں اور توہ بھی لگتا ہے میرا دشمن ہے کہ وہ انہی یہ چٹانیں عبور کر کے اپنے نھکانے پر نہیں پہنچا ہوگا۔ راستہ بڑا جان جو حکم کا ہے۔ رات سر پر آ رہی ہے تو ہمیں گزار لیتے ہیں دن چڑھے نکل جائیں گے۔ وہ کھوہ تلاش کرنے لگا میں اور بلال شاہ مشورہ کرنے لگے ہماری آوازیں آہستہ تھیں کہ ہریال سن نہ لے۔ میرا خیال تھا کہ اس شکاری نے شاید ہمیں اٹھایا دیا ہے۔ تھا وہ بھی اسی راجوڑے کا ملازم اپنے راجا کی محنت سے کیوں غدار کی کردہا ہے شاید پیسے کے لالچ نے اسے یہ کارہ نہ پر آمادہ کیا تھا۔

"خان صاحب! توہ سنگھ آدمی ہے کہ چھلاوہ سے کہ چند دن میں وہ اس قدر شوہر پہاڑی اور جنگل کا علاقہ عبور کرے۔ پانڈے پر چلا جاتا ہے۔" میں نے ہاتھ اٹھا کر اسے بتا دیا۔ نئے سے روک دیا۔ مجھے ہلکی سی ڈھنک سے محسوس ہوئی میرے ذہن نے فوراً اس طرح اس کا منساں کیا جس طرح دوست اور دشمن کی آمیت کا احساس ہوتا ہے۔ میں نے ہنسی سے اپنے منہ سے وقت جتنے وقت میں بنا سروس ریوانڈ نکلا اور اس تھڑکی کی طرف کر لیا جہاں سے اواز آئی تھی میں اسی وقت کسی نے پیچھے سے گولی مار لی مجھے بندھا گیا۔ ہاتھ کڑھ کی باتش کا احساس ہوا قسمت اچھی تھی گولی ہاتھ چھو کر نہ گئی تھی بلال شاہ اور میں نے تقریباً ایک ہی

بازو پر ہاتھ رکھ کر مجھے روک لیا۔ صاحب بہادر یہ جنگ ہے آپ جوان ہیں جی دار بھی ہر جنگل کے قانون اپنے ہیں اس قانون کو ماننے والا ہی یہاں زندہ رہتا ہے۔ توہ جہاں جائے گا مجھے معلوم ہے ہریال فوراً واپس ریست ہاؤس کے اندر چلا گیا اور ایک تھیلا لے آیا۔ ہم بھی ڈھلان سے اترے جنگل کا یہ حصہ چھوٹا ہی تھا جھاڑیوں سے گزر کر باہر نکلے جھاڑیوں کے پار ویران میدان تھا۔ پھروں کے ذمیر ہی ڈمیر ہر طرف تھے شاید یہ کسی سوکھے ہوئے نالے کی نزر گاہ تھی دور ایک ہلکی سی پانی کی لکیر تھی اس لکیر کے کنارے اونچی چٹان تھی جس میں میٹھیوں کاٹی گئی تھیں اور پر ایک شوالہ بنا ہوا تھا۔ شوالے مندروں کے ساتھ چھوٹی چھوٹی عمارتیں ہوتی تھیں جن میں مسافر ٹھہرتے تھے۔ یہ شوالہ جس میں ہم پہنچے پتہ نہیں کئی سو سال پہلے بنایا گیا ہوگا۔ دیواریں کالی ہو چکی تھیں میٹھیوں پر کالی تھی شاید برسات میں نالے کا پانی ان کے اوپر سے گزرتا ہو۔ ہریال نے شوالے میں کھنچ کر رسد کا سامان لکھنا چھینے سے کھانے پینے کی چیزیں نکالیں بلال شاہ ان پر ٹوٹ پڑا۔ اس دیو کو کھائے بغیر ایک دن نہ ایک رات ہو گئے تھے ہم نے احتیاطاً اسے کھورنا استعمال کیا۔ کھانے کے بعد جسم میں جان نہ رہی اور بے سدھ ہو کر ہم لیٹ گئے۔ بلال شاہ تو خرانے لینے لگا مجھے بھی اٹھ آئی۔

کچھ دیر آرام کے بعد ہم اٹھ بیٹھے۔ ہریال نے چہرے پر فکر کے آثار تھے۔ جس کام کو آسان سمجھا تھا وہ مشکل نکلا۔ خود مجھے بھی احساس تھا کہ داروغہ اب تک اپنی ریاستی پولیس ہمارے نرپالگا پہنچاؤں۔ اس وقت ہریال کی یہی سوچ رہا تھا۔ اس نے اس خوف کا اظہار بھی کر دیا۔ جس جگہ ہم بیٹھے ہیں، یہ دو سالہ ہے یہاں سے چار راجوڑوں کی سرحدیں شروع ہوتی ہیں یہ راجا اپنی پر جا اور عینا کے لئے خواہ کچھ نہ کریں ایک

دیسنے کے لئے میری طرف آیا تھا مقصد اس کا یہی تھا کہ قریب کی دوسری جھاڑیوں میں غائب ہو جائے اور اس نے ایسا ہی کیا۔ بلال کی چھلانگ ہوا میں ہی رہی اور ٹوہ سانپ کی طرح دوسری طرف کی جھاڑیوں میں رینگ گیا۔ ہر ویل ختم ہو چکا تھا اور اس علاقے میں ہم اٹھان تھے۔ ہمارا مقابلہ ٹوہ سنگھ سے تھا جو اس علاقے کا چپہ چپہ جانتا تھا۔ میری طبیعت بے چین ہو رہی تھی مجھ پر چلائی گئی گولی سے بڑی نہیں ٹوٹی تھی البتہ گوشت پر ہلکا سا زخم آیا تھا۔ یہ وقت مرہم بنی کا نہیں تھا۔ میں نے بلال کا ہاتھ پکڑا اور ہم بھی اندازے سے انہی جھاڑیوں میں رینگ گئے یہ جھاڑیاں صرف ایک فرلانگ تک ہی پھیلی ہوں گی۔ اس کے بعد ہم باہر تھے میں باہر نکل کر جو کچھ دیکھ رہا تھا اس پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ سامنے نیچی جگہ تھی جیسے کسی نے زمین کو نیچے دبا دیا ہو اس کے بعد ٹیلا اونچائی زیادہ نہ تھی لیکن دور تک پھیلنا ہوا تھا۔ ٹوہ نیسے کی آدمی بلندی طے کر کے نیم دائرے کی شکل میں پرلی طرف اتر رہا تھا دیکھتے دیکھتے وہ غائب ہو گیا۔ میں نے اور بلال شاہ نے دوڑ لگا دی اب اگر ٹوہ ہمارے ہاتھ سے نکل جاتا تو پھر وہ غائب ہو جاتا۔ ہم اسے شاید تلاش نہ کر سکتے۔ نیسے کے پھل طرف پہنچے تو روح ظاہر ہوئی۔ ایک گہری دراز یہاں موجود تھی۔ ہزاروں فٹ گہری اس میں درخت لگے ہوئے تھے ان کی جڑیں اس وراڑ کے کناروں میں تھیں کبھی کوئی چٹان کا ٹکڑا آ کر وراڑ میں خوفناک آواز پیدا کرتا۔ نیچے گہرائی کی طرف جاتا سنا کی دیتا تھا۔ اس پر ایک درخت کا تنا جھکا ہوا تھا ٹوہ اس پر سے گزر کر دوسری طرف جا چکا تھا میں نے اس تپتے پر چھلانگ لگائی اور بلال شاہ سے کہا کہ پیچھے آ جاؤ کوئی ایک سو فٹ کا فاصلہ ہم نے نہیں صراط کی طرح طے کیا۔ ہلی سے نکل کر ترائی میں آئے تو سامنے ہی نکڑی کے تختوں سے بنا شکاریوں

وقت میں جھاڑیوں کی طرف چھلانگ لگائی۔ ہر ویل بھی شاید وہیں دھک گیا تھا مجھے اس کا تھیلا اور بندوق سامنے چٹان کے ساتھ رکھے دکھائی دیئے۔ ہم پر حملہ کرنے والے نے ڈاک بنگلے کے بعد دوسری کوشش کی تھی اس کا مطلب تھا کہ یہ ٹوہ ہی تھا۔ اور وہ بھی ہمارے آس پاس ہی تھا۔ ایک بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی یہ آدمی بہادر بھی تھا ہم پر حملہ بھی کر رہا تھا اور پھر فرار ہو جاتا تھا شاید وہ نہیں چاہتا کہ ہم اس علاقے سے زندہ بچ کر نکل جائیں اسے داروغہ نے یقینی طور پر ساری بات سے آگاہ کر دیا ہوگا۔ اسے علم ہوگا کہ اس کے پیچھے آنے والے کون ہیں۔ میں نے وہیں کھڑے کھڑے فیصلہ کر لیا۔ میں نے ٹوہ کو آواز دی ٹوہ سنگھ اگر تم ہو تو سامنے آ جاؤ اگر تم بڑے شیر بننے ہو یا رکھنا میرا نام بھی نواز خان ہے اگر میں یہاں تک تمہارے پیچھے آ سکتا ہوں خود تمہارے علاقے میں تو یہاں سے جہاں بھی جاؤ گے میں تمہارے پیچھے ہوں گا۔ میری اس آواز پر بلال شاہ حیرانگی سے میری طرف دیکھ رہا تھا آواز کی گونج چٹانوں میں تھی یہ گونج ختم نہیں ہوئی تھی کہ قریب سے ہی ایک لونچا قبچہ لگا اور کوئی زور سے بولا مجھے پکڑ سکتے ہو تو پکڑ لو۔ اچھا تھا مورخین کو ہی ساتھ لے آتے آوازمین کر میرا خون کھول گیا۔ سوچ ہی رہا تھا کہ اب کیا کروں کہ پھر گولی چلی۔ میں نے چونک کر سامنے دیکھا ہر دیاں زمین پر گرا رہا تھا پھر قبچہ لگا تمہیں یہاں لانے والے کا دیکھ لو کیا حشر ہوا ہے۔ یہ قبچہ میری برداشت سے باہر ہو گیا۔

میں نے ایک جھاڑی کا اندازہ لگا کر فرار کیا۔ ہلی سی چیخ نکل اور ایک لمبا چوڑا مضبوط آدمی جھاڑیوں سے نکل کر میری طرف آیا۔ ایک ہاتھ میں رائفل رنگ سا نولا بڑی بڑی موٹھیں، قد چھ فٹ سے لگتا ہوا تھا۔ اس میں بلا کی پھرتی تھی بلال شاہ نے اس کے قریب آنے سے پہلے ہی اس پر چھلانگ لگائی لیکن وہ واقعی چھانڈو تھا۔ مجھے جھوٹ

پچاس فٹ لمبا اور تیس فٹ چوڑا لکڑی کا کمرہ تھا۔ لکڑی کے ہتھیروں پر جھاڑیاں ڈال کر پھت بنائی گئی تھی لکڑی کی چارپائی تھی جس پر لکڑی کے تختے لگے ہوئے تھے۔ سامنے کی دیوار پر پھتے اور جنگلی جانوروں کے سر لگے ہوئے تھے۔ یہ مہاراجہ کے شکاریوں کے کیبنوں میں سے ایک تھا۔

ایک کونے میں تہہ کی ہوئی کھائیش تھیں۔ سارے کمرے میں وحشی جانوروں کی ان کھالوں کی بدبو تھی کیبن کے اندر ایک اور دروازہ تھا۔ شاید یہ کیبن اندر سے دو حصوں میں تقسیم تھا۔ ٹلوہ اس دروازے کی طرف کھسکا مگر میرے ٹھنڈے نے اس کے پیٹ میں الجھل جھاکی ہوئی میں اسے ٹھنڈوں پر رکھنے ہی والا تھا کہ بلال شاہ نے اسے جھمے میں لے کر زمین پر دھڑام سے گرا دیا۔ مجھے حیرانگی ہوئی چھوٹا یہ زاکو اور بلال کے ایک ہی رٹھے سے زمین پر جا کر اچھر مجھے یاد نہیں کہ یہ ہوا تھا ہم دونوں نے اسے وحشیوں کی طرح مارا۔ میں کسی عورت کی چیخوں سے ہوش میں آیا۔ ٹلوہ جس دروازے کی طرف لپکا تھا اس میں ایک نوجوان عورت نما لڑکی کھڑی تھی آنکھوں میں آنسو اور منہ پر ہاتھ رکھے وہ بدمعاشی طرح رو رہی تھی۔ بلال کا ہاتھ ٹک گیا اور میں نے بھی ایک لمحہ بھر ٹلوے کی طرف سے دھیان ہٹایا اسی وقت ہی ٹلوہ اتنی مار کے باوجود کھسکا اور اس کی رائٹس اس کے ہاتھ میں تھی۔ میں نے اس عورت کو تھپتھپایا ٹلوہ مجھ پر قاتر کرنے ہی والا تھا کہ ٹک گیا۔ اس کے منہ سے خون کی کیر نکلی رہی تھی بال کے گھونٹوں سے اس کے ہونٹ پھٹ چکے تھے۔ اس کی نظر میرے چہرے پر ٹھہر رہی تھی۔ ہونڈر کو چھوڑ دو۔ اس نے زمین پر خون تھوک کر بڑی نفرت سے میری طرف اشارہ کیا۔ میں نے بلوئدر کو

کا کیبن تھا۔ ٹلوہ اس میں گھس گیا تھا ہم ایک بڑے سے پتھر کی آڑ لے کر بیٹھ گئے اب میں ٹلوہ سنگھ کو مزید مہلت نہیں دے سکتا تھا میں نے بلال شاہ سے کہا کہ وہ حملے کے لئے تیار ہو جائے۔ میں نے اپنا سرویس ریواگور اور بلال شاہ نے اپنا دیسی پستول نکال لیا اور ہم کیبن کے دروازے کی طرف دوڑ پڑے دروازے سے دور تھے کہ اندر سے ٹلوہ کا فائر آیا۔ میں نے اور بلال نے شاید اکٹھے فائر کئے گولیوں دروازے سے گزر گئیں میں نے پھر فائر کیا میری آواز میں بہت سخت غصہ تھا۔ "ٹلوے! باہر آ جاؤ میرا نام لواز خان ہے اور میں تمہیں ساتھ لے کر جاؤں گا۔"

"میرا نام بھی ٹلوہ ہے! ادھر سو میل کے دائرے میں گجراج سنگھ کا راج ہے اور میں اس کا ملازم ہوں یہ سو میل گزارو گے تو اس حد سے باہر نکلو گے۔"

میں نے شدید غصے میں ادھر ادھر نظر دوڑائی دو سو گز کی چڑھائی کے بعد جنگل گھٹا ہوتا جا رہا تھا۔ درختوں کی جنگلیاں بنی ہوئی تھی آسمان نظر میں نہیں آتا تھا غصے کی حالت میں میرے منہ سے گالیوں کی بو جھاڑ نکلی تھی۔ میں نے سوچا کہ دیکھا جائے گا اور اٹھ کر کیبن کی طرف آخری چھلانگی لگانا شروع کروں اندر سے ٹلوے نے قاترنگ کھول دیا۔ صرف ایک گولی میرے بازو سے ٹکرائی وہ بھی خطرناک ثابت نہ ہوئی میرے ٹھنڈے نے کیبن کا دروازہ دھڑاک سے کھول دیا اندر اندر میرا سنا تھا ایک دو سیکنڈ میں نے بہت ہی خطرناک حالت میں گزارے ٹلوہ کافی دیر سے اندر تھا اور اس کی آنکھیں اندھیرے میں دیکھ سکتی تھیں میں تازہ باہر سے آیا تھا اس لئے ایک دو سیکنڈ کچھ نظر نہیں آیا۔ اس عرصے میں ٹلوہ مجھے گوبنی مار سکتا تھا لیکن شاید اس وجہ سے نہ مار سکا کہ میرے پیچھے ہی بلال شاہ اندر گھس آیا تھا میری آنکھیں اندھیرے میں دیکھنے لگیں یہ کوئی

ہری سنگھ اپنے بھائی کی موت پر باولا سا ہو گیا۔ کیس کا چالان تیار کرنے میں مجھے کوئی مشکل پیش نہ آئی ہری سنگھ نے اقبالی بیان دے دیا اور عدالت میں بھی اپنے بیان پر قائم رہا چونکہ نکوہ مارا گیا تھا اس لئے اس کیس میں بڑے ملزم کی مدد کرنے پر اس کے بھائی کو عدالت نے عمر قید کی سزا دی بعد میں دلبر سنگھ نے اوپر والی عدالتوں میں اپیلیں کیں جس کے بعد یہ سزاسات سال میں تبدیل ہوئی۔

دلبر کے گھرانے میں سے اس کا ماما قتل ہو چکا تھا ایک چچا قتل ہو گیا دوسرا قید ہو گیا۔ ماں اور بلوندر کی دیکھ بھال اس پر آ پڑی مگر ایک دن وہ مجھ سے مشورہ کرنے تھانے آ گیا۔ وہ فوج چھوڑ کر کھیتی باڑی کرنا چاہتا تھا میں نے اسے مشورہ دیا کہ ایسا نہ کرے۔ گور مخسن سنگھ کے گھر والوں نے اس کی زندگی حرام کر دینا تھی۔ فوج میں اسے حفاظت تو مل سکتی تھی میرے مشورے پر اس نے عمل کیا بلوندر سے شادی کر کے اسے اور ماں کو چھاؤنی ساتھ لے گیا گور مخسن سنگھ مجھ سے ناراض ہی رہا۔

وہ نکوہ کو قتل کرانا چاہتا تھا اور میری ذیونہ کو اپنے انتقام کی آگ میں رکاوت سمجھتا تھا۔ میں نے رگھویر سنگھ کو صاف کہہ دیا کہ اپنے باپ کی زمینداری کی دھونس چلائی چھوڑ دے اپنی بد معاشیوں میں وہ دو بھائی مروا چکا ہے ایسا نہ ہو کہ اب باپ کو بھی مروا لے یا خود پارہ ہو جائے۔ میری اناری میں تعیناتی تک نور رگھویر اپنی حرکتوں سے باز ہی رہا۔ دلبر سنگھ کبھی کبھار مجھے ملنے آ جاتا تھا خدا جانے اب یہاں اور کس جگہ : موگا۔ آج بھی کبھی کبھی مجھے نکوہ نے ساتھ مقابلہ آنکھوں کے ساتھ بتاتا ہے۔

آگے کی طرف دھکا دیا نکوہ میری طرف بڑھا اس کی انگلی بندوق کے گھوڑے پر مچی اور یہ آدھا دب چکا تھا کہ بلال کی لالت نے اس کا منہ نکوہ کی طرف اٹھا دیا اور پھر گولی کے دھماکے کے ساتھ ہی نکوہ کے منہ گوشت کا بڑا سا ٹھنڈا نظر آنے لگا۔ وہ دائرے کی شکل میں گھوم کر زمین پر جا پڑا۔ بلوندر تیر کی طرح اس پر مچی اور چھین مار کر رونے لگی اس کی چیخوں کے ساتھ ہی اس کمرے سے ایک اور عورت برآمد ہوئی اور نکوہ کی لاش سے چھٹ گئی یہ ہری سنگھ کی بیوی تھی۔

نکوہ سنگھ مر چکا تھا۔

چند لمحے تو میں اور بلال اپنے حواس درست کرتے رہے جس قاتل کو میں پکڑنے آیا تھا وہ اپنی ہی گولی سے ختم ہو چکا تھا۔ میں نے بلوندر کو اپنے پتا کی لاش پر جی بھر کر رونے دیا پھر ہمارا واپسی کا سفر شروع ہوا۔ یہاں آئے تو ہم دو تھے واپسی پر ہمارے ساتھ ایک جوان لڑکی اور اس کی چوتھی دو لاشیں بھی ہونے لگیں۔ نکوہ سنگھ اور ہر دیال کی لاشیں یہاں آتے ہوئے ہر دیال ہمیں جس راستے لایا وہ ٹھوڑا بہت میرے ذہن میں نقش ہو گیا تھا ہم نے نکوہ کی لاش وین چھوڑی اور یوں مشکل سے بلوندر کو اور چوتھی کو ہاتھ لے کر واپس باجوہ پہنچے۔ داروغہ ہراج سنگھ ہاری حاش میں تھا اور سخت غصے کی حالت میں تھا۔ میں نے اسے ٹھنڈا کیا کہ اگر وہ کسی راجاڑے کا تانے دار ہے تو میں انگریز حکومت کا ملازم ہوں اور اس کے خلاف وائسرائے نے دفتر میں حکایت بھی کی جاسکتی ہے۔ اسے یہ سن کر وہ ہنس پڑا اور نکوہ کی لاشیں اٹھوانے کا کہا اور بلوندر اور اس کی چوتھی کو لے کر اپنے علاقے میں آ گیا۔



”عوام کے سلگتے مسائل“

ملک میں کرپشن، لوٹ مار، ہشت گردی اور اخلاقی جبرائے عروج پر ہیں!

عارف محمود اہل



عام آدمیوں کا ہے اس سے آگے نہیں تو کرپشن اور
 لوٹ مار سے زیادہ دہشت گردیوں آتا اور سب سے
 زیادہ بات یہ کہ تمام سڑکیں آگے ہونے لگیں
 اور ان سے بکن ہو جائیں اور سب سے زیادہ
 یہ سڑکیں ہونے لگیں اور ان سے زیادہ ہونے لگیں
 مصوبہ عدالتوں سے 18 سے 20 کروڑوں میں
 لڑنے کے گاؤں کے لوگوں کو جس سے کہہ سکتے ہیں

سبکی کرپشن اور لوٹ مار بھی نہیں ہوتی ہے
 سے نہیں جو عوامی آفتوں میں ہونے لگیں
 لوٹ مار کے جو عالمی سے جس طرح رہتے ہوتے
 ہوتے ہیں عوامی کا بڑا بچاؤ ہے۔ وہ لوگوں
 مردوں کا دھبہ ہے اور ان سے بڑی ہی اہمیت ہے
 ہوں سکتے ہیں۔

Scanned By Amir

دارداتوں کا جائزہ لیں اس سے آپ کو خود اندازہ ہو جائے گا کہ ہماری پولیس کیا کر رہی ہے یہاں ہم ایک ہی دن کی جرائم کی کچھ خبروں کو حوالے کے طور پر پیش کرنا چاہیں گے۔

1۔ لاہور میں 14 سالہ لڑکا زیادتی کے بعد قتل، لواحقین اور نزل علاقہ کا شدید احتجاج۔

2۔ فیصل آباد میں کسٹمر کے کی لاش برآمد۔

3۔ سانحہ پولیس لکڑی میں حملہ آور کی معاونت کرنے والے دو پولیس اہلکار گرفتار۔

4۔ ماڈل بننے کی خواہش مند لڑکی اریبہ کی آبرو ریزی کر کے طرمان اس کی لاش بیگ میں ڈال کر لاری اڈے پر چھوڑ آئے۔

5۔ اسلام آباد ہاتھ روم سے غیر ملکی صحافی کی لاش برآمد، خاتون صحافی کا تعلق روس سے ہے جسم پر تشدد کے کوئی نشانات نہیں۔

6۔ لاہور میں دیر بندہ دہشتی پر 25 سالہ نوجوان کو قتل کر دیا گیا۔

7۔ شاہدہ ڈون پولیس نے چیکنگ کے بہانے 200 ڈالر اڑائے۔

8۔ جوہر ٹاؤن میں 45 سالہ شخص اغوا کے بعد قتل پوری بند لاش برآمد۔

بظاہر ان وارداتوں کی ذمہ دار پولیس نہیں۔ عوام اس وقت منگنی بیروزگاری اور لوڈ شیڈنگ کے باعث وقتی وباؤ کا شکار ہیں اس کے نتیجے میں قتل، خودکشیوں اور دیگر وارداتیں ہورہی ہیں ان جرائم کی روک تھام کے لئے اولین شرط تو یہ ہے کہ حکومت عوام کی معاشی بد حالی کا سدباب کرے۔ خاص طور پر سستا اور فوری الصاف مہیا کرے مگر حکومت کا اپنا یہ حال ہے کہ ہر قومی ادارہ نوپیشن اور نوٹ مار کی آجگاہ بن چکا ہے۔ سیاسی بنیادوں پر فہرستی کئے گئے ہیں، اعلیٰ عہدہ دار نہیں جنہیں حکومت کی آشریں باد صاع

یہ کچھ کہنے اور سننے کی بات نہیں آج اسلامی جمہوریہ پاکستان اسلام اور جمہوریت تو خیر بس تکلف کے لئے ہی رہ گئی ہیں جبکہ زندگی کے تمام شعبوں پر مافیا کا راج ہے۔ لینڈ مافیا اس ملک میں سب سے زیادہ مضبوط ہے۔ اس کے علاوہ مہنگائی مافیا، بلیک مارکیٹنگ مافیا، غنیمت مافیا، ڈرگٹ کلنگ مافیا اور نہ جانے اس طرز کے کتنے مافیا ہیں جنہوں نے اس ملک کے مظلوم عوام کا جینا حرام اور زندگی کو جینے کی سزا عطا دیا ہے۔

جرائم کو کنٹرول کر نہوالی پولیس فورس جس کا قبلہ کبھی درست نہ ہوسکا حتیٰ کہ اعلیٰ عدلیہ نے بھی اس کو لاعلاج قرار دے دیا اب نہ جانے کس بھلے کی تجویز پر پنجاب پولیس کی ورہی کارنگ تبدیل کرنے کا منصوبہ بنایا جا رہا ہے۔ جس کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ بجٹ میں ورویوں کے نئے رقم مختص کی جائیگی۔ ذرائع کے مطابق آئی جی پنجاب سے لیکر ایک پولیس کانسٹیبل تک کی وروی تبدیل ہوگی۔ مگر سوال یہ ہے کہ وروی کا رنگ تبدیل کرنے سے کیا پولیس والوں کی ذہنیت اور سوچ بھی بدل جائے گی کیا وہ جرائم مافیا کی سرپرستی چھوڑ دے گی اور سیاسی اثر و رسوخ سے بھی باہر نکل آئے گی۔ کیا وروی کا رنگ تبدیل کرنے سے وہ عوام دوست بن جائے گی اور کیا اس سے ہمارے تھانے جو خوف کی علامت بن چکے ہیں وہاں سے عوام کو ٹھنڈی ہوائیں آیا کریں گی یقیناً ایسا ہرگز نہیں ہے اور اگر وروی کا رنگ تبدیل کرنے سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا تو پھر کیوں یہ تکلف کیا جا رہا ہے اگر اس بہانے کسی چارٹرس کمپنی کو ٹھیکے کے ذریعے فائدہ پہنچانا مقصود ہے تو اس کے اور کئی طریقے ہیں ایسے میں وروی تبدیل کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

مگر پولیس و کارکردگی کی بحث ہو تو کسی ایک دن کا کوئی بھی قومی اخبار اٹھا کر دیکھیں اس اور ایک دن میں ہونے والی قتل چوری ذہنی اور زنا بالجبر کی

انجام

میرے گاؤں سے تقریباً دو فرلانگ کے فاصلے پر ایک دوسرا گاؤں ہے۔ وہاں شیرا فقیر نامی ایک شخص رہا کرتا تھا۔ تقریباً چھ لاکھ روپے کا۔ آواز خوب کراری تھی۔ "بیر" شوق سے گایا کرتا، لیکن تھا بہت ہی جاہل، اکثر مزاج ماں سے بہت بد تمیزی سے پیش کرتا۔ گالیاں دیتا اور ہاتھ بھی اٹھانے سے دریغ نہ کرتا۔ شیرے کی شادی ہوئی تو اسے نیوی نیم پاگل بی بی۔ وہ اس کی بد مزاجی اور غصیے پن کی وجہ سے کھل پھل ہوئی۔ بچے ہوئے تو وہ جسمانی اور ذہنی اعتبار سے معذور تھے۔ شیرے کا حشر بڑا ہی جبروت ناک ہوا۔ اس کے گئے بھانجے نے اسے نہر کے کنارے پر گولی مار کر قتل کر دیا۔ وہ گرفتار ہوا، مگر چھ ماہ بعد ہی ضمانت پر رہا ہو کر آئینہ کی کوئی بھی شخص قاتل کے خلاف گواہی دینے پر تیار نہیں ہوا تھا۔

ہے وہ خود بھی بہتی لنگا سے ہاتھ دھو رہے ہیں اور اپنے سر پر ستوں کو بھی فائدہ پہنچا رہے ہیں کونسا ایسا حکمہ ہے جس کے ذمہ داران کے ہاتھ کیسٹن رشوت اور کرپشن سے نہیں رکتے ہوئے حتیٰ کہ قومی کھیل کرکٹ کو جو اٹھانے ہائی جیک کر لیا ہے۔ قومی وقار اور عزت کو بیجا جا رہا ہے اور جس قومی کرکٹ ٹیم کا چیف سلیکٹر ورلڈ کپ کے دوران کسی میں پایا جائے اور ٹیم کرکٹ کی گراؤٹ میں ذلت آمیز شکست پر شکست اٹھائے جارہی ہو اس کے بارے میں بھی چیئر مین پی سی بی یہ کہتے کہ وہ جائزہ لے رہے ہیں ثبوت ملیں گے تو کارروائی کریں گے یہ سب ملی بھگت نہیں تو اور کیا ہے۔ اب تو ایسا لگتا ہے کہ یہ سب کچھ سوچی سمجھی سازش کے تحت ہوتا ہے۔ چوری کرنے اور چور پکڑنے والے دونوں ایک ہی ڈگر پر چل رہے ہیں انصاف کہیں بھی نہیں ہے۔ جیسا کہ ہم نے سطور بالا میں ذکر کیا کہ جب قانون سازی کرنے والے اداروں کے ارکان بھی ہارس ٹریڈنگ کریں گے تو پھر اس ملک میں قانون کی عملداری اور بالادستی کہاں ہوگی اگر ان اداروں میں بیٹھے لوگ اتنے ہی ایماندار ہوتے تو حکومت کو ہارس ٹریڈنگ روکنے کے لئے آئینی ترمیم کا فیصلہ کیوں کرنا پڑتا۔

ذرائع کے مطابق آئینی ترمیم پر اپوزیشن سے مشاورت آخری مرحلے پر ہے اب یہ بھی تجویز ہے کہ انتخابات خفیہ بیٹ کی بجائے شو آف ہینڈ سے کرائے جائیں مگر سوال یہ ہے کہ آئینی ترمیم سے ارکان کو ہارس ٹریڈنگ سے روکا تو جاسکتا ہے مگر ان کے ذہن اور سوچ کو تو تہ میں نہیں کیا جاسکتا۔ انہیں جب بھی موقع ملے گا قانون سے بچا کر وہ وہی کچھ کریں گے جس مقصد کے لئے وہ منتخب آئینی اداروں میں آکر براجمان ہیں۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ قومی خزانے پورے کرنے کے لئے جب بھی

جی ایس ٹی کا نفاذ ہوتا ہے یا اضافی ڈیولپمنٹ لگائی جاتی ہے اس کا سارا بوجھ غریب عوام پر ہی ڈال دیا جاتا ہے مگر جو با اثر اور با اختیار لوگ یہاں سے دولت نیر قانونی ذرائع سے سمیٹ کر ہا ہر نکل کر دیتے ہیں ان سے کوئی باز پرس نہیں ہوتی۔ اس سلسلے میں ذرائع کے مطابق 24 ارکان پارلیمنٹ نے بیرون ملک اثاثوں کا اعتراف کر لیا ہے۔ جمع کرائے گئے گوشوارے میں 1173 میں سے 715 نے کوئی جواب ہی نہ دیا 80 فیصد سے زائد ارکان نے آمدنی میں گزشتہ سال اضافہ یا کمی کا کوئی جواب نہ دیا جن 24 ارکان پارلیمنٹ کا تذکرہ کیا گیا ہے بیرون ملک ان کے اثاثوں کی مالیت 1.4 ارب روپے بتائی جاتی ہے ان میں 620 ملین روپے کی جائیداد 6 ارب 500 ملین روپے کی جائیداد پنجاب اسمبلی

کے 7 اراکین جبکہ 215 ملین روپے کی جائیداد
سندھ اسمبلی کے اراکین کی ملکیت ہے۔

پہلے جرائم سے لیکر منتخب آئینی اداروں کے اراکین
کی کرپشن تک جن واقعات کا ہم نے ذکر کیا ہے کیا
اس کے بعد ہم اس ملک کے روشن مستقبل کا خواب
دیکھ سکتے ہیں؟ ذرا اور آگے بڑھیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ
روشن مستقبل کے لئے کسی بھی قوم کے لئے تعلیم اور
نعت شرط اولین ہوتی ہے مگر یہی دو شعبے ہیں جہاں جی
بھر کر کرپشن اور لوٹ مار کی جاتی ہے پچھلے دنوں ہائر
انجیکشن کے سرکاری شعبے میں کمرزوں کی کرپشن کا
سیکڑوں ماٹھے آیا جس کی اعلاوی جاری ہے جہاں
تک صحت کا تعلق ہے تو اس کا بھی اللہ بڑا حافظ ہے۔
مثلاً مغربی ممالک میں جن ادویات کی ایکسپائری ڈیٹ
میں چند ماہ باقی رہ جاتے ہیں وہ ادویات 25 فیصد پر
ہمارے ملک کی کمپنیاں خرید لیتی ہیں اور ان پر نئے
سرے سے ایکسپائری ڈیٹ لکھ کر لپٹے ہم وطنوں کو
کھلا دی جاتی ہیں۔ اس سے نئی انسانی جانیں ضائع
ہوتی ہیں اور کئی لوگوں کی صحت برباد ہوتی ہے اس
سے کسی کا کوئی تعلق نہیں۔ ہم دوست ملک چین کی ترقی
پر تو رشک کرتے ہیں مگر اس ترقی کا راز جاننے کی
کوشش نہیں کرتے۔ چین دنیا کا واحد ملک ہے کہ
جہاں کرپشن کی سزا موت ہے جبکہ ہمارے پاس کرپشن
کو جیل ہوتی ہے اور ذرا سیسے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ اس وقت من حیہ القوم اس
وقت ہم کہاں کھڑے ہیں؟ ہمارا کردار کیا ہے۔ کیا
ہم ایک زندہ و پابکر قوم کہلانے کے حقدار ہیں۔
اس کا حوالہ ریاست کے ذمہ داران کو دینا چاہئے
کہ جن کے پاس ہر اختیار اور وسائل ہیں غریب
عوام کا کیا دوسرا بیٹھ سکتے ہیں۔ کیا
انہیں ہانکا جائے وہ چلنے پھرنے میں ہیں۔

”فرق“

ایک فقیر آدمی نے کی دکان پر گیا وہاں سے کہنے لگا کہ
اللہ کے نام پر ایک آم دو دو۔ دوکان دار نے ایک خراب
سام فقیر کو دے دیا۔ پھر فقیر نے دس روپے کا نوٹ نکالا
اور بولا کہ اس کا بھی آم دو دو۔ دکان دار نے ایک اچھا سا
آم اٹھا کر اسے دے دیا۔ فقیر بولا۔ ”مگھ میں آدکھ لے
اس شخص نے تجھے کیا دیا ہے اور مجھے کیا دیا ہے۔“

انڈونیشیا کا شہر ”باتم“ جہاں شور مچانے

والوں کو داخل نہیں ہونے دیا جاتا

باتم۔ انڈونیشیا کا شہر ہے۔ یہ شہر دراصل ایک
جزیرہ ہے۔ صنعتی شہر ہونے کے ساتھ ساتھ باتم میں
سیر و تفریح کے لیے دل نہنیا کی بہت سی چیزیں اور
مقامات ہیں۔ اس کے خوب صورت قدرتی نظارے
سیاحوں کے لیے کشش رکھتے ہیں۔ باتم کا سٹیٹ پور
سے فاصلہ محض تین کلومیٹر ہے۔ روزانہ سٹاٹو پوری
شہریوں کی بڑی تعداد سیر و تفریح کی غرض سے اس
شہرہ روش کرتی ہے تاہم اس کے لیے انہیں
ایئریشن کے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ باتم جانے
کے خواہش والوں کو ایئریشن آفس سے اجازت
نامہ حاصل کرنا ہوتا ہے۔ سٹاٹو پور کے باشندے
باتم جانے کے لیے ہرگز نہیں رکھتے تاہم بیرون
معلوم ہوتا ہے کہ انڈونیشیا ایئریشن حکام کو ان کی
معموم بات نہایت بھی پند نہیں۔ اسی لیے باتم کی
سیر کرنے والے کے خواہش مندوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ
وہ ایئریشن آفس کے باہر قطار میں بانگال خاموش
کھڑے ہوں۔ یہ صورت دیگر ایئریشن بلڈنگوں کی حدود
سے نکال باہر کیا پانچا اور ہٹس میں لے گا۔ اجازت
نہیں دی جائے گی۔ تاہم یہ کہ سٹیٹ پور میں بھی
تک اس ہدایت کو شیڈول سے نہیں لیا گیا ہے۔
روزانہ درجنوں شہری ایئریشن آفس سے غصے اور
ناہنجی کے عالم میں واپس لوٹتے دکھائے جاتے ہیں۔

مقابلہ

• صفیر خاں

مرغوں کے ایک مقابلے کی زوداد، مرغوں کے لیے یہ بقا کی
جنگ تھی، سرخ بازوں کے لیے غیرت و حمیت کی!



دونوں مرے اب اس حالت کو پہنچ چکے تھے جب وجود میں زندگی کے آثار
آہستہ آہستہ مدہم پڑنے لگے تھے اور اعضاء میں موت کے سائے ٹانوائی
کی شکل میں پھیلتے ہیں اور اعلیٰ حسب نسب والے جانوروں کو احساس
ہو جاتا ہے کہ یہ مقابلہ بہت سخت جان اور ضدی لگا۔

سخت جان اور ضدی لگا اور ان کی آخری خواہش
یہ رہ جاتی ہے کہ وہ خود مرنے سے پہلے اسے بھی
مرے ہوئے دیکھ لیں حملہ کرنے اور مدافعت کی
تمام قوت اور صلاحیت خرچ کر دینے کے بعد وہ
ایک دوسرے کے سینے سے سینہ جواز کر کھڑے
ہو جاتے ہیں اور یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں
کہ وہ فقط حریف کا جھکا ہوا سر اٹھنے کا انتظار

دونوں مرغوں کو لڑتے تین گھنٹے گزر چکے تھے
اور فضا پر ہول ناک سکوت طاری تھا۔ دونوں
حریف اب اس حالت کو پہنچ چکے تھے جب وجود
میں زندگی کے آثار آہستہ آہستہ مدہم پڑنے لگتے
ہیں اور اعضاء میں موت کے سائے ٹانوائی کی شکل
میں پھیلتے ہیں اور اعلیٰ حسب نسب والے
جانوروں کو احساس ہو جاتا ہے کہ یہ مقابلہ بہت

Scanned By Amir

ہوئے تین گھنٹے گزر چکے تھے۔

لڑائی کے ابتدائی لمحوں میں بھی ایسی ہی خاموشی طاری ہوئی تھی جب خانہ بدوشوں کا ”سنہرا“ چھوٹے ہی زور آدھی کرنا ہوا ریاست والوں کے ”ست رنگے“ کو دھکیلا چلا گیا تھا اور یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ست رنگے پر رگیں لگانے والوں کے اندازے غلط تھے اور خانہ بدوشوں کے منبرے مرنے کا بھاری تن و توش چرہ پلا نہیں تھا۔

”قدحاری نسل ہے۔“ ایک بوڑھا چچا تھا اور شان پور والوں کا ہڈیائی شور یک لخت ماند پڑ گیا تھا لیکن جب دوسرے ہولے میں ریاستی اسمبل نے اپنے گننے ہوئے بدن کا فائدہ اٹھاتے ہوئے انتہائی پھرتی سے مہمیں مارنی شروع کیں تو خانہ بدوشوں کا بھاری بھر کم سنہرا چکرا کر اُلٹے قدموں زمین چھوڑتا چلا گیا تھا۔

”رام پوری خون ہے۔“ وہی بوڑھا چلایا تھا اور مجمع ایک مرتبہ پھر جمونے لگا تھا۔

انہی اچھالوں کے دوران ست رنگے نے ایک ایسی نشست باندھی تھی کہ اس کے دائیں پنجے کے ٹوٹے ہوئے خار پر بندھا ہوا تھیل کا ٹوکھلا اٹوٹھا خانہ بدوشوں کے مرغ کی ہانسی آکھ چھیدتا چلا گیا تھا اور بے گھروں کی گلڑی میں کسی نے زور سے ”آ..... ہاں“ کہہ کر اپنا سینہ کونٹا تھا۔

”کانا پرندہ آدھا وجود ہوتا ہے۔“ حکیم جی نے خوشی سے بے قابو ہوتے ہوئے ظہور کے کان میں سرگوشی کی تھی۔

”اب اسے اپنی اکیلی آنکھ سامنے رکھنی پڑے گی۔“ ظہور کے ماموں نے ایسے سینکڑوں جوڑ دیکھے تھے۔

”اسی لئے کہتے ہیں کہ اندھا ہونے سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ کان ہونے سے بچا

کر رہے ہیں تاکہ دوبارہ حمد آور ہوں لیکن ان کی کانپتی ہوئی ٹانگوں اور بار بار بدن سے چپک جانے والے پروں سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ اچھی نسل والوں نے پیٹھ دکھانے کے بجائے موت قبول کر لی ہے اور اس طرح ایک بار پھر ثابت ہوتا ہے کہ اسمبل جانوروں کا حق ہے کہ ان کی ناز برواری کی جائے اور انہیں بہترین خوراک مہیا کی جائے اور ان کی تربیت تجربہ کار ہاتھوں سے انجام پائے۔ زمین کو ان کے خون کے آخری قطروں سے رنگین ہوتے دیکھ کر ان کے مالکوں کا جی چاہتا ہے کہ کسی طرح تماشائیوں کی آنکھیں بند ہو جائیں تاکہ وہ اپنے جاں نثار کو مرنے سے پہلے گود میں اٹھا سکیں اور یقین دلا سکیں کہ اس کی تکلیف سے انہیں کس قدر دکھ پہنچا ہے اور یہ کہ اس کی دلیری انہیں زندگی بھر یاد رہے گی۔

آس پاس کے باغوں میں بہار کی پہلی نشانی آنسوؤں کے سفید پھولوں کی شکل میں ظاہر ہو چکی تھی اور بکریاں پالنے والے خانہ بدوش میدانوں سے واپسی کا سفر اختیار کر چکے تھے اور ان دنوں حسب دستور راستے میں پڑنے والے قصبے کے نواح میں ڈیرے ڈال کر پہاڑوں پر ٹوٹنے سے قبل چوٹیوں کی طرف کھیلنے کا انتظار کر رہے تھے موسم مہلتے ہی شان پور کا کھر بستہ سکوت ٹوٹ گیا تھا اور گھروں کے فرش اور دیواروں پر ایک مرتبہ پھر چوٹیوں کی قطاریں نمودار ہو گئی تھیں اور صبح دم پھتوں اور درپچوں سے چڑیوں کی چچہ ہٹ زندگی کی سخت جانی کا ثبوت بن کر ابھرنے لگی تھی اور ڈھولک کی تھاپ اور شادی کے گیتوں کی آوازیں راتوں کی خاموشی میں دور دور تک سنائی دینے لگی تھیں۔

ندی کے کنارے موسم بہار کا پہلا جوڑ شروع

”مگر ریاست میں پانی ایک ہوتا ہے۔ جانوروں کے گرم ہونے کے فوراً بعد پھر وہ ہوتے ہیں اور کھلا میدان ہوتا ہے شان پور والوں کی طرح ہم چار پانی نہیں کراتے۔ یہ زنانہ طریقہ ہے۔“ حکیم صاحب کے جواب سے ظہور سناٹے کی لپیٹ میں آ گیا تھا۔ شان پور بہر حال اس کی ماں کا قصہ تھا۔

”حکیم جی! جو جانور چار پانچوں والے جوڑ کے لئے تیار کیا جائے اس کے لئے ایک پانی کی تکلیف تو سمجھ میں آتی ہے مگر ایک پانی کے عادی کو چار پانچوں سے کیا نقصان ہو سکتا ہے؟“ ظہور کے تنبیہی رشتے داروں میں سے کوئی بولا تھا۔

”اہم خدمت گار ساتھ نہیں لائے۔“ حکیم صاحب کے سبھ کی پریشانی نہیں رہی تھی۔ دوسرے پانی پر شان پور والوں کے اپنے آدمی ریاست کے مرنے کی خدمت کے لئے حاضر ہو گئے تھے۔ لیکن پانی کے دوسرے وقفے کے بعد بھی خانہ بدوشوں کا مرقا ریاست والوں کے ست رنگے پر بھاری پڑنے لگا تھا۔

”یہ کیا بات ہے حکیم جی! کہ وقفے پر بے گھروں کا پرندہ ہمارے جانور سے زیادہ تازہ دم ہو جاتا ہے؟“ ظہور حیرت سے بولا تھا۔ حکیم صاحب نے اپنا منہ ظہور کے کان کے نزدیک لا کر سرگوشی کی تھی ”خانہ بدوش اپنے ساتھ مرغی بھی لے کر آئے ہیں اور وقفے پر اپنے مرنے کو آواز دینے کے بجائے اسے مرغی کے ساتھ چھوڑ دیتے ہیں اس سے ان کے جانور کی طبیعت کھلتی ہے اور وہ پھر جان پکڑ جاتا ہے۔“

”لیکن ہم تو کبھی ایسا نہیں کرتے۔“

”یہ صرف ان زنا کاروں کا طریقہ ہے۔“ حکیم صاحب بڑبڑائے تھے۔ لیکن ریاست کے

جائے۔“ دوسرے ماموں نے اپنے سیانے ہونے کا ثبوت پیش کیا تھا۔

ظہور احمد کا اڑا ہوا رنگ اس کے چہرے پر واپس آ گیا تھا۔ پہلا پانی کرانے تک ریاست کے ست رنگے نے خانہ بدوشوں کے شاندار مرنے کا سراپا بگاڑ دیا تھا۔ اس کی ضائع ہو جانے والی آنکھ کی جگہ پڑ جانے والے گڑھے میں بار بار خون کا ایک جیتا جاگتا قطرہ تکھیل پا کر زمین پر ٹپک جاتا تھا۔

ہنگامہ پانچوں کی بات پر ہوا تھا۔ پانی کے وقفے کے بعد دیکھنے والوں کو ایک مرتبہ پھر یوں محسوس ہوا تھا جیسے بے گھروں کا شہرا کچھ دیر میں ست رنگے کے پر نچے اڑا دے گا۔ اس نے پانی کے بعد چھوٹے ہی گردن ادبھی کر کے ریاست کے برندے کو کھنی کے پیچھے سے پکڑ کر اوپر تلے تین ایسی پٹنیاں ماری تھیں جن سے ست رنگا کڑ کھڑا گیا تھا اور مجمع پر دوسری مرتبہ خاموشی طاری ہو گئی تھی۔

”صدقے“ خانہ بدوشوں کی کھڑی میں سے کوئی پکارا تھا۔ ”اول تو شان پور والوں کو ریاست کے جانور کا جوڑ اپنے کسی پالتو سے کرانا چاہئے تھا۔“ حکیم صاحب نے ظہور کے کان میں کہنے کی کوشش کی تھی۔ ”ہم نے تو نہیں سنا کہ ماجوں نے کبھی چنگڑوں اور بکریالوں سے جوڑ ڈالے ہوں۔“

”بکریاں پالنا پیغمبری پیشہ ہے حکیم جی!“ ظہور کے ماموں نے حکیم صاحب کی بات سن لی تھی۔

”بکریاں بے گھر ضرور ہوتے ہیں مگر مردار نہیں کھاتے۔ چنگڑوں سے ان کا کیا تعلق ہے؟“

دوسرے ماموں نے کہا تھا۔

مستقل محکمات مارا ہوا دائرے کے وسط سے اس جگہ تک دھکیلا چلا گیا تھا جہاں شان پور کے گھبرو بھڑک دار کپڑے پہنے سگریٹ کی پھٹی ہوئی ڈبیاں اٹھا کر اپنے گھٹنوں پر رکھے شرطوں کا حساب لگا رہے تھے اور نعرے لگا رہے تھے اور وقتے وقتے سے اپنے رقم لگے مرنے کو با آواز بلند داد بیچتا رہے تھے۔ ریاست والوں کے پرندے کا پانی کے وقتے کے فوراً بعد کمزور پڑ کر پیچھے ہٹتے چلے جانا وہ پہلے بھی دیکھ چکے تھے مگر اس وقت وہ اپنی چھوڑی ہوئی زمین واپس حاصل کرنے میں ناکام ہو گیا تھا اور تمام جوانی اچھالوں میں اپنے حریف سے ہوا میں نکرانے کے بعد کچھ اور پیچھے کی طرف پلٹ کر گرا تھا اور آخر کار اس نے سانس درست کرنے کے لئے اپنی چونچ بد مقابل کے سینے میں چھپانے کی کوشش کی تو مجمع پر ہول ناک سکوت طاری ہو گیا تھا۔

اگر ریاست کے جانور نے مقابلے کے ابتدائی لمحوں ہی میں اپنے حریف کی آنکھ نہ ضائع کر دی ہوتی تو شان پور والے کبھی اس پر بڑی رئیس لگانے کی قسطی نہ کرتے۔

اس موقع پر ٹلپور نے مقابلہ دوبارہ بیچ میدان میں لے جانے کے بہانے چیل کی طرح جھپٹ کر اپنا مرغا اٹھا لیا تھا اور اس دوران مرنے کا منہ اپنے منہ میں ڈال کر اس کی آنکھوں اور چونچ میں جم جانے والا خون چوس کر صاف کرنے کی کوشش کی تھی جس پر خانہ بدوشوں کی ٹولی سے دھیمی سی صدائے احتجاج بلند ہوئی تھی۔

”پانی سے پہلے پرندے کو ہاتھ لگانا نہیں بنتا!“ اگر یہ بات خانہ بدوشوں میں سے کسی نے کہی ہوتی تو ظہور اس کا سر پھاڑ دیتا مگر اعتراض کرنے والا اس کا بڑا ماموں تھا جو اصولوں کی اتنی

اجل پرندے نے اپنے سے کہیں زیادہ بھاری حریف کے حملے جی داری سے برداشت کرنے کے بعد ایک مرتبہ پھر اسے واپس رکھنا شروع کر دیا تھا۔ اس دوران اس کا سینہ تھلنی ہو گیا تھا اور اب دیکھنے والوں نے لئے یہ اندازہ لگانا مشکل ہو گیا تھا کہ زمین پر گرنے والا خون خانہ بدوشوں کے منبرے کی پھوٹ پہنے والی آنکھ سے نکلا ہے یا ست رنگے کے سینے اور گردن کی کٹی ہوئی شریانیوں سے اٹل پڑا ہے کچھ ہی دیر بعد وہ مرحلہ آ گیا تھا جب دونوں جان دار ایک دوسرے کے لہولہان وجود سے یوں لپٹ گئے تھے جیسے اپنا بوجھ اپنے حریف کی ٹانگوں پر ڈالنا چاہتے ہوں۔

تیسرے پانی پر حکیم صاحب نے گڑ اور باداموں اور منقا کا مرکب تیار کر کے ست رنگے کی چونچ کے اندر دھکیل دیا تھا اور شان پور کے خدمت گاروں سے اس کی ٹانگیں اپنی ہدایات کے مطابق دیوائی گئیں۔ اور جب گرم چھوٹیں مارنے کی پاری آئی تو انہوں نے شہور کو ہنا کر خود اپنا منہ اس کی پیٹھ سے جوڑ دیا تھا۔ اسی دوران موقع پا کر ظہور خانہ بدوشوں کی ٹولی کی طرف گیا تو اس کی نقش گالی اس کے تمام نھیالی بزرگوں نے سنی تھی۔

خانہ بدوشوں کا مرغا سر سے پاؤں تک خون میں لتھڑا ہوا ہونے کے باوجود ایک چھوٹی عمر کی سفید مرغی سے کھیل رہا تھا اور آٹھیلیوں کے دوران مرغی کے سفید چمک دار پروں پر اس کے خون کی دھاریاں عجیب طرح کے نقش و نگار بنا رہی تھیں۔

شان پور والوں کی خشک برساتی ندی میں بہار کے پہلے جوز کا درد ناک حصہ پانی کے تیسرے وقتے کے بعد شروع ہوا تھا۔ جب بے گروں کا منبر حسب سابق چھوٹے ہی اپنے حریف کو

سیارہ ڈائجسٹ کی ایک منفرد
تحقیقی اور عظیم پیشکش

قرآنی وظائف

❖ یہ وظائف ہماری آپ کی اور ہر گھر کی پریشانیوں،
انہنوں اور مشکلات کا حل ہیں۔

❖ قرآن مجید کی چھوٹی چھوٹی آیات پر مشتمل یہ وظائف
آسان، سادہ اور عام فہم زبان میں اس طور سے پیش
کئے جا رہے ہیں کہ ہر قاری بھی ان پر بغیر کسی دشواری
کے عمل پیرا ہو کر ان قرآنی وظائف سے اپنی
بگڑھی بنا سکے۔

❖ اولیائے کرام اور بزرگان دین کے مصدقہ آزمودہ اور
پُر اثر قرآنی وظائف۔

❖ انشائاً اللہ یہ نمبر بھی ماضی کی طسرت آپ کی انگلیوں
پر پورا اترے گا۔

سیارہ ڈائجسٹ 16-B سانده روڈ، لاهور فون: 7245412

Scanned By Amir

کھڑوں سے اٹا ہوا تھا جب کہ خانہ بدوشوں کا سنبھرا
 ہی طرح لبو میں تھمرا ہوا واپس آیا تھا۔
 ”رانا کاروں نے اسے اس وفد بھی صرف
 مرثی کے ساتھ ہی جہاز سے رکھا ہے“ حکیم صاحب
 پھر بڑبڑانے لگے۔

آخری پانی کے چند بھی ابتدائی چند لمحوں میں
 خانہ بدوشوں کے قندھاری حسب نسب والے
 اہل لے اپنی بھاری تن دوش سے ایک مرتبہ پھر
 فائدہ اٹھایا تھا مگر اس مرتبہ ان کی کامیابی اتنی
 بھرپور ثابت نہیں ہوئی تھی اس لئے کہ ریاست
 دجاہ کا ست رنگا پیچھے بنے پر مجبور ہونے کے بعد
 انتہائی پھرتی سے جھکانی دست گرسنہ کے حاوی
 رہتے ہوئے پان کے نیچے سے نکل آیا تھا ان
 کے بعد اس نے میدانِ خانوں کی لڑاکا نسلوں کی
 تھوڑی پھرتی سے کام لیتے ہوئے مسلسل کئی ایسے
 جھڑپوں کا نشانہ بنے تھے۔ اس لئے کہ حریف کا
 سر پکڑا گیا تھا اور ٹانگیں نرنے لگی تھیں۔ سب
 جانتے تھے کہ وہ مقابلہ جو سنبھرا نے ہی طاقت اور
 سمت رکھے کی پھرتی کے درمیان شروع ہوا تھا
 سب غلط بہتر سانس کا مسئلہ ہو رہا گیا ہے۔ دیکھنا
 چاہئے کہ کون زیادہ دیر اپنی ٹانگوں پر کھڑا رہتا ہے
 شہرہ یمنی کہ کسی کا وہاں سے نکلنے کا۔

دونوں سرزبانوں کوڑتے ہوئے تین تھمے نرنے
 کچھے بنے اور فضا پر عمل سکوت طاری تھا دونوں
 سرزبانوں نے ان جانستوں کو کچھ کچھ تھمے جناب دہرہ
 میں زندگی کے آہوا آہستہ آہستہ مدغم پڑنے لگے
 تھے اور اعضاء میں موت کے سائے نالوائی کی
 شکل میں پھیلنے لگے اور اعلیٰ مسیب نسب واسے
 جانوروں کو احساس ہو جاتا ہے کہ یہ مقابلہ بہتر
 سخت جان نور صمدی نکلا اور ان کی آثری خواہش
 یہ رہ جاتی ہے کہ وہ خود مرنے سے پہلے اسے کئی

کھلی خلاف ورزی پر شرمایا گیا تھا۔ یہ بات بچوں
 تک کے علم میں تھی کہ سوائے اس صورت کے کہ
 برندے کی چوچ میں حریف کے بدن کا کوئی پر
 چھس جائے لڑائی کے دوران اسے بازوؤں میں
 اٹھالینا تو درکنار ہاتھ سے تھپ تھپانا بھی منع تھا۔
 ”میں چوتھا پانی کر رہا ہوں۔“ ظہور نے
 انتہائی خجالت سے جواب دیا تھا۔

بھوم پر چھانسنے والا سکوت مزید ہول ناک
 ہو گیا تھا۔ ریاست والوں نے پہلے چار پانوں کے
 قانون پر اعتراض کیا تھا اور اب خود چوتھے پانی
 کے لئے مقابلہ زکوٰۃ ہے تھے۔

آخری وقفے کے دوران ان لمحوں کے سوا
 جب حکیم صاحب نے مرثی کو کشتہ نکالایا تھا پتہ
 تمام وقت ظہور خواہ اپنے سر رکھے کے ساتھ لپٹا
 رہا تھا۔ اس نے سبھی دھاگے سے اس کے سینے
 اور کئی کے رخوں کو ناکلے لگائے تھے اور اپنے منہ
 میں چبانے ہوئے کھوپڑے کے ریزے زہن پر
 رکھ کر اس کا تمام بدن چاٹا تھا۔ یہاں تک کہ اس
 کی دم اٹھا کر اس سے ٹٹلے سے پانی کی پکڑیاں
 مارنے کا کام بھی اس نے خود انجام دیا تھا اور ان
 تمام کاموں کے دوران وہ اس سے بھڑوی کیا
 ہاتھ کرتا رہتا تھا اور اپنی آنکھوں میں بار بار بیج
 بوجھنے والے آنسو سر کے جھٹکے سے دائیں بائیں
 گرنے لگا رہا تھا۔ ان تمام کاموں کے بعد بیچ جانے
 والے وقت میں اس نے اپنے پالتو کو چادر میں
 لپیٹ کر زرداں میں اٹھایا تھا اور اسے گرم
 سانس کی پکڑ میں سرنے کے ساتھ ساتھ ہنگوڑ سے
 اٹھا رہا تھا۔

جب حتمی مقابلے کے لئے ظہور نے اپنا برندہ
 میدان میں اتارا تو وہ سر سے پاؤں تک انعام
 کے ساتھ لپٹا ہوا تھا۔

ظہور کی پہلی جج آں پاس کے ٹیلوں پر سینہ
 پھلا کر کھڑے ہوئے اپنی ہاری کا انتظار کرتے
 اسمیل مرغلوں کی عیسیٰ ہانگوں تلے دب ہی گئی اور
 صرف حکیم صاحب سے کانوں تک رسائی حاصل
 کر سکی مگر دوسری مرتبہ وہ میدان کے وسط میں پہنچ
 کر اپنے مرغے کو اٹھاتے ہوئے چھا۔ ”ٹھیک ہے
 بڑے ماما جی ٹھیک ہے اس نے ہاتھ کے اشارے
 سے اپنی گلست تسلیم کرتے ہوئے خون میں
 ڈوبے ست۔ تھے کو ہار ڈول میں تھا لیا۔

شام ڈھلے جب ظہور کی جیب جوئی کے صحن
 میں داخل ہوئی تو اس کی ٹی ٹوٹی اُن کے
 گزے ہوئے تپڑوں سے سب کچھ سمجھ گیا
 اور اپنے دو پٹے جی اوٹ سے اسے حکیم صاحب
 سے علاج معالجے کے سلسلے میں مشورہ لیتی
 دیکھتی رہی۔ حکیم صاحب کو راستہ کے مہر پر اپنا
 نیم لہرہ مرنا اٹھانے بھیجا اور ان کے کہنے میں
 چلا گیا اور اس سے پتہ چل گیا کہ وہ مختلف
 مرادوں اور معنوں سے لے کر ادھر بھر بڑا ناچار

رہتا ہے وہ ہتھیاروں والے گھر سے
 نکلا اور گز سے بدستہ بغیر ہتھیاروں کے
 ہتھیاروں پر گز سے بدستہ ہتھیاروں کے
 اس سے وقعت نہ تھی ہوئی لیکن کامل پہنچ کر
 فرش پر پھینک دیا اور اس کے سبے ہاں گز میں
 پھینکا کہ ایک جگہ سے اسے تھمرا تاکہ خواہ
 گاہ کے مدغم روشنی والے بلکہ اسے پہنچ تک
 گھسیٹا ہوا لے گیا چند لمحوں تک دیکھ ڈارنگی میں
 اپنا کا پتہ ہوئی بیوی کا خوب صورت چہرہ غور
 سے دیکھا رہا مگر جاننا نہ سبجے میں ہوا اس وقت
 تو ہتھیاروں والے گھر سے اس جا کر اس کے
 ساتھ ٹیٹوں دوسرا انتظام ہو جائے گا۔

مرتے ہوئے دیکھ لیں۔

آخر جب حملہ کرنے اور مدافعت کی تمام قوت
 اور صلاحیت خرچ کر اپنے کے بعد دونوں مرتے
 ایک دوسرے کے سینے سے سینہ جوڑ کر بے حس و
 حرکت کھڑے ہوئے تو شان پور والوں کے
 چہروں پر آنے والے لمحوں کا خوف سائے سے
 اٹا گیا جبکہ خانہ بدوشوں کی ٹولی میں پہلی مرتبہ
 زندگی کی خاطر سو ڈار ہوئی۔

دونوں ٹولیوں کی ٹری اور بھی تو قحط کے
 عین مطابق لڑائی کے اس مرحلے پر شہر سے نے
 ہند ہی اپنی خوبی قحطی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے
 حرکت کے بغیر اپنی چوکی کے نیچے کھڑے ست
 گئے کی ٹکلی اور گزوں کو چتا شروع کر دی جب
 ریاست کا سنی پردہ اپنی جان توڑ کوشش کے
 باوجود نوابی سٹے کے لئے دست لگانے سے
 معذور رہا تو وہ خانہ بدوش بوڑھا جو کسی دائمی
 خزاں رسیدہ درخت کی طرح جگہ جگہ سے بچا
 کھپا اور کھڑا ہوا تھا اور مقابلے کی ابتداء میں
 شہرے کی آنکھ ضائع ہونے پر اپنا سینہ کوٹ کر
 ناتوانی اور صدمے سے زمین پر بیٹھ گیا تھا بے
 اختیار اپنی میزجی ہانگوں پر اچھل کر کھڑا ہوا اور
 چھا ”جی او شیرا“

بوڑھے کے بیانیہ گھر سے نے ایک لمبے کے
 لئے نظیر کی نظر یہ میدان کے وسط سے اکھاڑ
 دیا اور پھر اسٹریٹ آگھیں انتہائی تیزی سے
 پھیلنے کے بعد ٹکریں اور بوڑھے کی دائیں بغل
 پر بوز ہو کر رو گئیں جس پر اس نے خوبصورت
 پروں والی نرم و نازک مرغی ڈاب رکھی تھی۔ مرغی
 کے پروں پہ شہرے کے خون سے سو بنے ہوئے
 نقش بدستور موجود تھے اور وہ بار بار پٹلیں جھپکا کر
 چھپ چھپ کر ہتھیاروں پر حملہ کرتے دیکھ رہی تھی۔



سونف..... کرشماتی دوا

حکیم راحت نسیم سوہدروی

معلوماتی حصہ کا

ہوتے ہیں۔ شروع میں تھو۔ لہ چھوڑنے پھولوں کی طرح بیج ہوتے ہیں جن میں خوشبو آتی ہے۔ پھر یہ سونف میں بدل جاتے ہیں پتھوں ٹوکات کر سونف کو الگ کر لیا جاتا ہے اور جلا لگ کر لی جاتی ہے۔ سونف کی دو اقسام ہیں: جنگل اور بستانی۔ سونف کا پودا تقریباً تمام دنیا میں پایا جاتا ہے اطباء نے اس کا مزاج گرم و خشک بتایا ہے۔ سونف

سونف نوعہ بی میں راز یا بانق قاری میں ہادیاں اور انگریزی میں (Fennel) کہتے ہیں۔ جبکہ اردو اور پنجابی میں سونف ہی کہتے ہیں۔ سونف ایک پودے کے بیج ہیں۔ یہ پودا ایک گز لمبا خوبصورت ہاریک ہاریک پتیوں والا ہوتا ہے جس کے سر پر جا کر سونف کا گچھا بالکل لٹائی چھتری کی طرح لگتا ہے۔ ابک ایک کچھے میں سو سو پچاس پچاس دانے



Scanned By Amir

پیشاب آور ہے۔ اس مقصد کے لئے سونف کا عرق و شربت استعمال کرایا جاتا ہے۔ سرد جنس جو شائدوں میں بھی سونف ایک اہم جزو ہے۔

سونف خواتین میں دودھ کی مقدار بڑھاتی ہے۔ اپنے پیشاب آور اثرات کے سبب پتھری لگانے والی ادویہ کے ہمراہ استعمال کرایا جاتا ہے۔ درد قویج میں فائدہ دیتی ہے۔ جدید تحقیقات کے مطابق سونف میں روغن فراری، پیٹاسون، نیکلن، نشاستہ، کولیکسن، آپیوڈین، وٹامن اے، تھایا سین، رائیو فلاوین، تپاسین اور وٹامن سی پایا گیا ہے۔ ایلیٹیم، بیریم، کیم، کاربوسنگ، نیر، سلیکان اور ٹاسیم بھی خفیف مقدار میں ہوتے ہیں۔ سونف کے تیل کا اہم جزو منضول ہے اور اس کے بنیادی اجزاء ریٹیل ڈی ہائیڈ اور ایک ایسڈ ہیں۔

دستوں کے لئے

بادیان دسکی تھی میں بھون کر اس میں شکر ملا کر صبح و شام ۳، ۹ گرام کھانے سے دست بند ہو جاتے ہیں اگر ان میں تیل گری کا اضافہ کر لیا جائے تو دست روکنے کی بہترین دوا ہے۔

جگر:

جگر کے امراض میں بادیان کی جزیں مفید ہیں۔ معدہ، جگر اور گردوں میں بادیان کی جزیں استعمال کرائی جاتی ہیں۔

قبض:

بادیان چھ گرام سناسی چھ گرام دونوں کو جوش دے کر چھان کر حسب ضرورت چینی ملا کر پی لیا جانے و قبض جاتی رہنے لگی۔

خفقان:

جن لوگوں کو وحشت و خوف اور دل تیز دھڑکنے

راستہ بتانے والے ہوتے

بھارت میں جی پی ایس ٹیکنالوجی کے حال اس وقت اسپرٹس ہوتے جلد ہی اپنے پہننے والوں کے لیے رہنمائی کا کام کرتے نظر آئیں گے۔ یہ ہوتے ارتعاش کے ذریعے مقررہ راستے تک لے چلا کریں گے۔ مگر بڑی فلم "ہڈ آف لوڈ" میں ہیروئن کو بس ایک ٹن دبانے کی ضرورت ہوا کرتی تھی اور اس کے سرخ رنگ کے ہوتے ٹھکل میں اسے کتساں میں واقع اس کے گھر تک لے چلا کرتے تھے۔ تاہم ہلناؤ کی فلم کی یہ خیالی لیجنڈ اب جلد ہی اپنی حقیقی شکل میں بھارت میں نظر آئے گی۔ بھارت کے "لے چل" ٹی وی چینل نے جلد فروخت کے لیے پیش کیے جا رہے ہیں، جو اپنے پہننے والے شخص کو نہ صرف راستہ اور سمت بتائیں گے بلکہ یہ بھی بتائیں گے کہ کتنے قدم چلنے کے لیے گئے، کتنا فاصلہ طے ہوا اور کتنی کیلوریز استعمال ہوئیں۔ یہ جوتے بیرون تو تھیں لیکن ان کی جگہ کے حال میں اور پہننے والے کے اسہٹ فون سے منسلک ہونے کے اور اسہٹ فون میں موجود گول پیس کی سہولت استعمال کرتے ہوئے یہ تمام سرگرمیاں انجام دیں گے۔ بتایا گیا ہے کہ جوتوں میں نصب یہ ڈیجیٹل بیرون تو تھ آگے واپس مڑنے کے لیے دیاں اور بائیں مڑنے کے لیے پایاں جو تار مشیں کرے گا اور پہننے والے کو مڑ جانے کا اشارہ دے دے گا۔

(مہر سہ: منیم بٹ، لاہور)

ہزاروں ہاں بکثرت استعمال ہوتا ہے۔ اسے منہ کو خوشبو دار بنانے کے علاوہ کھانے کی مختلف اشیاء مثلاً اچار، مٹھی، ٹھنڈائی، سردابی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ پانی سپاری سے بہتر ثابت ہوئی ہے۔ طب میں بطور دوا اس کا استعمال صدیوں سے ہے۔ سونف درہول یعنی

ہاتھ پاؤں جلنا:

جن لوگوں کے ہاتھ پاؤں جلنے کی شکایت ہو ایسے لوگ روزانہ صرف بادیان چھ گرام تازہ پانی سے کھالیا کریں انہیں فائدہ ہوگا۔

بچے کی ریاح:

بچے نے شیر خوار بننے عموماً پیٹ کے امراض کا شکار ہوتے رہتے ہیں جن میں ریاح بھر جانا سب سے زیادہ ہے۔ ایسے بچوں کو چھ گرام بادیان جوش دے کر پھان کریں اس میں چار یا پانچ مرتبہ ایک ازیف بچھ پلاتا مفید ہے۔

قے ابرائی متلی:

بادیان 3 گرام پودیت 3 گرام اور جوش 1 گرام الٹھی ستر تین عدد جوش دے کر پھان کے پی لیں۔

بھوک نہ لگنا:

جن لوگوں کو بھوک نہ لگنے کی شکایت ہو وہ ذیل کا جوشادہ پندرہ روز پی لیں بھوک اچھی طرح لگے گی۔

پودیت خشک چھ گرام بادیان چھ گرام مویرہ متلی 9 دانہ آلو بخارا خشک پانچ عدد ڈاڑھے گلاس پانی میں جوش دے کر پھان کر روزانہ صبح نہار منہ پی لیا جائے۔

عرق بادیان:

بادیان کا عرق بھی کشید کیا جاتا ہے جو طب مشرقی میں صدیوں سے مستعمل ہے۔ یہ معدہ اور امعاء کے نئے بہتر بننے ریاح خارج کرتا ہے اور پیشاب آور ہے۔



کی شکایت ہو وہ بادیان پانچ گرام کل گاؤ زبان پانچ گرام جوش دے کر پھان کر شہد ایک چمچ ملا کر چند روز صبح نہار منہ پی لیں تو بہت مفید ہے۔

تیز اہیت:

بادیان اور سلطی مقشر ہم وزن میں کر رکھ لیں۔ صبح دوپہر شام نو کھانے سے قبل ہمراہ شربت بادیان 1' 1' 1' چمچ 2' 2' گرام پینے سے معدہ میں جلن اور تیز اہیت میں فائدہ ہوتا ہے۔

تخیر معدہ:

کاسر ریاح ہونے کی وجہ سے تخیر معدہ میں بہت مفید ہے۔ صیغہ کو سکون دیتی ہے۔ تخیر معدہ والے لوگ بادیان کو پین کر صبح و شام پانچ پانچ گرام بعد از غذا کھالیا کریں یا جوش دے کر پی لیا کریں۔

سفوف تخیر:

بادیان 10 دانہ انجلی کلاں ہم وزن لے کر پھان لیں اور دوپہر شام کھانے کے بعد دو دو گرام تازہ پانی سے کھالیا کریں۔

ضعف بصارت:

بادیان کا سفوف پانچ گرام ہمراہ گاجر کا رس ایک گلاس چند روز تک مسلسل پینا مفید ہے۔

سفوف مقوی باہر:

بادیان 250 گرام صاف کر کے پیسہ بادام 125 گرام کالی مرچ 50 گرام ان تینوں کو برابر وزن میں کر سفوف بنالیں۔ روزانہ صبح دو چمچ نیک گلاس دودھ کے ساتھ کچھ عرصہ تک استعمال کرنے سے بصارت نوحاقت ملے گی دماغ کو تقویت ہوگی جس سے شعر بہتر ہو جائے گی۔

حصار

• شفقت بابر

توصیف کی ماں کو نورین کے گھر میں قدم رکھتے ہی کھینوں کی حسرت مائی کا اندازہ ہو چکا تھا۔ انہوں نے سوچا بھی نہ تھا کہ وہ اپنے بیٹے کی شادی کے لئے درخواست آیتے لکھنے کو بچاؤ میں کی کجس طرح کا محنت ایشوں کا اور دیواریں پلستہ ست سب نیاڑا ہوگی۔ وہ بیٹے کی نعمت سے آگے سب سے اس گھس۔



ایک شخص کی کہانی جس کی آنکھوں میں ایک منظر آ کر ٹھہر گیا تھا

جو ہر وقت کی رفتار میں دیکھا پن آ جاتا۔ اگر اس منظر سے پہلو تھی رہے تو وہ سیال ایک روٹی بن کر دل میں اترتا چلا جاتا۔ دو تھکے کیا تھا وہ جاتا بھی تھا وہ چہرہ اس پاس سے گھر پہلو تھی کر رہا تھا۔ ہا کی لڑا اس میں آتا نہیں چاہتا تھا گھر وہ اس سے دیکھتا دیکھتا اسے گرفت میں لے رہا تھا وہ سب سے سب ہو چکا تھا۔ اس نے کیا کہوں لایا بھگت اس سے بات کرنی چاہتا

ایک سیال مادہ اس کی نگاہوں میں مورتا چلا گیا اور ہر منظر سارکت ہو گیا۔ وہ ایک دن وہ اپنے اندر اترتا محسوس کرتا پھر ہر منظر آہستہ آہستہ دھند میں بدل جاتا اور وہ خود کس کھو جاتا۔ یہ فریب نظر بننے لگا وہی حقیقت ہو چکا چلا جاتا۔ گزشتہ کی مادہ سے ایسا ہو رہا تھا۔ وہ کوئی بھی نہیں کا چہرہ اس کی نگاہوں سے مٹانے آ جاتا جیسے ناس کا بیرونی مہم ہو کر رہ

Scanned By Amir

آنکھوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رات بھر جاگ کر گزاری ہے۔ بیڈ پر رکھے کبل کی جنیں نہیں کھلیں۔ بیڈ کی چادر جنوں کی توں بے سلوٹ ہے اور تم کہہ رہے ہو کہ رات سوتے رہے ہو۔" ماں نے پیاد بھرے انداز میں پوچھا۔

"ای آپ یقین نہیں کر رہیں مگر میں جھوٹ نہیں بول رہا ہوں۔"

"چلو میں مان لیتی ہوں کہ تم جھوٹ نہیں بول رہے مگر تمہارے الفاظ میرا دل مطمئن نہیں کر پارہے۔ تو اس کا بھی مطلب ہے کہ تم کچھ چھپا رہے ہو اور یقیناً ایسا ہی ہے۔ کتنے دن ہو گئے ہیں کہ میں دیکھ رہی ہوں تم ساری ساری رات کمرے میں چکر لگاتے کاٹ دیتے ہو۔ سب ٹھیک ہوتے ہوئے بھی مجھے محسوس ہوتا ہے کہ جیسے کچھ ٹھیک نہیں ہے اور جو ٹھیک نہیں ہے وہ ہی تمہاری پریشانی کا سبب ہے۔ کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟"۔ اس نے ماں کا نرم لہجہ اپنے اندر تک اترتا محسوس کیا۔ "ای آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں مگر میں خود کچھ سمجھ نہیں پا رہا ہوں۔ وقت آنے پر آپ کو بتاؤں گا۔" وہ بے بسی سے بولا۔

پھر وہی منظر اس کی نگاہوں کے سامنے تھا وہی گرم سیال آنکھوں میں اترتا ہوا اپنے حصار میں لپٹا رہی وجود وہی پیکر۔ وقت کی رفتار وہی گھٹتی کرتا ہوا وہی منظر۔ وہ اپنے پیچھے گازیوں کے مسلسل تیز ہارن سے چونک اٹھا لار آگے نکل تو گیا مگر وہ منظر آنکھوں سے ہٹا نہیں تھا۔ ذاتی وجود جو آہستہ آہستہ سڑک عبور کرتے ہوئے سامنے سے گزر گیا۔ درجنوں افراد نے اس سنگل پرسڑک عبور کی مگر اس پر نگاہ کیوں ٹھہر جاتی ہے۔ میں کیوں محو سا ہو جاتا ہوں۔ وہ زنج ہو گیا۔ وہ چاہتا تھا کہ کینیڈا ڈو۔ ہے، وہ بات کرنا چاہتا تھا۔ وہ صورتحال سے نمینتہ کینتہ اس وجود کی پراسراریت کو توڑنے کینتہ اپنے آپ کو تیار کر رہا تھا۔ وہ حصہ رکھنا چاہتا تھا۔

وہ اس حصار سے آزاد تھی۔ اس جکڑ لینے والی

کیا جواب ملے گا؟ سوال کبھی تھے جواب نہ تھا ایک ایسا احساس جو نفلکوں کے بیان سے بے نیاز اور ایسا خواب جو تعبیر سے خالی تھا۔ وہ اندازہ کر چکا تھا کہ وہ اس لڑکی کی محبت کا اسیر ہو چکا ہے جسے وہ بار بار سڑک عبور کرتے ہوئے دیکھ چکا تھا۔ یہ وہی پیکر تھا جو سیال بن کر اس کے اندر اترتا تھا۔ وہ باغی تھا مگر بے بس۔ وہ ایسا آسیب تھی جو اس کو اپنے حصار میں لیے جارہی تھی اور وہ محصور ہوتا چلا جا رہا تھا۔ کوئی راہ فرار بھی نہ تھا کیا مجھے محبت تو نہیں ہو گئی اس نے بے بسی سے سوچا اور سوچتا چلا گیا۔

"تم ابھی تک سوئے نہیں ہو؟" وہ ماں کی آواز سن کر چونک گیا۔ "میں سو جاتا ہوں ابھی رات پڑی ہے۔"

"کیا تم رات بھر نہیں سوئے۔ کوئی رات پڑی ہے فجر کی اذان ہو رہی ہے صبح ہو رہی ہے۔" ماں حیران تھی۔ واقعی دُور سے اذان کی آواز سنائی دے رہی تھی کہیں سے سڑک کی ہانگ کھی ہلکے سے کانوں سے لگرائی۔ "اوه، ایک خیال میں میری ساری رات کٹ گئی۔ کیا میں خواب دیکھ رہا تھا۔ نہیں نہیں خواب تو خند میں آتے ہیں میں کھلی آنکھوں سے ایک منظر دیکھتا رہا ہوں مجھے کیا ہو گیا ہے۔ وہ زنج ہو گیا۔"

"کوئی پریشانی ہے تو صیغہ بنا۔" ماں نے تشویش بھرے لہجہ میں پوچھا۔ "نہیں ای کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ میں رات بھر سو رہا ہوں تھوڑی دیر پہلے آنکھ کھلی تو میں نے سوچا فجر کی نماز پڑھ لوں ایسا نہ ہو کہ وہاں آکھ گنگ بے اور نماز اٹھا ہو جائے۔" اس لئے میں نے کمرے میں چہل قدمی شروع کر دی پریشانی کن کوئی بات نہیں ہے۔" اس من گھڑت جھوٹ سے وہ نہ اپنے آپ کو بہلا سکا نہ ماں کو تسلی دے سکا۔

"تم نے جھوٹ کہاں سے لیا ہے؟"

اور آپ کے پاس کیسا جاں ہے مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ آپ اس سنوری کو چاہت یا محبت کا کوئی بھی نام دیں بے مستی ہے۔ کیونکہ لفظوں میں کھوکھلا پن ہوا وجود بے روح، دل احساس سے خالی ہو یا جذبات بے مایہ اپنا اصل کھود دیتے ہیں اور جو چیز بھی اپنا اصل کھودتی ہے اس کا اپنا کوئی نام نہیں ہوتا۔

”آپ مرد ہیں آپ کے لئے اعتراف کرنا آسان ہے کہ آپ نے جو دیکھا یا محسوس کیا وہ بلا جھجک مجھ سے کہنے چلے آئے ہیں۔ اس اعتراف نے تو آپ کے کردار پر دھبہ لگا یا ہے نہ آپ کی حیثیت پر کوئی حرف آیا ہے۔ یہی بات اگر عورت ذمے چمپے الفاظ میں کرے تو بھی معاشرہ اس کی حیثیت تبدیل کر دیتا ہے۔ اس پر فرد جرم عائد کرتا ہے مگر مرد اسکی پوزیشن میں ہا عزت بری ہوتا ہے۔ مسز توصیف احمد میں آپ سے درخواست کرتی ہوں آئندہ آپ میرے سامنے نہیں آئیں گے۔ مجھے اپنی عزت عزیز ہے اور عزت اور خاندان پر حرف آئے تو کسی حیم بے باپ کی لڑکی پر کچھ زیادہ اچھلتا ہے اور اس کی بیوہ ماں کی زندگی زیادہ دشوار ہوتی ہے۔“ یہ کہہ کر وہ اٹھ کر چلی گئی مگر توصیف ابھی تک وہیں بیٹھا تھا۔

وہ مزید محصور ہو چکا تھا۔ وہ اب خیال نہیں ہی تھی۔ وہ زندہ حقیقت تھی جس کے پراعتماد الفاظ نے اس کے اندر کے حقائق کو بے نقاب کر دیا تھا وہ کم عمر مگر پختہ ذہنیت کی مالک تھی۔ وہ اس کے دل کو چھو چکی تھی۔ وہی منظر نظر سے زاویہ بدل کر سوائے قلب میں اتر رہا تھا۔ ابراہیم لود موسم صاف ہو چکا تھا۔ وہ حصول کا ارادہ کر چکا تھا۔

”تم رات دیر تک کیوں جاگتے رہتے؟“ اس نے کہا ہے جو تم بتانے سے پہنچ کر کمر ہے ہو۔“ رات اسے پھر دیر تک جاگتے دیکھ کر ماں نے استفسار کیا۔

کیثیت سے بے خبر تھی۔ وہ کرب کو اظہار دینا چاہتا تھا مگر وہ نگاہ میں تھا۔ وہ حیرانگی سے اس شخص کو دیکھ رہی تھی جو بلا اجازت خاموشی سے اس کے مقابل آن بیٹھا تھا۔ پہلی نظر میں وہ اس کو کم گو لگا۔ ”میرا نام تو صیف احمد ہے میں آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔“ وہ اس کی نگاہوں میں سوالیہ انداز دیکھتے ہوئے شائستگی سے گویا ہوا۔ اس کا لہجہ نرم اور چروہ سکون تھا۔

”کیا بات کرنا چاہتے ہیں؟“ لڑکی نے پراسرار انداز میں پوچھا۔

”میں دو سال پہلے فاران سے بزنس ماسٹر کرنے کے بعد اپنے والد کے ساتھ بزنس میں ہوں۔ ہم تین بہن بھائی ہیں میں سب سے بڑا ہوں۔ آپ کو کوئی بار پونجوشی سنگل پر سڑک عبور کرتے دیکھا تھا۔ اگر آپ کو برا نہ لگے تو میں بنا کسی روک ٹوک کے اپنی بات کرنا چاہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں اگر آپ میری پوری بات کو سن لیں تو میں آپ کا شکریہ ادا کروں گا۔“

”سن رہی ہوں۔“ وہ محتاط سی ہو گئی۔

”میں نے پہلی بار آپ کو دیکھا تو اس کے کئی دن بعد تک وہ منظر میری نگاہوں کے سامنے آتا رہا۔ اس منظر میں ایک سنسنل ابھی تک قائم ہے۔ ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے میں ایک دھماکہ میں جکڑا گیا ہوں۔“

”مسز توصیف آپ جو کوئی بھی ہیں مجھے کوئی دلچسپی نہیں اس سنوری سے جو آپ مجھے بتا رہے ہیں۔ یہ آپ کی بھول ہے کہ میں آپ کی لغزشی سے متاثر ہو جاؤں گی یا آپ پر اعتبار کر لوں گی۔ کسی بھی انسان کے لئے الفاظ کا سہارا لیکر جذبات کی دسائی آسان ہوتی ہے مگر ایک احساس من روح میں اتر جانا فطرت کسی کسی واردیت کرتی ہے۔ یہ دنیا ایک جگہ سے اور یہاں جگہ تک نہیں ہوتی۔ عیادوں ہوتے ہیں جس کا کام جان میں پھانستا ہوتا ہے اور کسی عیاد کے حال سے رہائی پاتا ہے کسی کے بس کا۔ نہیں ہوتے۔ آپ عیاد ہیں یا نہیں

سے ساتھ ساتھ چلتی رہتی ہے۔ اس احساس کو محبت چاہت الفت یا اہمیت کوئی بھی نام دے دیں مگر یہ ہمیشہ انسان کے ساتھ رہتی ہے۔

اس کی آنکھوں میں چمک تھی وہ پر جوش دکھائی دے رہا تھا۔ محبت کے نشے سے سرشار تھا۔

توصیف کی ماں کو نورین کے گھر میں قدم رکھتے ہی مینوں کی حسرت حانی کا اندازہ ہو چکا تھا۔ انہوں نے سوچا بھی نہ تھا کہ وہ اپنے بیٹے کی شادی کے لئے درخواست ایسے گھر لے کر جائیں گی کہ جس گھر کا گھنہ بیٹوں کا اور نواریں پلستر سے بے نیاز ہوگی۔ وہ بیٹے کی ضد کے آگے بے بس تھیں۔ واپسی کا کوئی راستہ توصیف نے نہیں چھوڑا تھا۔ مجھے کس امتحان میں ڈال دیا ہے میرے بیٹے نے۔ انہوں نے دل میں سوچا۔

خاتون خانہ نے اس بن بنائے مہمان کا اپنے گھر استقبال کرتے ہوئے بیٹھے نو کہا۔ "میں توصیف کی ماں ہوں۔ اپنے تعارف کے لئے بیٹے کے حوالے کے علاوہ ان کے پاس ہاتھ تھا بھی نہیں۔" "کون توصیف؟" نورین کی ماں نے اجنبی سچے میں کہا۔ "میں دراصل اپنے بیٹے توصیف کے لئے آپ کی بیٹی نورینا کے لئے درخواست لیکر آئی تھی، مجھے مایوس نہ کیجئے گا۔" انہوں نے ملتجیانہ انداز میں کہا۔ "مگر میری بیٹی کی بات سنے ہو چکی ہے۔" جواب غیر متوقع تھا۔ وہ بھی مجبور تھیں خالی ہاتھ واپسی کا سوال ہی نہیں تھا۔ "میرا بیٹا ایک کامیاب بزنس من ہے۔ جو رے ہاں کی چیز کی کوئی کمی نہیں۔ میں اپنے بیٹے کی خواہش پر یہاں آئی ہوں۔ میں سواری بن کر آئی ہوں مجھے خانی ہاتھ مت لوٹائیں۔" انہوں نے منت کرتے ہوئے کہا۔ وہ شرمساز بھی تھیں لیکن اب کیا ہوسکتا تھا۔

"گھر میں زبان دے جس ہوں۔" نورین کی ماں نے: "ٹوک جواب ایہ۔" اس لڑکی کی بات۔ کئی

"امی ایک لڑکی ہے جو مجھے اچھی لگتی ہے۔"

"کون ہے وہ؟"

"امی، اس کا نام نورین ہے۔ چار ماہن بھائی ہیں، وہ دوسرے نمبر پر ہے۔ باپ کا انتقال ہو چکا ہے۔ ماسٹر کرنے کے بعد وہ آج کل پرائیویٹ ملازمت کر رہی ہے۔ امی مجھے اس لڑکی سے شادی کرنی ہے۔ چاہے شرط کیسی بھی ہو اور قیمت کوئی بھی ہو۔" اس کے لہجے میں سنجیدگی تھی۔

توصیف کی ماں اچھی طرح جانتی تھی کہ وہ کوئی بھی ارادہ کر لیتا تھا تو اسے پورا کرنے میں انتہا تک چلا جاتا۔ وہ بلا کا ضدی تھا وہ بچپن میں بھی ایک مشکل بچہ رہا تھا۔ انتہائی ضدی اخصر والا۔ بچپن کی ہر بات اسے یاد تھی۔ سرکس میں جو کر کا کھیل دیکھ کر وہیں ضد کرنے لگا کہ یہ جو کر گھر لے کر جائے گا۔ اس کے والد اس وقت تو کسی طرح بہلا بہلا کر گھر تک لے آئے مگر گھر آ کر بھی اس ضد کی کھراہ میں اس نے دو تین دن بغیر کھائے پیئے گزار دیئے۔ پھر اس کو نیم بے ہوشی کی حالت میں ہسپتال لے جانا پڑا پھر باپ نے پورے پاکستان کے سرکس چھان مارے۔ آخر ایک جو کر خانہ بدوشوں کی بستی سے سیر آئے۔ اگلے تین ماہ تک سارا گھر جیسے سرکس میں بدل گیا۔ اس وقت توصیف کی عمر نو سال تھی۔ کبھی کوئی چیز پسند آ جاتی تو کبھی سیانیم میں رکھی نوادرات پر نگاہ پڑ جاتی۔ وہ ضدی تھا اور اپنی ضد میں انتہائی قدم بھی اٹھاتا۔ اپنے بیٹے کی بات سنا کر ماں پریشان تھی اور یہ پریشانی ایک فطری امر تھا مگر کوئی بھی ماں بیٹے کو کسی لڑکی کی محبت میں اسیر ایک پسند نہیں کرتی۔ محبت ایک ایسا طبعی امر ہے جو ہر انسان کی زندگی پر کئی نہ کئی روپ میں ساری زندگی اثر انداز ہوتا۔ جتنا ہے۔ چاہے وہ اپنے کسی ثوابی رشتے سے ہو یا اپنے حق خود ساختہ آئیڈیل سے۔ ریل کی پٹری کی ہر جگہ ایک نئے کا قاصد تھ کر خاموشی

سیارہ ڈائجسٹ کی ایک اور نثریہ کاروش

ازوال اسلامی واقعات

قیمت 175 روپے

شائع ہو گیا ہے۔

ہذا رسول خدا خلفاء راشدین صحیحہ کرامت اور صالحین کی قابل تقلید زندگیوں
سے لیے گئے سنہری واقعات

ہذا دور نبوت اخلافت راشدہ اور تاریخ میں موجود عدل و انصاف کی عظیم
روایات

ہذا مسلم خواتین کی ذہانت متانت اور شجاعت کے حیرت انگیز قصے

ہذا دور جدید میں نئی نسل کے جذبہ ایمانی و از سر نو تازہ کر دینے والے روح
پرور واقعات

ہذا ہر مسلم گھرانے کی نابھیری کی زیست و جوانوں کے لئے مشعل راہ
دعاؤں کے ساتھ

سیارہ ڈائجسٹ 240 ریواز گارڈن لاہور فون: 042-7245412

وہ ایک بار پھر نورین شاہد کے گھر جانے کا ارادہ کر چکی تھیں۔ اس مرتبہ نورین شاہد گھر پر تھی۔ وراز قد سائولی رنگت 'کم گو گھری آنکھیں' پر سکون چہرہ نہایت سادہ لباس ان کو دل میں اتر جانے والی یہ لڑکی اچھی لگی۔ یہ لڑکی تو واقعی چاہے جانے کے قابل ہے۔ پہلی بار توصیف کا انتخاب انھیں اچھا لگا تھا۔ "میں آپ کے سامنے ایک بار پھر سوالی بن کر آئی ہوں۔"

"آپ دیر کر چکی ہیں۔ میں زبان دے چکی ہوں۔" نورین کی ماں نے نرمی سے جواب دیا۔

"آپ نے پہلے بھی ایسا ہی کہا تھا مگر اس بار میں پھر سوالی بن کر آئی ہوں۔ آپ کسی بھی شرط پر میرے بیٹے کا رشتہ قبول کر لیں میں آپ کا احسان مانوں گی۔" انہوں نے منت کی۔

"میں آپ کی حالت کو اچھی طرح سمجھ سکتی ہوں مگر یہ بھی سچ ہے کہ رشتے کسی شرط یا قیمت سے مشروط نہیں ہوتے بلکہ ان کی اصنیت تو تقدیر سے جڑی ہوتی ہے۔ میں زبان دے چکی ہوں۔ ہم لوگ دنیاوی وسائل سے تمہی دامن ضرور ہیں مگر ہم زبان کی پاسداری سے انحراف بھی نہیں کرتے۔"

ان کو اس بار بھی خالی لوشا پڑا۔ وہ بوجھل قدموں سے اس گھر کی دہلیز سے واپس اپنے گھر کی طرف جا رہی تھیں۔ اترے چہرے کے ساتھ گھر پہنچ کر انہوں نے بیٹے کو پھر سمجھانے کی کوشش کی مگر توصیف بھند تھا۔ توصیف کی ماں اپنے بیٹے کی جلد از جلد شادی کروینا چاہتی تھیں۔ ان کے نزدیک یہی ایک حل تھا تو توصیف کو خیالوں کی دنیا سے نکالنے کا۔

اب توصیف کی شادی کو برسوں ہو چکے ہیں، وہ آج بھی ایک کامیاب بینس مین ہے مگر وہ اب بھی ایک حصہ رہتا ہے۔ وہ ان بچپن سے نکلنے کی سعی میں ہے۔ تنگ آ کر اس نے اپنی بہوی کے ساتھ ایک سائیکائرسٹ سے وقت گزارا اور اس کے سامنے اپنا

ہونچا ہے۔"

توصیف کی ماں نے جب توصیف کو یہ بات بتائی تو وہ ایک دم آگ بگولہ ہو گیا۔ "اسے مجھ سے شادی کرنا ہی ہوگی۔ میں شادی کروں گا تو نورین شاہد سے، یہ میرا فیصلہ ہے۔"

"توصیف اس ضد کو اب چھوڑ دو۔ وہ بن باپ کی بیٹی ہے جس کی بات طے ہو چکی ہے۔ یہ معاملات بہت نازک ہوتے ہیں اور زندگی کے ساتھ جڑے ہوتے ہیں یہ سرکس کا جو کر نہیں ہے کہ تمہاری تفریح کی خاطر کچھ عرصہ کے لئے مہیا کیا جائے۔ جب ہی بھر جائے تو چھوڑ دیا جائے۔ رشتے نہ تو زبردستی کئے جا سکتے ہیں نہ ہی کسی کی ضد کی جینٹ چڑھائے جا سکتے ہیں۔ تم اب بڑے ہو چکے ہو تم مجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے؟" ماں نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"امی یہ ضد نہیں ہے۔ ایک سال سے زیادہ ہو چکا ہے میں خود اس کیفیت سے اپنے آپ کو نکالنے کی جتنی کوشش کر سکتا تھا کر چکا ہوں۔ لیکن میں ایسا نہیں کر سکا۔ میں خود تنگ آ چکا ہوں۔ میں اس حصار سے نکلنے کی کوشش میں محصور ہوتا جا رہا ہوں، بے بس ہو رہا ہوں۔ پلیز اس صورت حال کو سمجھیں۔ اس معاملے کو جو کر کے ساتھ نہ جوڑیں۔"

اس کی آنکھوں میں نمی تھی۔ "مجھے اس لڑکی سے واقعی محبت ہو گئی ہے۔"

بیٹے کے اس برملا اظہار نے ماں کو کنفیوژ کر دیا تھا۔ وہ اپنے بیٹے کی ضدی طبیعت سے خوب واقف تھیں۔ وہ جانتی تھیں کہ پینا اپنی کوئی بھی ضد پوری کرنے میں انتہائی قدم اٹھانے سے گریز نہیں کرے گا ایسا نہ ہو کہ وہ اپنے آپ کو اور سروانوں کو کسی آزمائش میں ڈال دے۔ وہ معاملے کی نزاکت کو بھانپ چکی تھیں اور محتاط رہتے ہوئے اس کا کوئی حل کرنا چاہتی تھیں۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ پیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شرک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

← ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

وجود کے اندر اترتا چلا جاتا ہے اور حاوی ہوتا چلا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس منظر یا شخصیت کو بار بار اپنی آنکھوں کے سامنے لاتا ہے تو وہ خیال ایک حسی وجود کی طرح اس کی آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے۔ وہ اسے محسوس کرتا ہے پھر ایک وقت ایسا بھی آتا ہے وہ شخص اس صورتحال سے گریزاں ہوتا ہے وہ آزاد ہوتا چاہتا ہے مگر بے بس ہوتا ہے اور وہ اس کینیت سے عمر بھر لکل نہیں پاتا۔ آپ کے شوہر کا مسئلہ بھی کچھ ایسا ہی ہے۔“

ڈاکٹر نے توقف کے بعد پھر کہا، ”آپ پر مئی لکھی سمجھدار معلوم ہوتی ہیں۔ اگر آپ چاہتی ہیں کہ آپ کا شوہر نارمل حالت میں واپس آجائے تو اس کا یہی ایک حل ہے کہ ان کی لورین شاہد سے ملاقات کا بندوبست کروادیا جائے۔“

”میں ہی لورین شاہد ہوں۔“ توصیف کی بیوی آہستہ سے بولی۔ ڈاکٹر حیرانگی میں اپنی آنکھ تک جھپکنا بھول گیا۔ اس خاموش وقفے میں توصیف اٹھ کر بیرونی دروازے کی طرف چلا گیا۔

”مسز توصیف.....“ ڈاکٹر نے لورین شاہد کو توصیف کے پیچھے جاتے دیکھ کر بکاوا۔ وہ چلتے ہوئے ٹک گئی اور سوالیہ انداز سے ڈاکٹر کو دیکھا۔ ڈاکٹر حیرانگی کی کینیت سے نکل چکا تھا۔ ”آپ نے اس حصار کو ابھی تک تو زائیکوں نہیں؟“

”ڈاکٹر صاحب کیا یہ لہیہ نہیں ہے؟ اگر مرد کو محبت ہو جائے تو سمجھتا ہے کہ یہ اس کا حق ہے۔ اس حصول کیلئے وہ انتہا تک چنا جاتا ہے مگر دستبردار نہیں ہوتا۔ چاہے وہ محبت کن اور کن ہو۔ اس کے نتیجے میں گہری ادا کی تھی۔ وہ خاموشی سے باہر لکل گئی۔“

”یہ عورت شاید اپنا حصار کبھی نہیں توڑے گی۔“

ڈاکٹر سوچتا چلا گیا۔

مسئلہ پیش کر دیا۔ اس کی نظروں میں وہی منظر جیسے ٹھہر گیا تھا جب برسوں پہلے اس نے لورین کو سڑک عبور کرتے دیکھا تھا۔ وہ بتا رہا تھا کہ آج بھی ایک سیال مادہ میری نگاہ میں اترتا چلا جاتا ہے۔ میں اپنے اندر ایک وجود محسوس کرتا ہوں پھر آہستہ آہستہ یہ منظر دھندلا جاتا ہے۔ میں خود کہیں کھو جاتا ہوں اور میرا اپنا وجود کبھی بہت دور اچھٹی سا لگتا ہے۔ وہ ایک چہرہ ہے ایک سایہ ہے جو اپنے تمام وجود کے ساتھ میری نگاہوں کے سامنے ہوتا ہے۔ میں دیکھتا ہوں محسوس کرتا ہوں کہ وہ میرے اندر اتر آیا ہے اور میرے احساسات کو اپنی گرفت میں لے لیتے اور میں بے بس ہوتا ہوں۔ یہ کوئی خواب یا خیال نہیں ہے میں ایک حقیقت کی طرح اپنی کھلی آنکھ سے دیکھتا ہوں اور میں آج بھی اس لورین شاہد کی تلاش میں ہوں۔ سڑک کی کشش مجھے پوری قوت کے ساتھ اپنی طرف کھینچتی ہے اور میں بے اختیار اس مرکز کی جانب ہنچتا ہوں۔ مگر دائرے کے باہر میرے قدم چاند ہو جاتے ہیں۔ جیسے میں کسی حصار میں محصور ہو گیا ہوں اور حصار لوث نہیں ہے۔“

سائیکا ٹرسٹ توصیف کی بیوی کو دیکھ رہا تھا جو مناسب خدا خان ترٹے جیسے نقوش پر کشش آنکھوں کی مالک ایک خوبصورت عورت تھی۔ یہ کیسا انسان ہے جو اسکا بیوی کے ہوتے ہوئے، ایک خیالی وجود کی محبت کا امیر ہے۔ یہ ایک المیہ ہی تو ہے۔ اس نے سوچا۔

”مسز توصیف.....“ سائیکا ٹرسٹ نے توصیف کی بیوی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ آپ کے شوہر کا مسئلہ ایک خاص صورت حال سے منسلک ہے۔ جب کوئی انسان اپنی زندگی میں کسی بھی منظر یا شخصیت کو دیر تک اپنی تمام تر دلچسپی یا لگن کے ساتھ دیکھتا ہے تو اس نے اندر کی تمام حساسیت متحرک ہو جاتی ہے اور وہ منظر یا شخصیت ایک احساس بن کر

قصے لاہور کے

مہر مجید شیخ

لاہور پاکستان کا دل ہے۔ اس شہر میں بسنے والوں کا دل کسی اور شہر بلکہ یہ کہا جائے تو زیادہ بہتر ہے کہ ان کا دل دنیا کے کسی بھی شہر میں نہیں لگتا۔ لاہور کے موسم کا بھی اس میں کافی دخل ہے۔ لاہور تہی ثنائیں بہت خوبصورت ہوتی ہیں۔ ہر طرف پھیلنے والی آنکھوں کو بہت بھاتی ہے۔ یہاں رہنے والوں کے مزاج میں بڑا کھلا پن ہے۔ وہ روکتی اور دشمنی میں انتہا پسند ہیں۔ خاص طور پر لاہور کے پکوان تو کسی بھی مسافر کو بڑھنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔

چھ دن پہلے ایک کتاب ”قصے لاہور“ کے پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ کتاب میں چند روٹھ چپ تھی کہ ساری کتاب ایک ہی نشست میں پڑھ ڈالی۔ خود لاہور میں مقیم ہونے کے باوجود اس کتاب میں درج کردہ یادیں انجمن سے پہلے کے قصے اور لاہور کے چہ چہ افراد کے کاٹنا۔ مے پڑھ کر میرے اندر ایک عجیب سی مسکان بھٹکتی گئی۔ جیسے میں کون ابھی کتاب پڑھتا ہوں تو دل کرتا ہے کہ تو کیں سیارہ ڈائجسٹ کے ساتھ اسے شہر کروں۔ وہی میں خیال آتا ہے کہ رکھوں ہوتا مجھ پر اس کتاب نے اثر کیا کتنے کارکن دیسائی شہر میں آتے ہیں۔ ہم نے آپ کی ہنسن کے سنے اس کتاب کے چند اقتباس یہاں رقم کیے ہیں۔ یہ کتاب سب سے پہلے جلی کیشن نے سرائی کی ہے۔

(امجد، ف حان)

ایڈولف ہٹلر کا تحفہ

کلک بار میں نے ”خان سارور“ کے متعلق اپنے بھائی عبدالرحمان سے سنا جو میں نسل سے تعلق رکھتے ہیں جو اٹلی میں آ رہے تھے۔ نومبری میں بادشاہی مسجد لاہور میں عید کے بعد پہلی بار میں نے انہیں دیکھا تھا۔ میرے والد نے میرے کان میں سرگوشی کی۔ ”یہ ہٹلر کے دوست تھے۔“ مجھ پر شرقی کا اثر اب چھان گیا تھا۔

پچھلے ہفتے میرے دوست سید سکندر شاہ نے اس کیفیت پر افسوس کرتے ہوئے کہ پاکستان غالباً دنیا کا واحد ملک ہے جہاں اپنے ہیرو کو بھڑایا جاتا ہے۔ شرقی کا ذکر کیا اور اچھرہ کے بچے پر ہٹلر کے نام سے اس نے نیابت حیاری سے یہ بیان دیا کہ شرقی کے پاس ایک خوبصورت کار تھی جو اسے ایڈولف ہٹلر نے تحفے میں دی تھی۔ یہ بات میری ترغیب کے لئے کافی تھی کہ میں ایڈولف ہٹلر کے تحفے کی تلاش میں نکل کھڑا ہوں ایک جمعرات کی شام میں تنگ گھوڑوں سے ہوتا ہوا بیدار روڈ کی جانب روانہ ہو گیا۔

بڑے چوک سے ڈرا پیچے بہت سے خوب فروروشوں کے درمیان ایک سیمٹ کا بنا ہوا مکان ہے جہاں سرخ

آپ کا

بھگتا ہوا ہے۔ ایک لمحے کا بد وضع دروازہ آپ کا منتظر رہا۔ میں نے تھوڑے روزوں کے دو حقائق کو یاد کر رکھا ہے۔ میرے ماسٹے جیسا کہ شوٹس میں ہوتا ہے ایک ڈھنگا نوادہ رکھتا تھا۔ اس کا رنگی فافا کے پاس سے میں گیا تھا۔ تم کے شک کی محبتیں ہی نہیں کیونکہ یہ نہایت اعلیٰ ترین مہیاری ہے۔ لیکن اس کا رنگ چمکنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ ابوہر (ہلکا کا خطاب) نے پیش کیا تھا۔ یہ ایک ایسا نوادہ ہے جسے جو مہارت اعلیٰ پاسے کا ہے ایک بے نام جس کی سرپرست ہندوستان کا ایک ٹیم اٹھارتوں کا ہے۔

اس قدر اچھا پڑیر شاہکار کے قریب ہی علامہ کا یہ اقدار ان مشرق اور اور کی ایسے کی تیرہا ہیں جو ماہی کا کر رہیں۔ ان کا پوتا اس تیر پر ایک تحقیقی ڈاکٹر بنی تھی۔ یہ وہی ہے جو کولہ سے ہے۔ یہ لڑکا ہوا ہے۔ یہ وہی ہے جو ان غیر معمولی دیانت دار ہیر کا رہا ہے۔ ہاں پیہ کی کی ہوا ہو۔ ان کے چندہ ہاں ستنہ کی عادت نہیں ہے۔ یہ ایک ہاتھ ہے۔ یہ ایک اور ان جہ ہے۔ جو میسر، یہ سہا ہے۔ یہ پورا کو جی ہے کہ ہم اپنے علم پر تیرہا ہیں۔

کار ۱۹۹۲ء ماڈل کی ریپبلٹ ہینز ہے۔ جن لوگوں کو تاریخی کاروں میں رہتا ہے ان کی اصلاح سے لئے عرض ہے کہ جب نازی افواج نے فرانس پر قبضہ کیا تو اس وقت وہ اپنی شہر کی طرف سے اعلیٰ معیار میں رہتا تھا۔ کار میں جو وہ تیرہا ہوتے تھے۔ چونکہ یہ ریپبلٹ ٹیمٹری میں بنی تھی اس لئے کار کا ہوا ریپبلٹ ہینز تھا۔ کار

Scanned By Amir

کے بوسیدہ اگلے حصے پر نام ریٹائٹ بینز جلی حروف میں لکھا ہے۔ نائر جواب گل جگے ہیں پرانے اڑے کے سلاخوں والے پہیوں پر چڑھے ہیں فرنٹ گرل کے عین نیچے کار سٹارٹ کرنے والا ہینڈل بھی اپنی جگہ موجود ہے۔ میں ڈرائیو کی سیٹ پر بیٹھا تو چڑھے کی خوبصورت سینیٹیں گل چکی تھیں۔ سیٹ کے نیچے جیسز بالکل محفوظ ہے۔ جیسز کا نمبر 3811967 ہے۔ میں نے یہ نمبر ریٹائٹ کہنی کو ای میل کیا تو فوری جواب آیا کہ ان کے محافظ خانہ ریکارڈ کے مطابق یہ کار ایڈولف ہٹلر نے لاہور اٹریا کے مسز عنایت اللہ خان مشرقی کو بطور تحفہ دی تھی۔ یہ دنیا بھر میں صرف ایک ہزار کی تعداد میں بنی تھیں۔ یہ ٹیٹن طرز کی چہرہ نشتوں والی ریٹائٹ نرو اسپورٹ کار تھی۔ یہ 4278 سی سی پاور سپرنگوری کار تھی۔

اس کار کا اصل رنگ گریم تھا جو کار کے انجن اور اطراف کا تھا جبکہ پچھلی جانب پہیوں کے مذکارڈوں، فرنٹ اور پچھلی تیزیوں کا رنگ سیاہ تھا۔ موجودہ حالت یہ ہے کہ رنگ سارے پیٹ کو کھا چکا ہے۔ ایڈولف ہٹلر کے ذاتی استعمال میں ایسی چھ گاڑیاں تھیں۔ اس نے پچاس سے زائد گاڑیاں دنیا بھر میں معزز مہمانوں کو تحفہ پیش کی تھیں اس نے ایک کار فیلڈ مارشل روسل کو بھی جنگ عظیم دوم میں افریقی مہم سے بطور قانع واپسی پر تحفہ پیش کی تھی۔ کہنی نے مشرقی خاندان کو کار کے عوض ایک لاکھ ڈالر کی پیشکش کی تھی لیکن انہوں نے ملکیت میں جھگڑے کی بنا پر انکار کر دیا تھا۔ یہ 1970ء کی بات ہے تب سے ایک اور نسل پروان چڑھ چکی ہے اور ایسا لگتا ہے کہ انہیں لاکھوں ڈالر کی اس تاریخی کار میں رہتی برابر دلچسپی نہیں ہے۔ مقامی لوگوں کا کہنا ہے کہ ٹھوڑا عرصہ پہلے تک یہ ایک گیراج میں کھڑی تھی جہاں اس میں کبوتروں کا بسیرا تھا یہ ہمارے موجودہ دور کا پرتو بن چکی تھی۔

علامہ مشرقی کون تھا؟ میں نے پانچ مختلف ادیب عمر کے تعلیم یافتہ اشخاص کو فون پر پوچھا۔ ان میں سے صرف ایک اس عظیم شخصیت کے بارے میں مہم ساسراغ دے سکا۔ جس شخص کو ”برطانوی ہند کا عظیم مجرب دماغ ٹھہرایا گیا اس کا تعلق لاہور سے تھا۔ اس کے باوجود لاہور نے تو اس کے متعلق جانتا ہے اور نہ ہی اس کو اپناتا ہے۔ اگر آپ اسے اٹارنے ساتھ نقل کرتے ہیں تو آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ 1930ء میں کیمبرج یونیورسٹی اور برطانوی اخبارات اسے ”ناقابل بیان امکانات والا نابینہ روزگار“ کہتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک آزاد خیال سائنسدان تھا جس نے یہ نظریہ پیش کیا تھا کہ ہندوستان کی تاریخ اور ثقافتی طرز جنس ایسا ہے کہ عوام اپنے قائدین کے سلوک پر بلا واسطہ متناسب رد عمل کا اظہار کرتے ہیں یہ تصور کرنا کہ عوام کو تو اپنے ہر زمین کے عزائم کا علم ہی نہیں سراسر خام خیالی ہے۔ انہیں ہر تفصیل کا علم ہوتا ہے۔

علامہ مشرقی امرتسر میں 25 اگست 1888ء کو ستاروں کے ایک خوشحال گھرانہ میں پیدا ہوئے اور 27 اگست 1963ء کو لاہور میں انتقال کر گئے۔ وہ نہایت ذہین طالب علم تھے۔ انہوں نے نت نئے تعلیمی ریکارڈ قائم کئے۔ جس نے برطانیہ اور بدھنیر کے ہر شخص کو حیران کر دیا۔ انہوں نے 19 سال کی عمر میں ایک سال میں علم ریاضی میں ایم اے کی ڈگری حاصل کرنی۔ انہوں نے کیمبرج یونیورسٹی میں داغہ نیا اور چار برس سے بھی کم عرصے میں ٹرائی پور (بنا: سے آنر ڈگری) مکمل کرنی۔

آئیچہ انہوں نے آرم مضامین میں نمایاں کامیابی حاصل کی لیکن ان کی اصل شہرت علم ریاضی میں غیر معمولی قابلیت تھی۔ اپنے تعلق کا نام ”میں پر انہیں“ ”قاؤنڈیشن سکالر“ اور کیمبرج یونیورسٹی سے ”ہینکٹر“ (ریاضی) کے ٹرائی پور میں راجہ اون حاصل کرنے والا) کا اعزاز حاصل ہوا۔ روزنامہ ”ٹائمز آف لندن“ اور ”ڈیلی ٹیلی

کراف" نے لاہور کے اس ذہین باہر ریاضی علوم پر اوارے پئے تحریر کئے۔

24 برس کی عمر میں وہ فارغ التحصیل ہو کر ہندوستان لوٹ آئے اور برطانوی حکومت میں مختلف حیثیتوں سے کام کیا۔ ان کی شخصیت کو مد نظر رکھتے ہوئے برطانوی حکام کو ذرہ برابر حیرت نہ ہوئی جب انہوں نے پشاور کے ڈپٹی کمشنر کو جنگ عزت اور غلیظ زبان استعمال کرنے پر پھپھڑ مار دیا تھا۔ وہ 23 اپریل 1930ء کو پشاور کے قصہ خوانی بازار میں پنٹھانوں کے قتل عام پر سرکاری اہلکار ہوتے ہوئے بھی اپنا منہ بند نہ رکھ سکے تھے۔ انہوں نے صورت حال کی بد نظمی کے بارے میں برطانوی اخباروں میں اصل واقعات لکھ بیجے۔ ان کے کالم پڑھ کر برطانوی عوام ششدر رہ گئے۔ جب پنجابی قائدین نے ان کے نقطہ نظر پر تنقید کی تو انہوں نے کہا "برطانوی حکومت مجھے میرے علم کی تحفہ دیتی ہے نہ کہ میرے دل اور ضمیر کی" اسی سیاق میں انہوں نے سر کا خطاب لینے سے انکار کر دیا تھا۔

1931ء میں علامہ مشرقی نے خاکسار تحریک (عاجزوں کی تحریک) کی بنیاد رکھی اور آسائش کی زندگی تیاگ دی جس کے وہ حامی تھے۔ ان کی پارٹی کا بنیادی تصور یکساں مساوات کے اصول پر مبنی تھا جو نہ تو علی الحال تھا اور نہ ہی مراعات یافتہ اور غیر مراعات یافتہ طبقات کے مابین کوئی دیوار حائل تھی۔ علامہ مشرقی ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے اس مسئلہ حقیقت کو تسلیم کر لیا تھا کہ جاگیرداری نظام کی بالادستی اور درجہ بندی پر مبنی افسر شاهی کی وجہ سے پاکستان کو از حد نسلی اور صوبائی تعصبات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس مساوات جبریہ کا حتمی نتیجہ مکمل اور کلی انتشار ہوگا۔ اگر ان خرابیوں کو ذور کر دیا جائے تو حتمی نتیجہ ان نعمت خوشحالی کے امکانات کی صورت میں اٹکے گا۔

چنانچہ سے مغز نہیں۔ ماہر علم ریاضی نے 1953ء میں لکھا۔ "میرے حساب کتاب سے مشرقی پاکستان 1970ء میں اپنی آزادی کا اعلان کر دے گا۔" یہ دن دیکھنے کے لئے وہ زندہ نہیں رہے۔ انہوں نے مسئلہ کشمیر کو اقوام متحدہ میں لے جانے پر اہتمام کیا۔ "کیونکہ ہم اسے ہندوستان سے بھی آزاد نہیں کر پائیں گے۔ اس حقیقت کو آج تسلیم کر لیں تو اچھے رہیں گے اسے لازمی پاکستان کے صوبے کی حیثیت سے رہنا چاہئے اور ہمیں صوبے کے گمشدہ حصوں کو دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہنا چاہئے ورنہ ایک روز ہم کشمیر کی تقسیم اسی طرح قبول کر لیں گے جس طرح ہم نے پنجاب کی تقسیم قبول کر لی تھی۔"

نیا اس غیر معمولی لاہوری کے بارے میں کچھ مزید کہنے کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔ جس نے اچھرے کی ایک غیر معمولی گلی میں زندگی گزار دی۔ کئی برس بعد اس کے بھانجے عظیم اختر حمید خاں نے اورنگی پراجیکٹ قائم کیا تو گویا اس عظیم شخصیت کے خیالات کو عملی جامہ پہنایا جا رہا تھا۔ نتائج حیران کن تھے۔ یہ حقیقت کہ ایڈولف ہٹلر نے انہیں بہترین کار بطور متحدہ پیش کی تھی انہیں برطانیہ کے لئے حیرت کا باعث نہیں تھی۔ اس نایاب کار کی آج حالت کیا ہے سب دیکھ سکتے ہیں۔ اب بھی وقت ہے کہ ریاست سے اپنی تحویل میں لے کر اسے اصلی حالت میں واپس لاکر کسی سائنسی عجائب گھر میں رکھے اور اس کی نمائش کرے۔ مجھے انجمنی سے بلند خاموشی سنائی دے رہی ہے۔

بنو اور اس کی رائیوں

کی مقبول عام روایت

کچھ عرصہ قبل پنجاب گلوکاروں میں سب سے زیادہ کلکتی فنکار ابرار الحق نے جو کے نام سے ایک گانا گایا جو تمام پاپ گانوں میں سر فہرست رہا۔ اس کے مقبول عام ہونے کی معقول وجہ یہ بھی تھی کہ جو کا نام ایک عجیب سا

سحر طاری کر دیتا ہے۔ کشش کی وجہ پنجابی تاریخ میں اس کی گہری جڑیں ہیں جو اہل لاہور کے لئے ایک خصوصی اہمیت کی حامل ہے۔

تاریخ کے ترمیم عقیم الشان شہنشاہوں کی طرح رنجیت سنگھ کا بھی آباؤ حرم تھا اگرچہ یہ تجربہ میں: تاہم انہیں تھا جتنے بڑے اس سے پہلے مغلوں اور ان جیسے دیگر حکمرانوں کے تھے۔ رنجیت سنگھ نے لاہور کے بڑے سے شیش محل کے اوپر والی منزل کے چھوٹے سے کمرے سے اپنی سلطنت کے سنگھاسن پر سربر آرا ہوا کرتا تھا۔ اس کا حرم چار طبقات میں منقسم تھا۔ پہلے دو طبقوں میں نو نو عورتیں تھیں تیسرے میں سات عدد اور چوتھے میں ایکس عورتیں تھیں۔ ہر طبقے کی عورتوں کا انتخاب سکھ اور مسلمان علماء کیا کرتے تھے۔ جنہیں ضم الامراء اور عمرباش اور نجوم میں ملکہ حاصل تھا۔

پہلے طبقے میں شاہی بیگنات شامل تھیں جو تمام کی تمام سیاسی تقریب ضرورت اور معاہدوں اور پسند و ناپسند کے مطابق ہوتی تھیں۔ دوسرے درجے میں بیوہ عورتیں شامل تھیں جن سے بیہمت ہی کی طرح برتاؤ کیا جاتا تھا۔ تیسرے درجے میں منتخب وراثتیں تھیں جو تمام تعظیم یافتہ اور ذہین عورتیں ہوتی تھیں۔ آخری درجے میں کینڑوں کی صف بندی تھی۔ ان تمام عورتوں کا انتخاب ان کی خوبصورتی کی بنا پر ہوتا تھا اور وہ سلطنت کے دور و نزدیک سے لائی جاتی تھیں۔ ان کے لئے یہ معمول کی بات تھی کہ انہیں پچیس برس کی عمر کو پہنچ کر ریٹائر ہو جانا ہے تاکہ نئی اور نوجوان عورتیں ان کی جگہ لے سکیں۔ شاہی گھرانوں میں یہی زندگی کا چلن تھا۔

لاہور میں بشیراں نام کی ایک عورت تھی جو غیر معمولی طوور پر حسین و جمیل تھی وہ نہایت اعلیٰ درجے کی گلوکارہ تھی اور مہاراجہ پر نشہ طاری کر دیتی تھی۔ رنجیت سنگھ اس کی بیٹی کی مانند ہلکی بھوری آنکھوں کی وجہ سے اسے بلوکھا کرتا تھا۔ اس کا لازوال حسن ایسا تھا کہ سارے لاہور کو پتہ تھا کہ بلوکھا مہاراجہ کے سوا سب کے لئے ممنوع ہے وہ ہر لحاظ سے شہنشاہ کی منظور نظر تھی۔ جس نے اس کے لئے آٹھ ہزار روپے سالانہ کی جائیداد دینے کا حکم جاری کیا۔ حالانکہ کسی بھی دوسری عورت کو اس سے نصف دیا کرتا تھا۔ اس کا سوٹرا اناشہ دیوان حافظ کی غزلیں گانے کی صلاحیت تھا جن میں سے اکثر اسے زبانی یاد تھیں۔ اس کی آواز میں جو نفسگسی تھی اس کا موازنہ شاد و نادر ہی کیا جاسکتا تھا۔ لاہور کی گلیوں میں اگر کسی نوجوان حسینہ کی انا اس کے سراپے سے بڑھ کر ہوتی تو اسے طنزاً بلوکھا جاتا تھا۔ یہ تھا لاہور کی بشیراں کی غضبناکی کا عالم۔ ایک تحریر کے مطابق پانی والا تالاب کے قریب ایک وسیع حویلی میں اس کی رہائش تھی۔

ایک اور تحریر میں ایک دلچسپ واقعہ درج ہے کہ ایک روز رنجیت سنگھ نے تفریحی سوڈ میں بشیراں کو پیکش کی کہ وہ اسے پندرہ ہزار مالیت کے زیورات چار ہزار روپے کی مزید جاگیر عطا کرے گا اگر وہ نیک دل مسلمان وزیر فقیر نور الدین کو اپنی محبت میں اسیر کر لے تو انہیں مہاراجہ شکر یہ! بلونے کہا ”مجھے خدشہ ہے کہ اس جیسے مقدس شخص پر گناہ کی نظر ڈالنے سے کہیں میں اندھی نہ ہو جاؤں۔“ بہر حال فقیر نور الدین کا بھائی فقیر عزیز الدین جو خود بھی دربار میں وزیر تھا اس کی ادواؤں پر مرٹا۔ ایک روز جب وہ مہاراجہ سے ملنے گیا تو اس کے مشاہدہ میں آیا کہ راجہ حافظ کی غزل سننے میں مگن تھا۔ وہ شاعری سننے کے لئے ٹھہر گیا اور ایک مقام پر وہ اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکا اور اس نے ”اللہ اکبر“ کا نعرہ بلند کیا اور پھر اپنے آپ کو ٹھنڈا کرنے کیلئے قریبی پانی کے تالاب میں چھلانگ لگا دی۔ شائق خدام بھی اس کی جان بچانے کے لئے اس کے ساتھ ہی تالاب میں کود گئے۔ کیونکہ وہ بیہوش ہو چکا تھا۔ اس روز کے بعد سے جب بھی فقیر عزیز الدین نے مہاراجہ کے دربار میں آمد کی اطلاع ملتی تو ہر قسم کی موسیقی بند کر دی جاتی تھی۔ مہاراجہ کہا کرتا ”بھاراد بھانگ جاؤ“ بھاراد پنجابی میں فاختہ کو کہتے ہیں لیکن اس

سیارہ ڈائجسٹ کی ایک اور عظیم الشان پیشکش

صدقات و خیرات نمبر

شائع ہو گیا ہے

قیمت 175/-

”کون ہے ایسا شخص جو اللہ تعالیٰ کو قرض دے تاکہ اللہ تعالیٰ اس کو بڑھا کر بہت زیادہ کر دے“
(القرآن)

☆..... قرآن و حدیث کی روشنی میں صدقہ خیرات کے احکامات اور مسائل

☆..... خیرات کرنے، صدقہ کرنے اور مفلسوں و ناداروں کو کھانا کھلانے

سے مال میں برکتیں اور اضافہ ہوتا ہے

☆..... غریبوں اور مسکینوں سے وہ سلوک کریں جو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے

☆..... ایمان افروز سچے واقعات سے مزین جن کو پڑھ کر آپ کی زندگی

میں انقلاب آجائے گا

☆..... ایک ایسی کتاب جو انشاء اللہ ہر گھر کی کامیابی اور فلاح کی ضمانت ہے

سیارہ ڈائجسٹ 240 ریواز گارڈن لاہور

فون: 0423-7245412

Scanned By Amir

کی مراد سازندے ہوتے تھے یہ بخاور آج بھی لاہور کے قدیم شہر میں رائج ہے۔
 مہاراجہ رنجیت سنگھ بلوکی موجودگی میں کیسی نشستوں کا اہتمام کیا کرتا تھا اس کی ایک جھلک پیش خدمت ہے۔
 ان نشستوں میں جو شراب پلائی جاتی تھی وہ نہایت منتخب کشمش سے کشید کی جاتی تھی جس میں نہایت باریک پے
 ہوئے موتیوں کی آمیزش کی جاتی تھی۔ وکسر نکھوں نے بہت بعد میں تحریر کیا کہ شراب نہایت اعلیٰ درجے کی تھی اور
 بلو کے ساتھ نشستوں میں بے ہودگی کا شائبہ تک نہ ہوتا تھا بلکہ نہایت سنجیدہ ہوتی تھیں اور اپنی مثال آپ ہوا کرتی
 تھیں۔ یہ عام تاثر کہ ان میں رنگ رلیاں منائی جاتی تھیں اس کا سچائی سے دُور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ ایسی نشستیں
 فنون کے نکتہ رس صاحب الرائے حضرات کے لئے تھیں یا ان کے لئے جو شاعری اور فنون لطیفہ کے گرویدہ تھے۔
 اپنی جراتی میں بلو کا طائفہ چالیس جواں سراں ناپنے والیوں پر مشتمل تھا۔ اپنے گانے کے دوران وہ پس منظر
 میں خاموش ناچ پیش کرنے کی صلاحیت کو بروئے کار لاتی تھی تاکہ جو غزلیں وہ گایا کرتی تھی ان کا ایک مکمل تاثر
 ابھر سکے۔ ہر ناپنے والی لڑکی "بلورانی" کہلاتی تھی۔ یہ اصطلاح آج بھی اندرون شہر مستعمل ہے۔ بلو جو لباس
 ان ناپنے والی "رائیوں" کو پہنایا کرتی تھی، آج بھی لاہور کے علاقے ٹیپو میں اس پیشے کو اپنانے والیاں وہی
 لباس زیب تن کرتی ہیں۔ بلاشبہ لاہور کی بشریوں عرف بلو اپنے زمانے کی عظیم مغنیہ تھی۔ یہ مقبول عام روایت
 اب تک قائم و دائم ہے۔

فقط لاہور ہی نہیں بلکہ پورے پنجاب کے لوگوں کے ذہنوں میں بلو کے نئے تصور کو پیدا کرنے کا اعزاز
 امیر الحق کو جاتا ہے۔ یہ مذاخیل نہیں ہے کہ اس تخلیقی عبقری کو چاہئے کہ ان بھی حیرت انگیز عورتوں کے بارے
 میں مزید مطالعہ کرے اور عوام الناس کے ذہنوں میں بنو بھی عورتوں کی غیر معمولی تخلیقی صلاحیت اور جوہر قابل کی
 حامل عورتوں کو دوبارہ بحال کر سکے۔

شہزادہ جو فقیر ہو گیا

ایک زمانے میں لاہور پر احمد شاہ ابدالی کے پوتے شاہ زماں کی حکومت تھی۔ افغانستان کے پہاڑوں سے آنے
 والوں کا واحد مقصد ہمارے ملک کے عوام کی لوٹ کھسوٹ تھا۔ ان کے مرنے اور معروف ہونے کے برسوں بعد اسلامی
 مطمح نظر کے بہانے تراشے گئے۔ کسی بھی طرح سے "دولت کے انبار لگانے" کو اپنی صوابدیدی سیاسی معنی پہنانے کا
 آسان عمل۔ ایک زمانے میں اہل لاہور خصوصی طور پر اور اہل پنجاب عمومی طور پر دولت کے انبار لگانے کی سعی لا حاصل
 کو بیان کرنے کے لئے ایک جملہ کہا کرتے تھے: "جو تم کھانی سکتے ہو وہ تمہارا ہے باقی ماندہ احمد شاہ ابدالی کی ملکیت
 ہے" یہ تھا وہ خوف کا عالم جو ان افغانی لشیروں کی مسلسل آمد میں باقاعدگی کی وجہ سے پیدا ہو چکا تھا۔ سکھ اقتدار کے
 عروج کے باعث تمام بڑی افغان مہمانت کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ خاص طور پر جب مسفاک کرنیل ہری سنگھ نلوا پنجاب کی
 حکومت قائم کرنے کے نئے کامل تک جا پہنچا تھا۔ تاریخی و عادی کا دائرہ مکمل ہو چکا تھا۔ نلوا کی غصینا کی اس قدر شدید
 تھی کہ آج بھی افغانی مائیں اپنے بچوں کو ڈانے کے لئے کہتی ہیں کہ "رونا دھونا بند کرو ورنہ نلوا آ جائے گا۔"

لاہور کے حکمرانوں کی داستانوں میں قسمت کے پھیر کی دلچسپ ترین کہانی شاہ زماں کی ہے۔ اپنے باپ
 تیمور اور دادا ابدالی کی طرح کامل کا حکمران ہر سال پنجاب پر چڑھ دوڑتا اور لاہور کا رخ کرتا۔ دریائے سندھ
 تک کوئی ان کی راہ میں زیادہ حائل نہ ہوتا۔ لیکن ایک بار جب وہ شہر دریا عبور کر لیتا تو ابتدائی طور پر مقامی
 حکمران انہیں روکنے کی کوشش کرتے لیکن جب وہ دیکھتے کہ وہ ان سے بہت زیادہ طاقتور ہیں تو چپکے سے پرے

ہو جاتے اور انتظار کرتے۔ تسلیم شدہ پنجابی گورنر بلا حکمت عملی وقت کے ساتھ ساتھ پروان چڑھتی گئی۔ یہ ان حملہ آوروں سے دھوکہ کرتے اور انہیں وطن کی طرف جانے پر اکساتے اور واپسی پر راستے میں حملہ آوروں پر درپردہ وار کر دیتے حتیٰ کہ سارا مال غنیمت چھین لیتے۔ سکھ مسل فوجی اس کام میں ماہر تھے۔ اسی حکمت عملی نے آخر کار افغانوں کو ہمیشہ کے لئے کچل کر رکھ دیا اور پورے پنجاب میں پنجابی حکومت قائم ہو گئی۔

افغان حکمرانوں کا بڑا مسئلہ ہاتھیوں سے جنگ کرنا نہیں بلکہ اپنے ملک میں سازشوں سے نبھنا تھا۔ یہ ایک بھائی کی دوسرے بھائی سے مخالفت تھی۔ جب بھی ایک بھائی ہندوستان پر حملے کے لئے روانہ ہوتا تو دوسرا بھائی اس کے تخت پر قابض ہونے کی کوشش کرتا۔ شاہ زمان کے دو طالع آزما بھائی تھے جو اس کے لئے بے شمار مشکلات کھڑی کر دیتے تھے۔ 1796ء میں جب وہ تیسری بار ہندوستان پر حملہ آور ہوا تو اس کے بھائی محمود نے شب خون مار دیا۔ ہر سال اسی طرح ہوتا رہا۔ شاہ زمان نے لاہور پر اپنی نچے والی تخت گیر حکومت کی لیکن آخر کار اس کے بھائیوں نے اسے شرافت چھوڑنے پر مجبور کر دیا تو اس نے اس کی آنکھیں کھلوادیں۔

جب تک رنجیت سنگھ پنجاب کے مہاراجہ کے طور پر اپنی حیثیت مستحکم کرتا شاہ زمان ایک بار پھر اپنے بھائیوں کے ہاتھوں راہ فرار اختیار کر چکا تھا۔ شاہ شجاع انک پہنچا جہاں اس کے مشفق میزبان نے اسے سازش کے شبے میں قید کر کے کشمیر بھیج دیا۔ لیکن رنجیت سنگھ نے فیصلہ کیا کہ شاہ زمان اور شجاع کے اہل خانہ کو راولپنڈی میں پناہ دے دی جائے لیکن انہوں نے وہاں بھی سازش شروع کر دی انہوں نے جلاوطن حکومت قائم کر لی اس پر شاطر رنجیت سنگھ مجبور ہو گیا کہ انہیں لاہور لے آئے اور ان پر کڑی نظر رکھے۔

11 نومبر 1811ء کو لاہور کا سابق حکمران شاہ زمان اندرون شہر لاہور میں داخل ہوا۔ وہ ایک بادشاہ کی حیثیت سے یہاں سے گیا تھا لیکن اب ایک حقیقی فقیر کی طرح واپس آیا تھا۔ اسے بازار حکیمان کی ایک شاعرا حویلی میں رہائش دی گئی اور اس کی کڑی نگہداشت کی گئی۔ لیکن پھر اس خاندان کی سازش کی اشتہان پر غالب آ گئی۔ اس وقت رنجیت سنگھ اپنے بیٹے اور وارث کبڑک سنگھ کی شادی کے شاندار استقبال کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ اس سے قبل شہر میں اتنی شاعرا اور وسیع پیمانے پر کوئی شادی نہیں ہوئی تھی۔ دولہا کو دو لاکھ چھتیس ہزار روپے نقد سلاخی میں ملے جو موجودہ دور کے سونے کی مالیت کے حساب سے بیس کروڑ سے زائد کی رقم بنتی ہے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے پانچ ہزار روپے نقد کا گرام قدر تحفہ پیش کیا۔

لیکن رنجیت سنگھ کا شاہ زمان اور اس کے خاندان کو مہمان خہرانے کا مقصد افغان سازش سے نہیں بڑھ کر تھا۔ اس کی آگے ایک ہی آگے تھی، گوگنڈہ کی کان سے برآمد شدہ ”کوہ نور“ ہیرے پر تھی اور وہ ہیرا اس کے مہمانوں کے تصرف میں تھا۔ یا اشتہا تھا کہ ان کے پاس ہے۔ ابتدائی طور پر جب یہ ہیرا کان سے برآمد ہوا اور اس کو چمکایا گیا تو یہ مغلوں کی ملکیت تھا۔ پھر ایرانی حملہ آور اور شاہ نے 1739ء میں کوہ نور ہیرا اور تخت طوس شہنشاہ محمد شاہ سے چھین لئے۔ جب 1747ء میں درشاہ کو قتل کر دیا گیا تو یہ احمد شاہ ابدالی کے قبضے میں آ گیا۔ پھر تیمور کے ہاتھ لگا اور پھر شاہ زمان کی ملکیت میں آ گیا۔ اس کے بعد درشاہ نے اس کی بیوی و نواسیوں کو لکھنؤ، پٹنہ، جہلم، دہلی، کراچی سے فرار ہوا تو ہیرے کو لاہور لے آیا جہاں اس کے بچے سے لکھنؤ، سکھوں نے ہیرا کھلوایا۔ ہیرا چھیننے سے وہ درشاہ کے آخری وارث کے ہونے کی بدولت اس کی بیوی سے آگے دیکھا گیا۔ اس نے ہیرا کو اپنے ہاتھ میں رکھا اور اپنی بیوی کو ہیرا سے ہٹا دیا۔

رنجیت سنگھ کا وفادار حکم چندا سے نے کر آیا تھا۔ ان کی آمد کے دوسرے دن ہی رنجیت سنگھ نے کہلا بھیجا کہ اب افغانوں کو اپنے وعدے کا پاس کرتے ہوئے مشہور ہیرا اس کے حوانے کر دینا چاہئے۔ افغانوں نے قرآن پر حلف دیا کہ ہیرا ان کے پاس نہیں رنجیت سنگھ نے ان سے وعدہ نہاٹنے کے لئے تین دن تک کوشش کی لیکن: افغانی نہیں مانے پھر شجاع شاہ نے ہیرے کی قیمت پچاس ہزار روپے نقد لینے اور پنجاب کے جنوب میں واقع علاقے کی بازیافت میں مدد کے وعدے پر کہا کہ وہ اس بارے میں سوچے گا۔ اس موقع پر پنجابی ازلی دوستی کی خاطر اپنی پگڑیاں بدل لیتے تھے کیم جون 1813ء کو شاہ شجاع نے ہیرا مہاراجہ کے حوانے کر دیا۔ اس تمام عرصے میں یہاں کے پاس تھا۔

اس بارے میں بہت سے بیانات ہیں کہ ہیرا کیسے نکلوا گیا۔ یہ بیان محکم چند کی جو اس موقع پر موجود تھا جب قیمت کی ادائیگی ہوئی اور ہیرا وصول کیا گیا ڈاکری سے ہے۔ لاہور ہی میں انگریزوں نے یہ ہیرا قبضے میں لیا جو اب ملکہ برطانیہ کے تصرف میں ہے۔ چنانچہ جب لاہور کا حکمران فی الواقع ایک فقیر کی حیثیت سے گیا اور ہیرے کو قیامت فروخت کر دیا۔ اسی بنیاد پر لاہور کے دار الحکومت والی پنجاب گورنمنٹ اس ہیرے کی حقیقت اور جائز مالک ٹھہرتی ہے۔ کیا ہم کبھی اس ہیرے کو بازیافت کر پائیں گے؟ سخت تر دو والی بات ہے۔ روایت در آتی ہے کہ ایک دن لاہور کی شہر ہے کہ ہیرا ایک دن لاہور واپس آ جائے گا۔

بد مہاش جو بزرگ

سیر زیادہ نامور ہوا

جب ہم گڑھی شاہو کے بارے میں سوچتے ہیں تو ہمیں ریلوے سٹیشن کا خیال آتا ہے عیسائی فرقے کا خیال آتا ہے۔ برٹ انٹیلی جنٹ جیسے شاندار ناچ کلب کا خیال آتا ہے جو اب بیکار پڑا ہے اور ہمیں کونوینٹ آف جیمز ایڈ میری کا خیال آتا ہے۔ لیکن یقیناً اس جگہ کے بارے میں اور بھی بہت کچھ ہے جسے ہم نے کبھی کھنگالنے کی کوشش نہیں کی۔

گڑھی شاہو علاقے کی شہرت کا عروج برطانوی دور میں تھا جب ریل کی ہٹری بچھائی گئی۔ ان دنوں انجمن ڈرائیور ہونا بڑی بات سمجھی جاتی تھی ابتدائی طور پر تمام انجمن ڈرائیور انگریز تھے اور برطانوی راج نے ان کے لئے ریلوے کی ہٹری کے نزدیک نہایت خوبصورت رہائش گاہیں تعمیر کیں تھیں جو اب بھی پر شکوہ میوگا رڈ نرسے نے کر برٹ کلب تک اور دوسری کالونیاں جو پانے میور ڈجیسے اب عدا۔ اقبال روڈ کا نام دے دیا گیا ہے کے دونوں اطراف میں پھیلی ہوئی تھیں۔ پتہ نہیں ہم اپنی تاریخ کو کیوں بھول جاتے ہیں؟ پھر انگریزوں نے ریلوے کے ٹکٹے میں ہندوستانی عیسائیوں کو بھرتی کرنا شروع کر دیا جو زیادہ تر پرنگانی تھے جن کا تعلق گوا سے تھا اور لاہور ڈی سوزا ڈی سلویا اور فیروز خانداٹوں سے بھرا پڑا تھا اور سفید فام اہل انگریزوں کا تو ڈر ہی نہ کریں جن کے خاندان برٹن برائن اور جلیف تھے۔

ان کو ریلوے پولیس میں بھی بھرتی کیا گیا اور بعد ازاں پنجاب پولیس میں بھی اور ان تمام لوگوں نے بڑی متاز خدمات سرانجام دیں۔ آج تقریباً یہ سب نوگ ہمارے تھنڈاٹ کا شکار ہونے کی بنا پر ٹھنڈے سکوں کی طرف پرواز کر گئے ہیں۔ گڑھی شاہو کا معاشرتی اور ثقافتی ماحول بقیہ رہو گے علاقوں سے غیر معمولی طور پر مختلف تھا۔ برٹنوں وہاں جا چکے تھے۔

تین پھر اس علاقے کی اصل کہانی ٹھنڈاٹ و شاہ جہان کے دور سے شروع کرنا پڑے گی کیونکہ اسی کے دور

حکومت میں ایک عرب بزرگ جن کا نام ابوالخیر تھا لاہور تشریف لائے تھے۔ دو اسلامی فقہ کے معروف عالم دین تھے اور بغداد سے سفر کر کے ہندوستان پہنچے تھے۔ پنجاب پہنچنے پر اس کا موسم طبیعت کے موافق پایا تو لاہور میں تھوڑی دیر قیام کا فیصلہ کیا۔ ان دنوں جو علاقہ اب ٹرمی شاہو کہلاتا ہے محلہ سیداں کہلاتا تھا۔ کیونکہ اس علاقے میں عالم حضرات قیام پذیر تھے جیسے سید جان محمد حضوری جن کے نام پر حضوری باغ ہے۔ یہ دانشندانہ، حول انہیں بہت پسند آیا اور انہوں نے سب سے آباد ہونے کا فیصلہ کر لیا۔

شہنشاہ اورنگزیب کے دور حکومت میں ابوالخیر کی شہرت دور دور تک پھیل گئی تھی۔ شہنشاہ کی خواہش تھی کہ زیادہ سے زیادہ لوگ ان بزرگ شخصیات سے فائدہ اٹھائیں۔ اس نے حکم دیا کہ بزرگ عالم دین ابوالخیر کے لئے ایک مدرسہ اور موزوں رہائش تعمیر کی جائے ایک شاہی فرمان کے ذریعے اس مدرسے اور گھر کی دیکھ بھال کے لئے ایک رقم بھی مختص کر دی گئی۔ چنانچہ ابوالخیر کا دوبارہ قائم ہو گیا۔ آج بھی ٹرمی شاہو کے بڑے پورے کے قریب جہاں سڑک تھوڑا سا ٹھہر نکلتی ہے ایک چھوٹی سی گلی ہے جس کے خاتمے پر قبرستان کے ایک کنارے پر قائم دائم ہے لیکن غیر آباد اور لاوارث۔

ابوالخیر صاحب نے 105 برس کی عمر تک اپنے مدرسے میں پڑھایا اور پھر اپنی وفات پر اس دور کے دیگر معروف لوگوں کی طرح وہیں دفن ہوئے۔ جب مغلیہ سلطنت رو بہ زوال تھی اور طوائف اہلو کی آہستہ آہستہ پھیل رہی تھی تو علم و فضیلت کی قدر و منزلت نہ رہی۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ سے قبل لاہور پر تین سکھوں کی حکمرانی تھی۔ پلاؤ خر رنجیت سنگھ نے سختی سے علم و ضبط پر عمل چیرا ہو کر چالیس برس تک حکومت کی۔ بہر حال جس زمانے میں اہلوکف اہلو کی چار سو پھیلی ہوئی تھی تو مدرسے پر ایک "خلیفہ" نے قبضہ کر لیا جس کا نام محمد فہیم تھا۔ جو وہاں پڑھایا کرتا تھا جس کے انتقال کے بعد یہ خلاء بند کرنے والا کوئی نہ تھا۔

لیکن طوائف اہلو کی کئی اپنے اصول ہوتے ہیں۔ اسے پتہ ہوتا ہے کہ خلاء کو کس طرح سے پر کیا جائے جیسا موجودہ دور میں "قبضہ ٹروپ" قانون کا تسخیر اڑاتے رہتے ہیں۔ آئینہ غاظ سے تو ہاتھ بھی نہیں بدلا۔ موجودہ دور کے ٹرمی شاہو پورا ہے کے قریب مکان اور مدرسے پر کئی بد معاشوں کی آنکھ تھی۔ لوگوں نے مدرسے کی عمارت سے اینٹیں چرانا شروع کر دیں ڈاکوؤں کے جتھے مدرسے کے طالب علموں پر حملہ آور ہوتے اور ان کی معمولی نوعیت کی اشیاء لوٹ لے جاتے تھے۔

پھر شاہو نام کا ایک حقیقی مانیا کا گرو اپنے رس گیز موٹی چور نو لے کے ہمراہ آیا اور عالم دین ابوالخیر اور اس کے دیگر علماء کرام کے لئے بنائی گئی دونوں عمارتوں پر قابض ہو گیا۔ وہ علاقے سے موٹی اور دوسری اشیاء چرا کر لاتے اور اس محفوظ جگہ پر ذخیرہ کرتے تھے۔ انر مانکان آجاتے تو قبیل معاوضہ لے کر ان کی اشیاء واپس کر دیتے بصورت دیگر ان کو فروخت کر دیتے۔

یہ اس زمانے کی بات ہے جب تین سکھ حکمران اپنی الگ الگ چھوٹی عملداریوں تک محدود تھے۔ چنانچہ شاہو کے نوٹس کا سب سے زیادہ انداز تھا۔ اسی کی وجہ سے اس علاقے کا نام شاہوئی ٹرمی پڑ گیا۔ سکھوں نے بھی اسے ٹرمی شاہو کہا اور انگریزوں نے بھی اور ہم بھی یہی کہتے ہیں اور ہمیں کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ ہم اس کا نام تبدیل کر دیں کیونکہ شاہو ایک ہدام زون نہ رہا تھا اور اس نے بالکل ایسی زندگی بسر کی جیسے آج کل کے "معتز" شہریں بسر کرتے ہیں اور یہ مذاق کی بات نہیں۔

لیکن انگریزوں نے ٹرمی شاہو کا حلیہ بصر بدلی کر رکھ دیا۔ کیونکہ یہ ان کی انواع اور رعایا کو آہ و دھرت کے

ذرائع مہیا کرنے کی تمام تر کارروائیوں کا مرکز تھا۔ جوان کی زندگیوں میں نمایاں طور پر انقلاب لے آئے ذرا سوچنے تو زندگی میں ذرائع آمدورفت کی وجہ سے انقلاب آ جانا بعینہ ایسے ہی ہے جیسے اندرونی محرق انجن یا اپنے زمانے میں موبائل ٹیلی فون کا چلن ہونا لیکن کون سوچ سکتا تھا کہ ایک ایسا علاقہ جو اپنے رہائش پذیر اور وقت کے عالم دین شخص کے نام کو برقرار نہ رکھ سکا اور ایک پورے بدمعاش شخص کے نام کو جو صحیح معنوں میں "بغض گروپ" کا لیڈر تھا قائم رکھا۔ قسمت کے عجیب پھیر لاہور میں دیکھنے کو ملتے ہیں کیونکہ ہر اینٹ کی اپنی کہانی ہے۔

نامور خواجہ سرا

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ خواجہ سراؤں میں ایک عجیب قسم کی کشش پائی جاتی ہے۔ اگرچہ ہمارے والدین نے ہماری پرورش میں ناپسندیدہ افراد قرار دے کر انہیں سختی سے نظر انداز کرنے کو کہہ رکھا ہے لیکن جوان ہونے پر حیرت کا اظہار ہوتا ہے کہ کیا ان کے پاس اصلی سودا ہے بھی یا نہیں؟ تاریخ میں انہوں نے ایک زبردست کردار ادا کیا ہے۔ دو طرح سے۔ ایک تو حسب سابق حالت کی پاسداری کرنے کا اور دوسرے ظالم حکمرانوں کے ضمیروں کو مسلسل کچھ کے لگاتے رہنے والے طبقے کی حیثیت سے۔

اگر آپ داتا گنج بخش کے حزار پر زیارت کے لئے جائیں اور ترقی تعمیر شدہ مسجد کی طرف منہ کر کے بائیں گلی میں چلتے چلے جائیں تو آپ بلال گنج روڈ والے چوراہے پر جاٹھیں گے۔ اگر آپ رہتی گن روڈ کی طرف واپس چلیں تو ہائیں ہاتھ دو گلیوں میں ایسا علاقہ ہے جہاں دو برادریاں رہتی ہیں یعنی لاہور کے خواجہ سرا اور حزار کے پشمان فقیر۔ ان بھول بھلیوں والی گلی میں باہر کے افراد کو اتنی کڑی نظروں کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ انسان سوچ بھی نہیں سکتا۔ کیونکہ یہ دونوں برادریاں نہ تو کسی کو ایک ایچ زمین دیتے ہیں نہ ہی ٹانگیں کرتے ہیں۔ یہ ان کا اپنا علاقہ ہے ان کی اپنی جنت۔ اس کھلے اور وسیع علاقے میں ان برادریوں کے عجیب راز چھپے ہوئے ہیں۔

اگر آپ روشنائی دروازے سے قلعہ میں داخل ہوں جو اب عوام کے لئے قلعے میں داخل ہونے کے لئے ایک ہی کھلا دروازہ ہے تو آپ کے سامنے اس تاریخی عمارت میں آگے جانے کے دو راستے ہیں۔ وہ سڑک جو اوپر کی طرف بل کھا کر دائیں جانب چڑھتی ہے یہ راستہ ہے جہاں ہاتھی اپنی سواروں سمیت گزر کر دیوان عام کی طرف اور اس سے بھی آگے دیوان خاص تک جایا کرتے تھے۔ اگر آپ بڑی بڑی سیزیموں اور فنٹ پاتھوں والا راستہ اپناتے ہیں جو سیزیموں سے پھڑی والے راستے کے بائیں جانب پڑتا ہے تو اوپر جا کر شیش محل کے بالکل سامنے پہنچ جائیں گے۔ اگر آپ ان سیزیموں والے راستے پر چلیں تو آپ کو دیواروں میں جا بجا گولیوں کے نشان ملیں گے۔ کچھ پر تو سائن بورڈ لگے ہوئے ہیں جو ان کی جانب اشارہ کرتے ہیں پائی آپ خود چلتے ہوئے دیواروں میں دیکھ سکتے ہیں۔ یہ نشانات ان لڑائیوں کے ہیں جو دو سو برس قبل لڑی گئی تھیں اور چند ایک اس سے بھی پہلے لیکن گولیاں اور خواجہ سرا کہاں سے آن چکے؟ یہاں ہمیں شاہی خاندانوں میں خواجہ سراؤں کے تاریخی کردار کو دھیان میں رکھنا ہوگا کیونکہ خواجہ سراؤں کے بغیر کسی شاہی خاندان کا وجود نہ تو۔

مغلیہ خاندان کے آخری حکم شہنشاہ اورنگزیب کے وقت بہ شہنشاہ شاہ جہاں کی وفات کے بعد جب لاہور پر قبضہ کرنے کے لئے لڑائی شروع ہوئی تو شاہی بادشاہ کے پروردار سے منس رکتے والے لوگوں میں حمد آرد ہوئے تو اسی وقت سے آج تک ان کے لئے "تھیں"۔ سب سیزیموں کے لئے "تھیں" کی طرف یعنی جہاں باقاعدہ طور پر خواجہ سراؤں کی نیک فوج "خاندان"۔ جو سیزیموں اور بادشاہوں میں سیزیموں کے لئے "تھیں" سیزیموں کے لئے "تھیں" سیزیموں کے لئے "تھیں" سیزیموں کے لئے "تھیں"۔

سے چھٹائیس لگا دیں۔ چند ایک نے حرم کی شہزادیوں اور خواتین کی حفاظت کے لئے چاقوؤں کا آزرانا استعمال کیا۔ یہ بہت ہی خوش اور ہولناک واقعہ تھا اور خواجہ سرا اس راہداری کے ایک ایک راج کے لئے لڑتے اور قربان ہوتے رہے۔ ہلاخراہی کے اہل کو حرم سرا پہنچنا ہی تھا جہاں تعینات سپاہیوں نے حقیقتاً بے چوں و چرا بغیر لڑائی لڑے ہتھیار ڈال دیئے۔ بہت جلد کی بات ہے جب مہاراجہ نے نیت سنگھ کی وفات کے بعد قلعہ پر بادشاہی مسجد کے لگے دروازوں میں بندوں سے جہاں توپیں نصب تھیں کلمہ ہادی کی گئی تھی۔ سپاہیوں کو حرم کے علاقے میں داخل ہونے کی جرأت نہیں ہوئی تھی کیونکہ یہ اولاً عام تھی کہ وہاں سکھ سپاہیوں سے زیادہ خوناک خواجہ سرا موجود تھے۔ یہ تو صبح اس لئے بھی قابل یقین ہے کہ جب 22 ستمبر 1857ء کو کیمپشن ہرسن نے آخری منزل شہنشاہ بہادر شاہ ظفر کو گرفتار کیا تو دہلی کے خواجہ سراؤں کی بہادری کے قصے لاہور میں گردش کرتے رہے تھے۔ ہرسن نے اپنی ذلتی ڈائری میں لکھا۔ "میں بادشاہ اور اس کی چہیتی بیوی کو گرفتار کرتے وقت خوش نصیب رہا اور آج مزید خوش نصیب ٹھہرا ہوں کیونکہ میں نے بادشاہ کے دروازوں میں نہ مٹھیاں پھینکیں اور نہ ہی کو گرفتار کر کے تباہ و برباد کر ڈالا ہے۔ اس کی حفاظت پر ماسمجہ ایک خوناک خواجہ سراؤں کے دستے نے سخت مزاحمت دکھائی لیکن میں سب کو ہلاک کر دیا گیا۔ یہ بات لائق تحسین ہے کہ ہر خواجہ سرا بڑی بے خوفی اور شہرہ سے لے کر موافق پر ڈارہ۔"

لاہور کے خواجہ سراؤں کی اپنی روایت ہے جس کے تحت وہ اپنے "بادشاہ" کا انتخاب کرتے ہیں جو صرف مرنے پر ہی تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ یہ انتخاب داتا صاحب کے علاقے میں کیا جاتا ہے۔ وہ اپنے بادشاہ کی بیوی بے جگری سے حفاظت کرتے ہیں اور بادشاہ کی اجازت کے بغیر تو پولیس بھی اس علاقے میں داخل نہیں ہو سکتی۔ خواجہ سراؤں کے مابین شادیوں کی اجازت بھی بادشاہ ہی دیتا ہے اگر کوئی دوستی کا یہ بندھن توڑنا چاہے یا اسے آپ جو بھی نام دینا چاہیں تو پھر لاہور کے خواجہ سراؤں کا یہ طبقہ جوانی حملہ کر دیتا ہے۔ یہی وجہ سے لاہور کی پولیس کی بھی یہ روایت رہی ہے کہ وہ بھی اس علاقے میں داخل اندازاً نہیں کرتے۔

آپ حیرت میں ہوں گے کہ اس مزار کے پٹھان فقیروں نے لاہور کے خواجہ سراؤں سے کیا لیتا ہے؟ مقبول عام روایت یہی ہے کہ دوسو برس سے زیادہ عرصے سے جب سے مثل حکمرانوں نے لاہور کے خواجہ سراؤں کی سرپرستی سے ہاتھ اٹھا لیا تھا ان کی آمدن کا عشر خواجہ سراؤں کے "بادشاہ" کے حوالے کر دیا جاتا تھا جو اسے اپنی برادری کی فلاح و بہبود پر خرچ کرتا ہے۔ کسی قابل ثبوت ریکارڈ سے اس روایت کی تصدیق نہیں ہوتی لیکن اس کی زبانی تو شیخ آج بھی ملتی ہے۔ یہ بہت ہی مسدود برادری ہے جو امید ہے آہستہ آہستہ کھل جائے گی۔ کیونکہ پاکستان اور دیگر دنیا کے ممالک ان سے مزید رواداری کا سلوک کر رہے ہیں جس کی ترجیحات عام شہری کی بہ نسبت "غیر مشاہدہ" ہیں یہ بھی بحث طلب نکتہ ہے۔

جگے کسی بہن میدان

جب میں نے بالآخر یہ خبر پڑھی کہ نسوٹ سنگھ کے ناول "نرین تو پاکستان" پر اپنی ہندوستان میں ایک فلم بننے کی تو مجھے نمبر کا خیال آیا اور پھر مجھے کا جو لورتور کی عصمت درنی کرنے والا ڈاکو تھا اور ساتھ ہی مجھے میدان کا خیال آ گیا اگر کوئی ترسے والی عورت تھی تو وہ میدان ہی تھی۔

میرے کالج کے ایام میں ہم اپنے دوست ڈیرہ کے اندرون شہر بھائی دروازے میں وقت گزاریں جانا کرتے تھے۔ ان دنوں وہ ہر گز نہیں تھے جسے ہم نے اپنی خدمت جسے سب ٹوٹے کے نام سے

جب ہم نالے کے ساتھ ساتھ چلے تو ہم بہت سی بھینسوں کو وہاں بندھا ہوا دیکھتے یہ میدان کی ملکیت تمہیں غالباً اس کا نام میداں تھا اور خانہ لاہوری زبان میں اتریہ نام ہلکے سے ہلکے کے ساتھ بولیں تو ان میں جنسی کشش آجاتی ہے اور اگر نام کے آخری حصے کو تھوڑا سا کھینچ کر بولیں تو اس میں مزید شہوانی کشش کا اضافہ ہو جاتا ہے۔

لیکن میداں کوئی آسان ہدف نہ تھی۔ وہ چھ فٹ لمبی اور چوڑے عرض کی تھی موٹا پانچ انچ کا تھا۔ اس کا جسم سخت مشقت والے کام کرنے سے اس قدر متناہب ہو چکا تھا کہ سینٹھ سے زیادہ عمر ہونے کے باوجود وہ ٹھاٹھ دار لگتی تھی۔ غالباً جب ہم کالج میں پڑھتے تھے تو ہر شے پہچان اٹکیز جیتی تھی۔ لیکن میداں واقعی مجھے وار تھی۔ میرا دوست شیرداس سے خوف کھاتا تھا اور خوف کھانے سے مراد واقعی سچ سچ خوفزورہ ہونا تھا۔ میرے پوچھنے پر اس نے وجہ بتائی کہ وہ مجھے کی بہن ہے، میں اپنے قدموں پر ہی ڈک گیا۔ اب وہ مجھے ڈراؤنی لگنے لگی اور میں اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کی ہمت نہ کر سکا حالانکہ میرا قد چھ فٹ دو انچ ہے اور قیوں صورت بھی ہوں۔ لیکن میں میداں کا جوت نہیں تھا۔ وہ غالباً مجھے ناشتے میں کھا جاتی۔ اس قسم کا خوف وہ ہر اس شخص کے دل میں پیدا کر دیتی تھی جو اسے ایک نظر دیکھ لیتا تھا۔

اندرون شہر کی خشک خندق کے جنوب مشرقی کونے پر واقع عمارت میداں کی ملکیت تھی وہ آج بھی اٹھانوے برس کی عمر میں وہیں رہتی ہے اور اب بھی اسی روایتی چارپائی پر بیٹھتی ہے جو پٹ بن کے دھاگے سے بنی جاتی ہے۔ اب بھی اس کے پاس بہت سی بھینسیں ہیں اور اس کی آواز دوسرے لوگوں سے اونچی ترین سنائی دیتی ہے۔ اٹھانوے برس کی عمر میں وہ اب بھی مجھے سے رہتی ہے۔ وہ اب بھی "برادری" کی کوٹ چکھری لگاتی ہے کیونکہ وہ جگے کی بہن میداں ہے اور کسی کو بھی اپنے قدموں پر روکنے کے لئے کافی ہے۔ بالکل جیسے تیس برس قبل میرے ساتھ ہوا تھا۔

یہ بات ہمیشہ پر اسرار رہی کہ میداں کیسے اپنی بھینسوں کے دودھ کو فروخت کرتی تھی کیونکہ اس طرز زندگی سے اس کا جواز نہ بنتا تھا۔ ایک قصہ مجھے بھائی دودازے کے کہنے کے اس سچ اوٹے سنا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ اردگرد کے دیہات سے چھری کی گئی تمام بھینسیں اسے اپنی معاوضے کے عوض فروخت کر دی جاتی تھیں اور وہ ان کو اپنے خاصے منافع پر بیچ دیتی تھی لیکن کسی کی نہ ہی ایسی سچ نوکی جرات تھی کہ اس سے باز پرس کرتا کہ اس نے اپنی بھینسیں کہاں سے خریدیں ہیں۔ ایک بار ایک بڈر پونیس آفیسر نے جرات کر کے چھری کی اداک قبضے میں رکھنے پر ترقی کر لیا تو اس نے ضلع چکھری لاہور کے احاطے میں اس کی پٹائی کر ڈالی اور جب اسے جیل ہوئی تو چار گھڑے جوانوں نے اس کو تھوکیا ہوا تھا۔

پھر ایک گھنٹے کے اندر اندر تین سو سے زائد گھروں نے اپنے رہنروں پر تھانے پر دھاوا بول دیا اور دو روز تک پورے شہر میں دودھ کی ترکیل بند کر دی۔ لاہور میں ایک جوان آ گیا کیونکہ لوگ کہتے تھے کہ میداں کو ہاتھ لگایا گیا ہے۔ اس کے مقدمے کی ہیروئی کے لئے لاہور اور اس کے گردوں کے بر گھرنے ایک ایک تولا سو پانچ مشتر لافٹ میں دیا۔ پہلی پوٹھی پر سچ۔ اسے رہا کر دیا۔ اس سچ کو ایک عورت پر دست درازی کی جرات کرنے کی کوشش پر سزا دی۔

ہفت روزہ رہن پر یہاں ایک بہت بڑے جنور کے ساتھ مر لائی۔ تھانے کے باہر میں نے جنسی نیکار بند کی جسے مقامی زبان میں "بھڑک" مانا جاتا ہے۔ تھانے میں سے کسی نے گھڑکی سے بھی بڑھ جھانکنے کی جرات نہیں کی۔ مجھے یاد ہے اس روز بھائی دودازے نے پورے خاندان میں دودھ منٹ تیسیریا گیا۔ آج بھی سن لو جگے کی بہن سے دل املاؤں کرنے کی جرات نہیں ہے۔ جیل میں میرے ساتھیوں نے مجھے بتایا کہ وہ اب بھی زندہ ہے تو میں دوبا۔ وہی راستے پر گامزن ہو گیا۔ وہ بیٹوں کو بھی بیٹھ نہ طرز پر بے قصے کے ساتھ اٹھانوے برس کی لیے قدموں کا قور عورت اس کے لئے یہاں تھا جو ہر شخص کو اس سے ڈراؤنی لگتی تھی۔ یہ وہی اس کی بے حد عزت کی جاتی تھی۔ وہ بڑی غلط اپنی عورت ہے۔ وہ

سیارہ ڈائجسٹ کی ایک اور عظیم الشان پیشکش

تاریخ اسلام نمبر

قیمت :- 175/-

☆..... اسلام کی روشن تاریخ سے ایمان افروز اور روح پرور واقعات کا مجموعہ
☆..... اس نمبر کے تاریخی واقعات کو نہایت غور و فکر اور تحقیق کے بعد مرتب
کیا گیا ہے۔

☆..... ان واقعات کو پڑھ کر ہم اسلام کو اچھے طریقے سے سمجھ سکتے ہیں
ایمان کا نور اور اطمینان قلب حاصل کر سکتے ہیں۔

☆..... درجنوں جلدوں پر مشتمل تاریخی کتب کا نچوڑ ایک ہی خاص نمبر میں
ملاحظہ فرمائیں۔

☆..... خود پڑھیں اور اپنے بچوں کو ضرور پڑھائیں۔

سیارہ ڈائجسٹ 240 ریواز گارڈن لاہور۔

فون: 0423-7245412

Scanned By Amir

اپنے لمبے چوڑے خاندان کو ہدایت دیتی ہے کہ ان کا طرز عمل کیا ہونا چاہئے۔ سرکاری پابندی کے باوجود اب بھی احمدیوں شہر میں اس کے پاس بھینسیں بندھی ہیں لیکن پھر وہ میدان بھی تو ہے جگے کی، بہن وہ سوہن جیتی رہے گی اور قصے سنائی رہے گی کہ کس طرح اس کے بہانہ بھائی نے اپنی محبوبہ شو کو پاکستان لانے والی ٹرین پر بچانے کی خاطر اپنی جان کی قربانی دی تھی۔ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ یہ سارا قصہ ہی من گھڑت ہے اور یہ کہ سارے پنجابیوں کی طرح خشونت سنگھ ایک عظیم کہانی کار ہے۔ خشونت کا ”جگا“ مسلمان نہیں تھا تو میدان کس طرح جگے کی بہن ہونے کا دعویٰ کر سکتی ہے؟ اس بات نے مجھے پریشان کر رکھا تھا تو کیا جگا ڈاکو اور جگا گجر و الگ کردار تھے؟ روایتی قصے کے مطابق جگا ڈاکو رسد گیر عورتوں کی عصمت دری کرنے والا اور اللہ کی زمین پر تھک شراب پینے والا اور حد سے زیادہ ڈر شخص تھا۔ کوئی تعجب کی بات نہیں جو میدان اب بھی غر سے سر بلند کر کے چلتی ہے۔

یہ بلاقی شاہ تھا کون؟

جب آٹھ برس قبل میں نے کالم لکھنا شروع کیا تو میں نے لاہور کے بارے میں بحث و تمحیص کے لئے چند حدود متعین کر لی تھیں اور یہ حدود احمدیوں شہر بھائی و ددازے کے میرے دوست شیر و نے کی تھیں جس کے ہمراہ میں اب بھی کئی کئی کھٹے سروکوں اور گلیوں میں پیدل چل چکر ہر محلے پر بات چیت کرتا رہتا ہوں۔

حفظ مراتب لوگوں جگہوں اشریاء اور چہروں کو دی گئی آج ہم ہر اچھی کہانی کی طرح ابتداء سے شروع کرتے ہیں۔ ”لوگ“ ”جگہوں“ سے متعلق ہوتے ہیں وہ جو ”چیزیں“ وقت کے ساتھ ساتھ کرتے رہتے ہیں اسے ہم تاریخ کہتے ہیں اور جو کچھ وہ کرتے ہیں اس کا چہرہ بشرہ ہوتا ہے اور ہم اس چہرے کا معائنہ کرتے ہیں اور ہمارے شعور میں ایک یاد کندہ ہو جاتی ہے اور وہ لا شعور میں جگہ بنا سکتی ہے۔ اکٹھے رہنے سے ہم اپنی زندگیوں کے طو طرے پتے وضع کرتے ہیں لاہور اور اس کے لوگ بے نظیر ہیں کیونکہ دوسرے شہروں اور لوگوں کی طرح تاریخ نے ان کی بھی کندہ کاری کی ہے۔

ایک شخص جس کے بارے میں بیوی چاہت سے لکھنا چاہوں گا اور جس کے بارے میں مجھے زیادہ علم بھی نہیں ہے اسے بلاقی شاہ کہا جاتا تھا اور جو پانی والے تالاب کا ایک ہندوسا ہو کار تھا۔ تمام لاہوریوں میں سے ہمارے بزرگوں کے جواب بھی احمدیوں شہر رہتے ہیں ذہنوں میں اس شخص کی یاد سب سے زیادہ تازہ ہے۔ بلاقی شاہ تھا کون؟ مجھے یاد ہے میرے والد نے مجھے بلاقی شاہ کے پوتے جسے وہ ”لاٹو شاہ“ یا رام پرکاش کہتے تھے کے بارے میں بتایا تھا کہ وہ گورنمنٹ کالج لاہور میں ان کا ہم جماعت تھا اور وہ دونوں کالج کی کرکٹ ٹیم میں کھیلا کرتے تھے۔ اب لاٹو اور مرحوم ممتاز صحافی مظہر علی خان صرف دو ایسے طالب علم تھے جو اپنی کاروں میں کالج آتے تھے۔ لاٹو صرف رسمی لباس اور مظہر علی خان کھدر کا لباس پہنتا کرتے تھے۔ ان کا یہ ناز کہ ان کی وفات تک رہا۔ چنانچہ بلاقی شاہ مقینا بہت امیر شخص تھا اور پنجاب کی تقسیم کے وقت اسے لاہور کا امیر ترین شخص کہا جاتا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پنجاب کے تقریباً ہر امیر زمیندار نے اس سے ادھار لے رکھا تھا۔ ایک روایت کے مطابق وزیر اعظم پنجاب سر سکندر حیات نوانہ نے بھی بلاقی شاہ سے اچھی خاصی رقم بطور قرض لے رکھی تھی۔ چنانچہ تقسیم امیروں کے لئے پریشانیوں سے نجات کی علامت تھی کیونکہ ان رقموں کو انہیں کہنے پڑے اور بعد ازاں کھٹوں کی نوبت نہ مار سکی۔

بلاقی شاہ ایک مذہبی اور متحرک شخص تھا۔ ایک خاصہ یہ کہ وہ ہر شخص سے ملنے لگتا تھا۔ جب بلاقی شاہ کو علم ہوا کہ میں لاہور میں آیا تو ان کے پاس گیا۔ ان کے پاس گیا تو ان سے ملا۔ ان کے پاس گیا تو ان سے ملا۔ ان کے پاس گیا تو ان سے ملا۔ ان کے پاس گیا تو ان سے ملا۔

کردتے۔ اس مدت ناچنے والیاں خوشی سے پاگل ہو گئیں کیونکہ ولایت کی بارش ہو رہی تھی اس لئے کہ باب اور بیٹا مقابلے پر تھے اور دونوں ایک دوسرے کے نبلے پہ دہلے پھینک رہے تھے۔ دونوں خالی ہاتھ گھر لوٹے لیکن بیٹے کو سبق مل گیا کہ وہ ولایت ضائع کرتا رہا تھا کیونکہ ناچنے والیوں کو اس سے نہیں اس کی ولایت سے بچا تھا ایک مہینے بعد ناچنے والیوں کا ایک وفد بلائی شاہ کے پاس آیا اور اسے اس کی لٹائی ہوئی رقم واپس کی اور درخواست کی کہ وہ اپنے بیٹے کو ان کے ہاں آنے کی اجازت دے دے بلائی شاہ نے رقم لے لی اور ان سے کہا کہ وہ وہاں سے چنت ہو جائیں۔

بلائی شاہ کے اور بھی قصے ہیں جو ایک دوسرے سے بڑھ کر دلچسپ ہیں لیکن مجھے یقین ہے کہ ہمارے قارئین بلائی شاہ کے بارے میں بہت سے قصے سنانے کے قابل ہوں گے کیونکہ اس کے بارے میں زیادہ سے زیادہ لکھنے کی ضرورت ہے پھر دیگر قد آور شخصیات ہیں جیسے مرگن گرام جس کی ہمارے شہر کے لئے بے مثل خدمات ہیں۔ ہم نے جو اس کو بھر پور عزت نہیں دی باسے سے دی ہی نہیں تو یہ ہماری یعنی غربت کا صحیح علاج کر اعلان کر دی ہے۔ ہم سلطان ٹھیکیدار کے بارے میں لکھ چکے ہیں اور کھمیا لال کے بارے میں جو اعلیٰ ترین درجے کا انجینئر اور واقع نگار تھا اگرچہ اس کے بارے میں مزید جانکاری کی ضرورت ہے۔ پھر دیال سنگھ رتن چند میلہ رام اور مرشاہ دین جیسے لوگ بھی ہیں جو سب عظیم لاہوری ہیں اور ان سب کے بارے میں عقلت برتی گئی ہے۔ ہمیں ان کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننے کی ضرورت ہے اور ہمیں انہیں شہر کے سہوت ہونے پر اعزاز سے نوازا جانا چاہئے۔ ہمیں لالہ لاجپت رائے اور بھگت سنگھ جیسے شہیدوں کو بھی نہیں بھولنا چاہئے جنہوں نے صرف ہندوستان کے لئے نہیں بلکہ پورے برصغیر کی آزادی کی خاطر اپنی جانیں دے دی تھیں ہمیں انہیں صرف اس لئے نہیں بھلا دینا چاہئے کہ وہ غیر مسلم ہیں۔

لیکن پھر امیروں اور طاقتوروں کی بہ نسبت کم درجے کے ”انسان“ بھی تھے جو آج بھی لوگوں کی اجتماعی یادداشت میں زندہ جاوید ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ میں بچپن میں الماریاں بنانے والے اور بعد ازاں ٹوٹے ہوئے والے سراج دین سے ”گھونٹے والا ٹو“ خریدا کرتا تھا۔ وہ اپنے بڑے بڑے ہاتھوں پر بڑی بڑی انگلیوں سے چمکی بجا کر تیزی سے ٹوٹ گھماتا تھا۔ اس کا تقریباً پچیس برس قبل انتقال ہو گیا تھا لیکن وہ لارنس روڈ پر 1929ء سے ٹوٹتا رہا تھا۔ کھانے پینے کے محاذ پر کئی نام نمایاں ہیں جن میں چونا منڈی کا ”قلیڈہ کہا بیہ“ بھی تھا۔ اس کا پوتا اب بھی وہاں دکان کرتا ہے لیکن سواد جانا رہا ہے اگر نام کو زندہ رکھنا ہے تو معیار کو مستقل بڑھاتے رہنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

پھر گوالمنڈی کا سردار مچھلی فروش تھا۔ اس کے بیٹے کاروبار چلا رہے ہیں اور فاری مچھلی کو راوی کا رہو کہہ کر بچ رہے ہیں۔ راوی تو اب رستا ہے اور اس قدر کثافت آلود ہو گیا ہے کہ رہو جیسا حساس مچھلی تو نیک طرف رہی اگر انسان جیسا ذمہ داری حیات بھی ہو تو اس کثافت میں مر جائے گی۔ اندرون شہر میں صرف ایک شخص رہ گیا ہے جو اب بھی وال کچھے بناتا ہے۔ وہ اب بھی گلیوں میں گھومتا بھرتا ہے اور کہتا ہے کہ اس کی مشعل نے کر آگے چلنے والا کوئی نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ لاہور میں مشہور وال کچھ جلد ختم ہو جائے ہم لاہور کے دو افضل حضرات کو نہیں بھول سکتے۔ ذل کھوہ کی برقی بنانے والا اور مٹی چوک کا سری پائے والا افضل دونوں نام لاہور اور لاہور سے باہر مچھلی چکے ہیں اور اللہ کرے دونوں خوشحال رہیں ان کے متعلق مزید جاننے کی ضرورت ہے۔

مشہور اکھاڑے اور گاماں کی روایت

مشہور تاریخی رنگوں میں سے جو اب تک لاہور میں منعقد ہوئے ہیں ایک شاہی رنگل میں جس کی صدارت بہار علی زبیر نے کی تھی۔ ان کے والد کا شمار سالہ پہلوان اترا جس نے کشتیوں میں کئے بعد دیگرے پنجاب

کے بڑے بڑے نامی گرامی پہلوانوں کو پچھاڑ دیا۔ اسے نوا کا خطاب دیا گیا اور بعد ازاں وہ لاہور و پارکی پنجابی فوج کا بہترین جرنیل ہوا۔

کئی برس بعد ایک اور شاعری دنگل نے پورے برصغیر کے لوگوں کے تخیل کو اسیر کر لیا تھا۔ یہ لاہور کے رستم ہند گاماں پہنوان اور ولڈ چیمپین پولینڈ کے زبسنی پہلوان کے مابین دنگل تھا۔ یہ مقبول عام روایت آج بھی قدیم اندرون شہر لاہور کی چھیدہ گلیوں میں زیر بحث رہتی ہے جب احمد بخش گاماں ریٹائر ہوا تو وہ دنیا بھر کے تقریباً ہر قسم کے چیمپین کو شکست دے چکا تھا اور اس کے کارہائے نمایاں سے برصغیر کی ویسی کشتی کا شمار بین الاقوامی کھیلوں میں کیا جانے لگا تھا اور اس کے اپنے قول کے مطابق ”معزز طاقتور اور پھرتیلے لوگوں“ کے صاف ستم سے کسرتی کھیل کی حیثیت سے غیر مستحوی محترم بن گیا۔ 1910ء میں ”رستم ہند“ کے خطاب کے لئے ایک دنگل کا انعقاد کیا گیا۔ گاماں پہنوان نے سب پہلوانوں کو پچھاڑ کر وہ خطاب جیت لیا تھا۔ گاماں کی آخری کشتی یورپی چیمپین جے سی پیٹرسن کے ساتھ ہوئی جسے اس نے صرف پینتالیس سیکنڈ میں چت کر دیا تھا۔ اس کا 22 مئی 1960ء کو لاہور میں انتقال ہوا تھا۔

کئی ہزار سال سے پہلوانی ایک شاعری کسرتی کھیل رہا ہے اور صدیوں تک بہترین پہلوان بہترین جرنیل بنتے آئے ہیں خواہ قدیم یونان ہو، سلطنت روما ہو، کلویٹرا کا مصر ہو یا ایران یا ہندوستان یا پاکستان کا برصغیر پہلوانی ہمیشہ قومی زندگی کا جزو رہی ہے۔ آج بھی سالانہ گل پنجاب دنگل جو قلعہ لاہور کے نزدیک کشتیوں کے سینڈیم میں منعقد ہوتا ہے جس میں پنجاب کے دور دور کے دیہاتوں سے جوان کھینچے چلے آتے ہیں انسانی طاقت کی کشش ایسی ہی ہوتی ہے ہم سب جانتے ہیں کہ پرانے وقتوں میں اکثر جنگوں کا فیصلہ دشمنوں کے مابین صرف ایک کشتی کے مقابلے سے ہی ہو جاتا تھا۔ لاہور شہر میں پہلوانی کی ایک خاص روایت رہی ہے اور چونکہ اسے یہ روایت کمزور پڑتی جا رہی ہے تو اب وقت ہے کہ ہم سمجھیں کہ یہ کیا مگنی تاکہ اس کا اعادہ کیا جاسکے۔

تمام پہلوان ایک مخصوص ”اکھاڑے“ سے وابستہ ہوتے ہیں۔ اس ڈھیلی مٹی کے ہموار قطعہ زمین کے لئے انگریزی زبان میں پٹ (گڑھا) ہی قریب ترین لفظ ہے۔ مقامی لوگ تیتوں میں ان جگہوں کو ساطیری حیثیت حاصل ہے۔ لاہور میں بنیادی طور پر پہلوانوں کے تین گروہ ہیں جو ”کلودالا نور و والا اور کوٹ والا ہیں۔ ہر اکھاڑہ اپنے اپنے پہلوانوں کی تربیت کرتا ہے اور پھر مختلف اکھاڑوں کے مابین مقابلے ہوتے ہیں اس صدی سے پہلے لاہور میں ایسے سینکڑوں اکھاڑے تھے جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بتدریج کم ہونے چلے گئے۔

ادبی رسالے نقوش لاہور نمبر جو 1962ء میں شائع ہوا تھا اور جس کا اب نوادرات میں شمار ہوتا ہے اور اسے دوبارہ تحریر کرانے کی سخت ضرورت ہے مطابق لاہور کے بڑے بڑے اکھاڑوں میں موٹی روڈ پر ”اکھاڑہ خلیفہ یونان“ اکھاڑہ گاماں اور امام بخش اندرون شہر لاہور میں ”اکھاڑہ بکیر تاج شاہ“ اکھاڑہ چانن قصائی ”اکھاڑہ ننھے شاہ تھے۔ اکھاڑہ نزد ہل مصری شاہ اور ایک مشہور ”اکھاڑہ ویا م شالہ“ تھا جسے بھولو پہلوان ”اسلم موگا اور اعظم پہنوان استعمال کرتے تھے۔ اکھاڑہ چوک برف خانہ بھی بڑے غضب کی شہرت کا حامل تھا۔ دیگر مشہور اکھاڑوں میں اکھاڑہ خلیفہ بخش، اکھاڑہ حانی پہلوان اور اکھاڑہ گاڈ شاہ تھا جو رستم زمان کی حکیت تھا۔ اندرون شہر سے ذرا باہر سرکلر باغ میں دو مشہور اکھاڑے تھے دونوں کا نام اکھاڑہ بالکھیاں تھا ان میں سے ایک بھائی دروازے کے بہر اور کھسالی دروازے کے باہر واقع تھے۔

پچھلے چھاسٹھ برس میں جنہیں میرے والد ”کلیم کی ذہنیت والے سال“ کہتے تھے جو قبضہ عہد میں متشکل

سیارہ ڈائجسٹ کی ایک اور عظیم پیشکش

شرعی احکام

شائع ہو گیا ہے

قیمت 175 روپے

عبادات سے معاملات تک اور معاشرت سے لیکر سیاسیات تک
تبلیغی نصاب، قرآنی آیات اور صحیح احادیث کی روشنی میں

★ اسلامی ضابطہ حیات جس کی روشنی میں آپ اپنے شب و روز گزار
سکتے ہیں۔

★ آخرت کا توشہ، دلوں کی بیماریوں کے لیے شفاء۔

★ نیبیوں کی طرف رہنمائی اور گناہوں سے بچنے کے طریقے۔

★ ایسے شہری حروف جنہیں پڑھ کر آپ اپنے اخلاق و کردار کی
کوٹاہیوں کو دور کر سکتے ہیں۔

سیارہ ڈائجسٹ 240 ریواژ گارڈن لاہور فون: 37245412

ہوسکتے تھے اور موجودہ دور جو "فوجی بلاٹوں" کا دور کہلاتا ہے نے ان تمام اکھاڑوں پر قبضہ کر کے انہیں پلاٹ برائے فروخت میں تبدیل کر دیا تھا لیکن دسی کشی کو برقرار رکھنے کے لئے جگہ کی ضرورت تو ہے اور ہم قدیم خانمانی اکھاڑوں کے تجارتی ناموں پر "کشتی کلب" معرض وجود میں آتے دیکھ رہے ہیں۔

ان نئے کشتی کلبوں کی چند مثالیں یہ ہیں شادباغ نمبر ۲ کا اکھاڑہ حاجی صدیق پہلوان اسب "میرہ کشتی کلب" کہلاتا ہے اور کوٹ خولہ سعید کا اکھاڑہ کالا جٹ پہلوان اسب "کالا جٹ کشتی کلب" کہلاتا ہے۔ اکھاڑہ صادق پہلوان سیوہ منڈی والا اسب "صدیق کشتی کلب" صادق آباد لاہور کہلاتا ہے۔ ایک اور بہت ہی قدیم اور مشہور اکھاڑہ جن پہلوان جو شاہ میراں میں ہے اسب "جن کشتی کلب" کہلاتا ہے۔ اسب ایک اور دلچسپ نام کا اکھاڑہ بلا جگڑ پہلوان اسب "بلا کشتی کلب" شاہدہ کہلاتا ہے لگتا ہے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ "تی عزت داری" کے لئے دوڑ لگی ہوئی ہے جو پہلوانوں کی بیش قیمت اساس سے تھی ہے۔ یہ نام ہو سکتا ہے آج نل آزر لگتے ہوں لیکن یہ لسنے ہمارا ایک چھوٹے سے نام میں ایک پہلوان کی اصل اور کارناموں کی تاریخ سمونے ہوئے ہوتے ہیں مثال کے طور پر اکھاڑہ چو پہلوان چڑھتا سوج کا نام اب صرف چو کشتی کلب ہے۔ ایک وقت تھا جب چو نے دعویٰ کیا تھا کہ وہ گاں اور بھولو لوان سے مقابلہ کر سکتا ہے اور ایک کشتی میں چو نے اسلم کو جٹ شکست دے بھی دی تھی لیکن دوسری میں وہ ہار گیا تھا۔ دونوں موقعوں پر قدیم شہر میں بڑے پیمانے پر خوشیاں منائی گئی تھیں اور مشائیاں تقسیم کی گئی تھیں چند ایک بے ربط لڑائیاں دونوں پہلوانوں کے حمانوں میں ہوئیں اور پھر بعد میں جو یہاں نہ اتفاقات پیش آئے ان کا ذکر نہ ہی کریں تو بہتر ہے لسی فخر یہ بات تھی لاہور میں پہلوان ہونا!

سکول میں پڑھنے والے لڑکے کی حیثیت سے مجھے اچھا پہلوان سے جو ہمارا ہمسایہ تھا ملاقات یاد ہے۔ ایک بار میں سکول سے دیر سے لوٹا تو میری والدہ کے ان سے پوچھنے پر کہ آیا انہوں نے مجھے دیکھا ہے؟ "نہیں" لیکن میں دیکھتا ہوں! ان کا جواب تھا۔ انہو! ایک بنکا سا ہاتھ جو ہر سے سر پر پڑا آج بھی ان کی یاد دلاتا ہے لیکن یہ خیال رہے کہ پہلے زمانے کے پہلوان فنڈے نہیں ہوتے تھے۔ وہ محلے کے محافظ ہوتے تھے اور ان کے علاقے میں کوئی جرم سرزد کرنے کی جرأت نہیں کرتا تھا۔ وہ بے پایاں پیار کرنے والے شخص تھے جو اپنی دودھ کی دکان کے باہر بیٹھے رہتے اور وہ جنوں کے حساب سے دودھ کے گلاس لپی جاتے۔ لوگ انہیں محو حیرت سے دیکھتے انہوں نے وہ خود ہی پھیلاتے تھے کہ ایک تمباکو پہلوان ایک وقت کے کھانے میں کم از کم ایک سالم بکرے کا گوشت کھا جاتا ہے۔ مجھے کرکٹ کے سابقہ کھلاڑیوں نے بتایا کہ جولائی میں ٹیسٹ کرکٹ عمران خان آدھا بکرا گوشت کھا سکتا تھا۔ میں نے ایک بار اندرون شہر میں کالا پہلوان کے اکھاڑے میں اس سے یہ ذکر کیا تو اس نے فوراً جواب دیا "عین ممکن ہے نہ دیکھتے نہیں گویاں کیوں اس کی طرف بھی چلی آتی ہیں۔" اس پر اس نے اپنے کان پھلنے لگے جیسے گستاخانہ بات کہنے پر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ رہا ہو۔

لاہور کا روایتی پہلوان ایک عظیم کھلاڑی تھا۔ قدرتی طور پر دوسروں کو معاف کر دینے والا اور کمزوروں کا محافظ اور وہ اس کام میں بڑا فخر محسوس کرتا۔ اس کے لئے اس کی صحت ہی سب کچھ تھا اور وہ نظر بد سے بچنے کے لئے صدقہ دینے سے تھے اور اب چونکہ شہر اپنے مرکز سے میلوں دور تک پھیل چکا ہے اس لئے دسی پہلوان کی قدیم روایت بھی ختم ہوئی جا رہی ہے۔ اس کا فن زوال پزیر ہے۔ اگرچہ انگلستان میں پنجابیوں نے اس فن کی بحالی کا خاصی حد تک بندوبست کر رکھا ہے لیکن ہو سکتا ہے دائرے کا چکر پورا ہو چکا ہو اور ہم ایک بار پھر اپنے شہر میں ایک اور یورپی زونکسی اور لاہور سے ایک اور گاں پہلوان کے ماہین ایک اور کشتی کا مقابلہ دیکھ پائیں یہ یقیناً گزشتہ مقابلوں سے زیادہ مجمع گیر ہوگا۔



سکوں (Coins) کے بارے میں دلچسپ معلومات

• محمد وارث

☆ دنیا میں سب سے پہلے درہم اور دینار حضرت آدم علیہ السلام نے بنائے۔
 ☆ حضرت عمر فاروقؓ خلیفہ دوم نے سب سے پہلے سکہ سازی کا کام کروایا۔ دینار اور درہم جاری کیے جن میں بعض سکوں پر الحمد للہ اور بعض پر محمد رسول اللہ کے کلمات کندہ کروائے۔
 ☆ زیادہ تر موزن میں اس بات پر متفق ہیں کہ دنیا کا پہلا سکہ 600 قبل مسیح میں جاری ہوا۔ اور یہ اور لٹیا میں جاری کیے گئے۔ جو اب ترقی کا حصہ ہے اور ان سکوں پر شیر کا نشان کندہ ہے اور کہا جاتا ہے کہ انہیں شہنشاہ ایکس نے جاری کیا تھا۔

☆ شرق میں چین (CHINA) نے سکے بنائے۔
 ☆ جہاں سکے ڈھالے جاتے ہیں اس کو (MINT) منٹ نکال ردار القرب کہا جاتا ہے۔ ماضی میں نمک

Scanned By Amir

(SALT) چاندی (SILVER)، کوڑیاں اور مویشی بھی زر کے طور پر بھی استعمال ہوتے رہے۔

☆ پاکستان نے 1948ء میں سات عدد کے جاری کیے۔

☆ پاکستان نے 1961ء میں اعشاری نظام کے سکے جاری کیے۔

☆ پاکستان کے موجودہ دور کے سکے ایک روپیہ دو روپیہ پانچ روپیہ جوک نکل اور سلور کے ہیں۔ پاکستان میں جاری تمام کے سکے 1947ء میں بھی رائج تھے۔ جن کی مالیت ایک روپیہ آٹھ آنے چار آنے دو آنے ایک آنے آدھا آنے ایک پیسہ تھا۔ اس کے علاوہ نئے روپے پچاس روپے ایک سو روپے پانچ سو روپے کے (سولے کاسک) سکے بھی تھے۔

☆ ایک ہزار روپیہ کے سکے بھی قس طور پر یادگار کے طور پر شائع کئے گئے۔

☆ کراچی، لاہور اور راولپنڈی میں سکوں کی مخصوص مقرر کردہ تاریخوں میں نمائش بھی ہوتی ہے۔ لاہور میں ہر ماہ کے پہلے اتوار اور راولپنڈی میں ہر ماہ کے دوسرے اتوار نمائش ہوتی ہے۔ شائقین ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

ممالک اور ان کے سکے (کرسی)

ملک	ملک	ملک	ملک	ملک	ملک
افغانستان	افغانی	ترکی	لیرا	فرانس	فرانک
ایران	ریال	توزانیہ	توزانی شنگ	کینیا	کے ہیلنگ
آسٹریا	شلنگ	تھائی لینڈ	بھات	لبنان	پونڈ
اٹلی	لیرا	جاپان	ین	مصر	پونڈ
الجزائر	دینار	جرمنی	مارک	متحدہ عرب امارات	درہم
ارجنٹائن	پیسو	بھین	پواین	فلپائن	پیسو
اٹو ویشیا	روپیہ	چیکو سلواکیہ	کرونا	ملائیشیا	رنجٹ
آسٹریلیا	ڈالر	ڈنمارک	کرون	ناروے	کراؤن
آذربائیجان	منات	روس	روبل	ٹائیچیریا	تیرا
بھارت	روپیہ	رومانیہ	لیو	ہالینڈ	فلورن
بنگلہ دیش	ٹکا	اسپین	پھیلا	ہانگ کانگ	ڈالر
برما	کیات	سوڈی عرب	سوڈی ریال	یوگوسلاویہ	دینار
برازیل	کروزرو	سوڈان	پونڈ	یوگنڈا	ہیلنگ
بھیم	فراک	سوڈن	کرونا	یونان	ڈرچھا
بلخاریہ	لیو	سوئزر لینڈ	سوئس فراک	یو ایس اے	ڈالر
برطانیہ	پاؤنڈ	سری لنکا	روپیہ	پرٹگالی	انسکڈو
بنگلہ پور	ڈالر	پولینڈ	زلونی	عراق	دینار
پاکستان	روپیہ	-	-	-	-

ماں جی

بھیا ہر خط میں لکھتے کہ میں ان کے پاس
امریکہ آ جاؤں وہاں بہت مواقع ہیں۔
مجھے اچھی تنخواہ ملے گی مگر میں انہیں مان دیتا
میرا کوئی ارادہ نہیں تھا کہ میں ماں جی کو
چھوڑ کر جاؤں۔ بس بھیا کا خط آتا تو
میں دیکھتا کہ ماں جی کا چہرہ زرد پڑ جاتا
انہیں ڈر تھا کہ میں میں بھی اپنے اچھے
مستقبل کے لئے انہیں نہ چھوڑ جاؤں۔



ماں بیٹے کی کہانی، جو ایک دوسرے کے لیے جینے کا سہارا تھے

● ضرغام محمود

مردار بنا دیا۔ دنیا میں تمام ہی رشتے محترم ہوتے ہیں
مگر ماں کے رشتے کی بات ہی نرالی ہے۔ دوسرے
زمین پر ماں ایک ایسا رشتہ ہے جو اولاد سے بے غرض
محبت کرتی ہے۔ ماں ان پڑھ بھی ہو تو بھی وہ بچے کا
چہرہ دیکھ کر اس کے دل میں چھپی خوشی یا غم کو محسوس
کرتی ہے۔ ماں دکھوں کی تیز دھوپ میں ایک گھٹا مایہ
ہے۔ ماں عظمت کا مینار ہے۔ ماں کا رشتہ نیک ایسا

ماں..... یہ تین حرفی لفظ محبت سے گونڈھا گیا
ہے۔ محبت ایسا رشتہ قربانی یہ معاف ماں کے وجود
میں کیجا کر دی گئی ہیں۔ اولاد سے بے غرض محبت اولاد
کی بے لوث خدمت اولاد کی خاطر ہر قسم کی قربانی
دینے والی عظیم ہستی صرف اور صرف ماں کی ہے۔ اللہ
تعالیٰ نے ماں کے قدموں تھے جنت رکھ کر ماں کے
رشتے کو عظمت بخشا اور اس رشتے کو تمام رشتوں کا

Scanned By Amir

تکس وہاں جہل کا اندھیرا تھا۔ رواجی رشتوں کی چپقلش تھی اور دولت کی ہوس تھی۔ سسرال سے نباہاں ماں جی کا کڑا امتحان تھا۔

ساں نو ندریں اپنی تلوار جیسی زبان لئے ہر وقت لڑنے کے لئے تیار رہتیں۔ ایسے گھر میں جی کا دم گھٹنے لگا مگر انہوں نے صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا شادی کے پہلے ہی ساں ماں جی کے مُردہ بنا پیدا ہوا۔ ماں جی نے رو کر بُرا حال کر لیا مگر وہ رب کی رضا میں راضی رہیں۔ دوسرے سال بھی یہی ہوا ایک مُردہ بچہ پیدا ہوا تو ساں تندوں کی باتوں نے ماں جی کا کلیجہ چھلنی کر دیا ایسے وقت میں بھی ماں جی نے اللہ کی مرضی کہہ کر اپنے دل کو سلی دی لیکن ان کا دل اللہ سے فری تھا لہذا ماں جی اللہ کے حضور مصلے پر ایسی تیئیں کہ لوالاد کا مُردہ لیکر آئیں۔ تیسرے سال بچہ پیدا ہوا۔ انتہی مسکراتی بچو کو دیکھ کر ماں جی کے ہاتھ اللہ کی حمد و ثناء کے لئے اٹھ گئے مگر سسرالی رشتوں کو کہاں ممکن آتا ہے۔ ”ہر سے گھر تو ہمیشہ پہلوگی کا بیٹا پیدا ہوتا ہے۔“

ایسے جیلے کہے جاتے جیسے بیٹی یا بیٹا پیدا کرنا انسان کے اپنے ہاتھ میں ہے۔ پھر دو سال بعد جب بھیا نے جنم لیا تو ماں جی کے قدم سسرال میں جمنے لگے اور بھیا کے تین سال بعد میں پیدا ہوا تو ماں جی کے قدم پوری طرح سسرال میں جم گئے۔ ندریں بھی ایک ایک کر کے بھیا جی جا چکی تھیں لہذا ماں جی کو سکون ملا مگر ابھی اللہ کو ماں جی کا امتحان مقصود تھا۔

ایک دن جب کوئی خانمانی مسئلہ درپیش تھا اور بچاوت لگی ہوئی تھی کہ اچانک بات بگڑ گئی اور لاٹھی ڈنڈے چلنے لگے نہ جانے کس کی لاٹھی لبا جان کے سر پر لگی اور لبا جان تھوڑا کھا کر گر پڑے۔ اس سے پہلے کے لبا جان کو طبی لعالی جاتی لبا جان نے سب لوگوں کے سامنے دم توڑ دیا۔ ماں جی پر سکتہ طاری ہو گیا، ساں ندریں بین کر سنے لگی۔ جلسے دلا تو چلا گیا مگر سب ساں تندوں کو خدشہ ہوا کہ لبا جان کے جسم کی جائیداد ماں جی

روشن چراغ ہے جس سے ہر انسانی رشتہ روشنی حاصل کرتا ہے۔

میں قیسی میں بیٹھا تھا قیسی ڈرائیور نے شاید ایف ایم کا کوئی جینل لگا رکھا تھا جہاں ماں کی عظمت کے متعلق تقریری مقابلہ ہو رہا تھا۔ ہر مقرر ماں کی عظمت و بڑائی بیان کر رہا تھا لیکن ماں کی عظمت اور بڑائی بیان کرنے کے لئے ہر مقرر کے پاس الفاظ کم پڑ رہے تھے۔ مقررین کی تقریریں سن کر مجھے ماں جی کی یاد آگئی میری ماں جو میرے لئے روشنی کا ایسا ستارہ ہے جس کی کرنیں مجھے ہر وقت روشن رکھتی ہیں۔ میں خیالوں میں ماں جی کا بچکر دیکھنے لگا۔

ماں جی کی پیدائش کب ہوئی، یہ ماں جی کو معلوم نہیں تھا انہیں اتنا یاد تھا کہ جب ہندوستان تقسیم ہوا تو ان کا پہلا دانت ٹوٹا تھا۔ ماں جی اس وقت اپنے والدین اور بھائیوں کے ساتھ دہلی میں رہائش پذیر تھیں۔ ملک کی تقسیم کے ساتھ ہی انسان وحشی بن گیا۔ ماں جی بتاتی ہیں کہ ان کے محلے دار جن کے ساتھ ان کا روز کا اٹھنا بیٹھنا تھا چارو محبت تھی وہ ہندوستان کی تقسیم کے اعلان کے ساتھ ہی ان سب کی جان کے دشمن بن گئے۔ نانا جان سارا ماں و اسباب اسی طرح چھوڑ کر اپنے کنبے کو لیکر دہلی سے بھاگے۔ کئی دن دہلی کے ریلوے سٹیشن پر بے سرو سامانی میں قیام کیا۔ پھر ایک ٹرین کے ذریعے وہ سب لاہور آ گئے۔ ماں جی بتاتی ہیں کہ کس طرح ٹرین پر حملے ہوتے رہے جب ٹرین لاہور پہنچی تو اس کے آدھے مسافر خون میں نہائے ہوئے تھے۔ ماں جی بتاتی ہیں کہ دہلی سٹیشن پر پہنچنے والی شرارتوں کی ٹرین بھی خون میں نہائی ہوئی ہوتی تھی۔ لاہور پہنچ کر نانا جان نے جیسے تیسے ایک جموں پڑھی کا بندو بست کیا اور رزق حلال کمانے کے لئے نکل پڑے۔

سولہ سال کی عمر میں ہی ماں جی کی شادی لبا جان سے ہو گئی۔ ماں جی ایک اچھے پڑھے لکھے وضع دار خاندان سے تعلق رکھتی تھیں مگر بد نصیبی کہ جہاں ماہ کر

سیارہ ڈائجسٹ کی عظیم الشان پیشکش

تحفۃ النساء

نمبر

شائع ہو گیا ہے!

● خواتین اسلام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری پیاری باتیں!
 ● قرآن و حدیث کی روشنی میں عورتوں کے لئے اسلامی عقائد، ایمان، نماز،
 روزہ، زکوٰۃ، حج، ذکر، تلاوت، وظائف اور وعائے مفصل احکام!
 ● اس کے علاوہ ازواجی زندگی، نکاح، طلاق، خلع، عدت، نفیثت، وراثت،
 توبہ، اخلاق، اولاد کی تعلیم و تربیت کے مسائل اور ان کا حل
 ● غرضیکہ خواتین کی اپنی زندگی سنوارنے کے لئے جامع اور تیاریاب نسخہ جو ہر
 مسلمان گھرانے کی ضرورت ہے۔
 قیمت: 175 روپے

ڈائجسٹ 240۔ مین مارکیٹ ریواڑ گاڑن لاہور۔ فون: 37245412

نہ مانگ بیٹھیں۔ لہذا انہوں نے ماں جی کو اتنا تک کیا کہ وہ عدت بھی مرحوم شوہر کے گھر نہ گزار سکیں۔ تانا جان ماں جی کو اپنے گھر لے گئے۔ مگر اب تانا جان کے گھر میں ماموں ممانوں کا راج تھا۔ تانا جان ایک عضو معطل کی طرح تھے۔ ممانوں کے طعنوں نے ماں جی کا کلیجہ چھلنی کر دیا تو تانا جان نے دو کمروں کا چھوٹا سا مکان ماں جی کے نام کر کے ان کو وہاں رکھیں کر دیا اس طرح ماں جی کو چھت میسر آئی۔ چھت تو مل گئی مگر زندگی کی ضرورتیں کون پوری کرے گا۔ تین چھوٹے چھوٹے بچوں کا ساتھ تھا لہذا ماں جی نے کمر کس فی۔ محلے کے بچوں کو قرآن پڑھاتا محلے کی عورتوں کے کپڑے سینا ہاں طرح ماں جی نے ہمارا ضروریات پوری کیں۔ اتنے سارے دکھوں کے باوجود بھی ماں جی نے اللہ سے شکوہ نہیں کیا جتنی مشکلات ماں جی پر پڑیں اتنے ان کے سجدے لپے ہوتے جاتے۔

ماں جی کو ہم تینوں سے بہت محبت تھی مگر تعلیم کے معاملے میں ماں جی کوئی رعایت کرنے کو تیار نہ تھیں۔ ماں جی نے ہم تینوں کی تعلیم پر اتنی توجہ دی کہ ہم تینوں ہر کلاس میں اول آنے لگے۔ انٹر کے بعد ماں جی نے بھو کی شادی کر دی۔ بچو نے بہت واویلا مچایا کہ انہیں آگے پڑھتا ہے مگر ماں جی نے ان کی کوئی بات نہ سنی اور عزت کے ساتھ انہیں رخصت کر دیا۔ بھیا نے میٹرک کے امتحان میں ضلع بچ میں اول پوزیشن حاصل کی اور وظیفے کے حقدار ٹھہرے۔ مجھے یاد ہے جب بھیا کا رزلٹ آیا اور اخبار میں ان کی تصویر شائع ہوئی تو سارا خاندان مبارک سزاقت کا شور مچاتا چلا آیا۔ دو لوگ جو میں دیکھ کر منہ پھیر لیتے تھے اب ہمیں گلے لگا لگا کر مبارکباد دے رہے تھے۔ بھیا جب انجینئرنگ کے آخری سال میں تھے تو میں نے بھی میٹرک میں ضلع بھر میں اول پوزیشن حاصل کی۔ بھیا سے انجینئرنگ تکلیف کی تو انہیں سرکاری وظیفہ ملا کہ وہ اپنی مزید تعلیم

امریکہ میں حاصل کریں۔ سارا خاندان ماں جی کو خوش نصیب سمجھ رہا تھا کہ ان کے بیٹے نے اتنا بڑا سرکاری وظیفہ حاصل کیا وہ لوگ جو ہم سے بات کرنا پسند نہیں کرتے تھے آج ہماری خوش نصیبی پر ناز کر رہے تھے۔ منھائیوں کے ڈبے پر ڈبے چلے آ رہے تھے مگر ماں جی کی حالت عجیب تھی وہ بھیا کو اپنی بانہوں میں لئے روٹی جا رہی تھیں۔

”یہ دنوں میرے بڑھاپے کی لاشی ہیں میں انہیں نہیں جانے دوں گی۔“

سب حیران تھے کہ گھر آئی خوش نصیبی کو ماں جی کس طرح لات مار رہی ہیں۔ سب کو ان کی عقل و دانش پر شک ہو رہا تھا۔ بھو ماں جی کو سمجھا رہی تھی کہ بھیا کے روشن مستقبل کے لئے ان کا امریکہ جانا بہت ضروری ہے مگر ماں جی راضی نہیں ہو رہی تھیں۔ بھیا مظلوم بنے ماں جی کو بانہوں میں لئے بیٹھے تھے۔ ماں جی نے روتے روتے بھیا کی آنکھوں میں ہماٹکا اور انہیں ایک زور کا جھٹکا لگا اور انہوں نے جلدی سے اپنے آنسو پونچھ ڈالے اور کہنے لگیں۔

”میں تو بس ایسے ہی رو رہی تھی یہ تو خوشی کے آنسو ہیں میرا بیٹا جائے گا اور ضرور جائے گا.....“

بھیا چلے گئے ماں جی انہیں چھوڑنے ایئر پورٹ نہیں گئیں گئیں گئیں ”مجھ سے نہیں دیکھا جائے گا۔“

مگر ماں جی نے مجھے زبردستی ایئر پورٹ بھیجا کہ بھائی کو رخصت کر کے آؤ۔ بھیا کے جانے کے بعد ماں جی اُداس رہنے لگیں۔ میں ہر ممکن ان کی دل جوئی کرتا مگر وہ بھیا کی یاد میں آنسو بہاتی رہتیں۔

”ماں جی اگر مجھے حکومت نے وظیفہ دیا تو بھی میں باہر ملک نہیں جاؤں گا.....“ میں ماں جی کو بلا سے دیتا اور وہ اپنے بندھے ہاتھوں میں میرا چہرہ سیر نہم بیٹھیں۔

وقت گزرتا گیا بھیا نے تعلیم مکمل کر لیا وہیں پر ملازمت سرفی جب دو سال بعد بھیا واپس آئے تو دن کا جیب میں ڈال رہے تھے۔ وہ خاندان کے تمام افراد

بس میں تھا جو ماں جی کو اپنے بازوؤں کے حصار میں لئے بیٹھا تھا۔ میں ان کا دکھ کچھ رہا تھا۔ جب بھی اسے سڑک پر جانے کے لئے گھر سے نکلے تو ماں جی کے ضبط کا ہندسہ ٹوٹ گیا۔ اور وہ زارہ زار روئے نکلیں۔ میں اکیلا بیٹھا ان کے آنسو پونچھتا رہا ان کو تسلی دیتا رہا۔ بھیہ کے امریکہ جانے کے ایک مہینے بعد ہی بھیہ کا خط اور ڈرافٹ آنے لگے۔ چند ماہ بعد ہی ہم نے وہ مکان چھوڑ دیا اور ایک بڑے سے مکان میں شفٹ ہو گئے۔ اس بڑے سے مکان کا سب سے اچھا کمرہ ماں جی نے بھیہ کے لئے آرامتہ کر دیا۔ مجھے بھی الگ کمرہ دیا گیا مگر میں نے صاف انکار کر دیا۔ مجھے ماں جی کے بغیر نیند نہیں آتی تھی لہذا میں نے اپنا پتنگ ماں جی کے کمرے میں ان کے پتنگ کے ساتھ بچھا لیا اور رات کو ماں جی سے باتیں کرتے کرتے سو جاتا۔ اب ماں جی کو بھیہ کی شادی کا ارمان تھا وہ بھیہ کے لئے دلہن ڈھونڈنے لگیں۔ ماں جی دھیرے دھیرے بھیہ کی دلہن کے لئے بری بھی جمع کرنے لگی تھیں۔ ایک سوٹ کیس میں اپنی خریدی ہوئی تمام چیزیں رکھ کر اس سوٹ کیس کو اپنے پتنگ کے پاس رکھتیں اور کبھی کبھی اس سوٹ کیس کو کھول کر ان میں جمع کئے کپڑوں پر اس طرح ہاتھ پھیرتیں گویا بھیہ کا لمس محسوس کر رہی ہوں۔

جب میرے فائنل امتحان ہونے والے تھے تو بھیہ کا خط آیا۔ خط تھا کہ ایک بم جو ماں جی کے سر پر پھٹا۔ ماں جی بے ہوش ہو گئیں۔ کئی جتن سے انہیں ہوش میں لایا گیا۔ ہوش میں آتے ہی وہ بھیہ کا نام لیکر پکارنے لگیں اور روئے نکلیں۔ خط ان کے ہاتھ میں دیا ہوا تھا۔ میں دہاں گیا اجانے خط میں کیا لکھا ہے۔ میں نے ماں جی کے ہاتھ سے خط لیکر پڑھا تو بھیہ نے اس خط میں اپنی ایک ٹولیکہ جو لیب سے شادی کی اطلاع دی تھی اور انہوں نے وچن کی شہریت اختیار کر لی تھی۔ بھیہ نے خط میں لکھا تھا کہ شادی کے دن آئیں ماں جی بہت یاد آئیں لیکن وہ مجبور تھے۔ میں اس اخبار کے بعد زیادہ تر اخبارات ان کی مجبوری کی داستان سے بھری ہوئی

کے لئے تھے لیکر آئے تھے۔ بچو بہت خوش تھی کیونکہ ان کے لئے سب سے زیادہ تحائف آئے تھے۔ میرے لیے بھی بھیہ بہت کچھ لائے تھے مگر تحفوں سے زیادہ مجھے ان کے آنے کی خوشی تھی کیونکہ ان کے آنے سے ماں جی بہت خوش تھیں اور ماں جی خوش مطلب میں خوش۔ ماں جی بھیہ کو ہار ہار لپٹا لپٹا کر پیار کرتیں، انہیں چومیں اور ان کا سراپے زانوں پر رکھ کر ان کے ہتھکڑیاں بالوں میں انگلیاں پھیرتیں۔ وہ بہت خوش تھیں مگر یہ خوشی عارضی ثابت ہوئی جب بھیہ نے بتایا کہ وہ واپس امریکہ چلے جائیں گے کیونکہ وہاں انہیں بہترین تنخواہ ملتی ہے جو اس ملک میں ممکن نہیں۔ بچو نے بھی بھیہ کی بھرپور حمایت کی۔ بھیہ کی بات سن کر ماں جی پر سکتہ طاری ہو گیا جب بھیہ نے ماں جی کے زانوں پر اپنا سر رکھ کر ان سے اجازت چاہی تو بڑی مشکل سے ماں جی کا ہاتھ اٹھا اور انہوں نے ویران آنکھوں اور لرزے لبوں کے ساتھ بھیہ کو جانے کی اجازت دیدی۔

”ماں جی..... بس چند سالوں کی بات ہے میں وہاں سے آپ کو اتنا کما کر بھیجوں گا کہ آپ کے سارے ڈکھ دور ہو جائیں گے..... اور آپ اس دو گروا والے چھوٹے سے مکان سے بڑے مکان میں شفٹ ہو جائیں گے.....“ بھیہ لاڈ سے بولتے مگر ماں جی کی آنکھیں ہیراں تھیں۔ بھیہ ان کی آنکھوں کی بات نہیں سمجھتے تھے۔ مگر میں ان کی آنکھوں کی زبان سمجھتا تھا۔ وہ پیسہ پیسہ تو ہاتھ کا میل ہے انسان کی ہصل کمانی تو اس کی اولاد سے اور اگر اولاد ہی نظر سے دور ہو تو انسان رو پیسے کا کیا کرے گا۔ چند دن بعد بھیہ واپس امریکہ چلے گئے سب نے ان سے خوب فرمائشیں کیں مگر کسی نے نہیں دیکھا کہ ماں جی محض میں گئے پختار کے درخت سے سرتھو ٹیک لگانے لگی اور وہاں بیٹھی ہیں۔ بھیہ کا دل رکتے رکتے نئے دن سے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی مگر اس مسکراہٹ میں اتنا دکھ پوشیدہ تھا یہ کسی کو نظر نہیں آ رہا تھا

اپنے اچھے مستقبل کے لئے انہیں نہ چھوڑ جاؤں۔ اکثر بچوں کی ماں جی سے کہتی..... "ماں جی... مائیں بچوں کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتیں..... تانی کا مستقبل سنور جائے گا اگر وہ بھی امریکہ چلا جائے گا۔"

"میں ماں جی کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا....."

میں اُل بچے میں کہتا تو بچو پھر جاتی۔

"ہاں..... ہاں..... جیسے تمہارے امریکہ جانے سے ہمیں فائدہ ہے جو ہم تمہیں کہہ رہے ہیں..... امریکہ چلے جاؤ گے تو تمہارا ہی مستقبل سنور جائے گا ورنہ یہاں تو تمہیں دان روٹی کی تنخواہ والی معمولی نوکری بھی نہیں ملے گی۔"

"میں بھوکا رہ لوں گا..... فائدہ کروں گا..... مگر ماں جی کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گا....." میں نے آنسو بہاتی ماں جی کو اپنی ہانہوں میں سمیٹ لیا۔

"ہاں..... ہاں دیکھیں گے جب تمہاری شادی ہوگی تو بھی تم بجائے اپنی دلہن کے کمرے کے ماں جی کے کمرے میں چنگ سے چنگ ملا کر سونا....." بچو اتنا کہہ کر ناراض ہو جاتی اور ماں جی آنسو بہاتی رہتیں۔

آخر بڑی تنگ و دو کے بعد مجھے ایک نوکری مل گئی تنخواہ زیادہ نہ تھی مگر بہر حال مجھے ایک نوکری کی ضرورت تھی لہذا میں نے نوکری کر لی۔ اور..... اس روز..... مجھے پہلی تنخواہ ملی تھی۔ میں خوش خوش گھر جا رہا تھا "میں آج اپنی پہلی کمائی ماں جی کے ہاتھ میں رکھوں گا....." یہ سوچ کر میں خوش ہو رہا تھا۔

"کسی اچھی مشائی کی دکان پر رکن....." میں نے ٹیکسی ڈرائیور سے کہا تو اس نے اچھا کہہ کر مجھے جواب دیا۔ تھوڑی دور ایک بڑی سی مشائی کی دکان پر اس نے ٹیکسی روکی تو میں نے ٹیکسی سے اتر کر مشائی کی دکان سے ایک کلو گلاب جا من خریدے۔ ماں جی کو گلاب جا من بہت پسند تھے۔ کچھ دیر بعد میں ماں جی کے سامنے بیٹھا تھا۔ میں نے ماں جی کے ہاتھ میں اپنی پہلی تنخواہ رکھی تو وہ خوش ہو گئیں۔ ورنہ انہوں نے مجھے

تھی۔ ماں جی کو بھیا کے اس طرح شادی کرنے سے بہت صدمہ ہوا اور انہوں نے بستر پکڑ لیا۔ میں ہر ممکن ان کی دلجوئی کرتا مگر بھیا کا غم انہیں اندر کھاتا جا رہا تھا۔ چند دنوں بعد میرے بھی فائل امتحان ہو گئے۔ ایک دن جب میں بیٹھا ماں جی کے پیروں پر ہاتھ پڑھا تو ماں جی نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا "تانی....." ماں جی مجھے تانی کہتی تھیں "تانی تو بھی مجھے چھوڑ کر چلا جائے گا....."

"نہیں ماں جی..... میں آپ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا....." میں نے ماں جی کے پیروں پر اپنا سر رکھتے ہوئے کہا تو ماں جی رونے لگیں۔ چند دنوں بعد میرا انٹرنٹ بھی آ گیا میں نے یونیورسٹی میں ٹاپ کیا تھا۔ مجھے بھی حکومتی وظیفہ ملا مگر میں نے وہ وظیفہ لینے سے انکار کر دیا۔ جب ماں جی کو میرے لول آنے کی خبر ہوئی تو وہ دہل گئیں۔ اس دن میں گھر پہنچا تو ماں جی مجھے دیکھتے ہی بولیں..... "تجھے بھی وظیفہ ملا ہے تو بھی مجھے چھوڑ کر چلا جائے گا.....؟"

"نہیں ماں جی مجھے کوئی وظیفہ نہیں ملا....." میں نے ماں جی سے جھوٹ کہا۔ میرے انخلا سن کر ماں جی کے چہرے پر اطمینان کی ایک لہر دوڑ گئی۔ میرے سارے دوست حیران تھے کہ میں نے امریکہ میں پڑھنے کی اتنی اچھی آفر کیوں ٹھکرا دی۔ میرے دوست میرا مسئلہ نہیں سمجھ سکتے تھے۔ میرا چنگ ماں جی کے چنگ کے ساتھ جڑا ہوا تھا اکثر رات کو میری آنکھ کھلتی تو میں دیکھتا کہ ماں جی بیٹھی ہیں اور ان کا ہاتھ میرے سر پر رکھا ہے جیسے انکس ڈر ہو کہ کہیں میں بھی انہیں چھوڑ کر چلا تو نہیں گیا۔

امتحان پاس کر لینے کے بعد نوکری کے لئے مجھے بہت جدوجہد کرنی پڑی ہمارے ملک میں نوکریوں کے لئے رشوت و سفارش چلتی ہے جو میرے پاس نہیں تھی۔ بھیا ہر خط میں لکھتے کہ میں ان کے پاس امریکہ آ جاؤں وہاں بہت مواقع ہیں۔ مجھے اچھی تنخواہ ملے گی مگر میں انہیں نال وچہ میرا کوئی ارادہ نہیں تھا کہ میں ان جی کو چھوڑ کر جاؤں۔ جب بھی بھیا کا خط آتا تو میں دیکھتا کہ

جاؤں گا خلی ہاتھ میں نہیں جاسکتا....." وہ سفید پوش بولا۔
 "ٹھیک ہے تم مجھے لے چلو..... میری روح قبض
 کر لو مگر..... مگر ماں جی کو چھوڑ دو....." میں نے روتے
 ہوئے اس سفید پوش کو ایک تجویز دی۔

میری بات سن کر وہ سفید پوش مسکرایا اور دھیرے
 سے بولا..... "میں تمہیں ہی لینے آیا تھا دنیا میں تمہاری
 سانسیں ختم ہو چکی تھیں مگر تمہاری ماں نے تم سے پہلے مجھ
 سے سوا کر لیا اور اپنی سانسیں تمہیں بخش دیں اور میں
 نے ان سے وعدہ کر لیا کہ تمہارے بجائے میں ان کی
 روح قبض کر لوں گا اور میں وعدہ خلائی نہیں کرتا لہذا میں
 نے تمہاری ماں کی روح قبض کر لی۔"

"نہیں....." میرے منہ سے ایک چیخ نکلی اور میں
 بے ہوش ہو گیا۔ جب میری آنکھ مٹی تو میں بستر پر لیٹا
 تھا۔ چند لمحوں میں خلی لینا رہا پھر مجھے خواب یاد
 آیا تو میں ہڑبڑا کر اٹھ گیا۔ میں نے دیکھا ماں جی اپنے
 بستر پر آرام سے سو رہی ہیں ان کے لیوں پر وہی سی
 مسکراہٹ سے میں نے کمرے میں چادروں خراب نگاہ
 دوڑائی مگر مجھے کمرے میں کوئی اور نظر نہیں آیا۔

"اوہ خدایا..... تو وہ خواب تھا....." میں بڑبڑایا۔

"کتنا بھیا تک خواب تھا....." میں یہ سوچتا ہوا
 اپنے چنگ سے نیچے اترتا اور ماں جی کے چنگ کے
 پاس آیا۔ ماں جی چادر اوڑھے سو رہی تھیں ان کے
 دونوں ہجر چادر سے باہر تھے میں نے دھیرے سے ان
 کے پیروں کا یوسہ لیا اور پھر ان کے ماتھے پر ہاتھ رکھا
 مگر..... مگر ان کا ماتھ شخصذا ہورہا تھا۔

"ماں جی....." میں نے انہیں کندھے سے پکڑ
 کر بلایا تو ماں جی کی گردن ایک جانب ڈھلک گئی۔
 میری رات کا خواب سچا تھا، ماں جی نے اپنی جان دے
 کر میری زندگی خرید لی تھی۔ میری آنکھوں سے گرم
 تیز آنسو نکل کر ماں جی کے چہرے پر گرنے لگے۔



بہار کرتے ہوئے کہا..... "ماں جی جتنا تو خوش ہے نا....."
 "ہاں ماں جی..... میں بہت خوش ہوں....."
 میں نے مٹھائی کا ڈبہ کھولا اور ایک گلاب جاسن ماں
 جی کے منہ میں ڈالا۔ ماں جی آہستہ آہستہ گلاب
 جاسن چبانے لگیں۔

رات کا نہ جانے کونسا پیر تھا میری آنکھ کھل گئی۔
 مجھے گھبراہٹ سی ہو رہی تھی میں چند لمحوں لینا رہا پھر
 مجھے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تو میں ہڑبڑا کر اٹھ
 گیا۔ کمرہ دودھیا روشنی میں نہایا ہوا تھا۔ میں نے ماں
 جی کے چنگ کی جانب دیکھا ماں جی پرسکون انداز میں
 سو رہی تھیں۔ پھر میں نے چنگ کے سرہانے نظر
 دوڑائی تو وہاں مجھے ایک سفید پوش کھڑا نظر آیا اس کا
 لباس گل سفید تھا اس کا چہرہ اتنا نور اور پاکیزہ تھا کہ
 دل چاہتا تھا کہ میں اس کا چہرہ دیکھتا ہی رہوں۔ چند
 منٹ تک میں بے خود اس سفید پوش کو گھورتا رہا۔

"کب..... کون ہو تم....." میں نے اس سفید
 پوش سے پوچھا تو اس سفید پوش نے اپنی نظریں
 اٹھائیں اور میری جانب دیکھا اور دھیرے سے مسکرا
 کر کہنے لگا۔

"میں موت کا فرشتہ ہوں..... تمہاری ماں کی
 روح قبض کرنے آیا ہوں....."

"نہیں..... نہیں..... خدارا اب موت کر دو..... ابھی
 تو ماں جی کو خوشیاں ملی ہیں انہیں کچھ دن تو اس دنیا میں
 خوش ہو لینے دو۔" میں سفید پوش کی بات سن کر گڑبڑا گیا
 لہذا میرے منہ سے بے رلف جیسے نکلے گئے۔

"میں جس جگہ آتا ہوں اپنا کام کر کے ہی جاتا
 ہوں۔" سفید پوش نے مجھے جواب دیا۔

"خدا کے لئے..... ماں جی کو مت لیکر جاؤ۔"

میں ان کے بغیر مر جاؤں گا..... میں ماں جی کے بغیر
 نہیں رہ سکتا..... میں اس سفید پوش کے سامنے
 گڑبڑا کر میری آنکھوں سے آنسو ران ہو گئے۔

"میں یہاں تک آیا ہوں تو کسی کی جان کو نہیں ہلاؤں۔"



حساب.....!

• ایس ایم ایچ

میں کوئین بیڈن عرف روانہ ہوں دراصل میں اس نظم کا سہانی کا جشن منانا چاہتا تھا میرا ارادہ تھا کہ میں ایک دو پیگ شراب ضرور پیوں گا۔ میں اس ہی دل میں یہ سوچ کر منظور ہو رہا تھا کہ بڑی پامر آرٹسٹل میں رہتا تو میرے لئے زیادہ کارآمد نہیں تھا۔ بہت اس نے فرار ہو کر مجھے بہت بڑی خوشی سے ہمکنار کر دیا تھا۔

ایک شاعر کی کہانی جو دو افراد کو بیک وقت بے وقوف بنا گیا تھا

دب ہو رہا ہے۔ ہاں کا ایک انتہائی اہم آدمی جنہاں سے فرار ہو گیا۔ یہ شخص تعدادی کے اثر میں گرفتار ہوا تھا۔ جب شہنشاہی تھا تو معلوم ہوا کہ اس شخص نے فرار ہونے میں کسی خاص ذہانت کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ اس کے ساتھیوں کو کسی نہ کسی طرح کا اور نقل بھرا تھا۔ ہر جہاں ان کے بعد انہماک سے شہنشاہی تو احمد کا کام تھا۔ یہ فرار کر گیا کہ وہاں سے

مجھے نہیں سے نہ ہر طرف میں ایک سہا پہا نہیں سے ہر من کا فرار ہو گیا۔ سب کو اس سے بہت دلچسپی کا باعث بنا ہو گا۔ یہ ایک ایسا حادثہ ہے جسے امریکی کثرت سے پڑھنا اور انہیں پسند نہیں کرتے ہیں۔ لیکن اس واقعے پر حیران ہوں کہ اس معاملے میں ہر من کا پہلو تھا اس پر ہوس و نہیں؟ لیکن ان معاملے کا آغاز اس وقت ہوا تھا

Scanned By Amir

چار مجرموں کے لئے چوبیس ڈالر اور اگر پانچ قیدی فرار ہوئے تو ایک کے مقابلے میں تینتیس ڈالر ادا کئے جائیں گے۔ اس نے یہ اعلان بھی کیا کہ اگر کسی جیل کا نام مخصوص کر کے شرط لگائی گئی تو ایجنسی دو گنی ادا تکلی کرے گی۔

جی میرے گا ہوں کی نظر سے یہ خبر گزری تو سب کے سب میری ایجنسی کی طرف دوڑے۔ ان میں ہر ایک یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ کیا میں اس سلسلے میں شرط لگانے پر آمادہ ہوں؟ میں دوسروں کے خیالات سے فائدہ اٹھانا پسند نہیں کرتا لیکن جب رقم گمانے کا معاملہ ہو تو میرا خیال بے موقع گنونا بہت بڑی حماقت ہے۔ میں انہیں اپنے شرط لگانے والے دوست کی ایجنسی نم نم بھی بھیج سکتا تھا لیکن خراب موسم میں گا ہوں کو اتنی ڈور بیچنے کی کیا ضرورت تھی۔ بہر حال میں نے بھی اپنے گا ہوں سے اسی اعلان کے مطابق شرط لگانے پر آمادگی ظاہر کی جو اخبار میں نم نم کی طرف سے شائع ہوا تھا۔

پہلے ہی ہفتے میں شرطیں لگانے والوں کا تاننا بندھ گیا۔ میں یہ سوچ کر لطف اندوز ہو رہا تھا کہ اس طرح مجھے اچھی خاصی آمدنی ہو جائے گی لیکن اس کے ساتھ ہی یہ دھڑکا بھی لگا تھا کہ کہیں یہ سب کے سب جیت ہی نہ جائیں۔ جب پولیس نے اس صورتحال کے پیش نظر اپنے محافظوں کی تعداد دو گنی کر دی تو مجھے یہ معاملہ اپنے حق میں نظر آنے لگا۔

یہ دوسرے ہفتے کی بات ہے مجھے اپنی قسمت کا ستارہ کچھ زیادہ روشن محسوس ہو رہا تھا۔ میری ایجنسی میں غالباً اس سے پہلے اتنی زیادہ شرطیں بھی نہیں لگی تھیں۔ یہ غالباً پہر کی بات ہے۔ ایک آدمی سا لہو تھا۔ تن سے شرطیں لگانے والوں کے ہاتھوں میں مڑی طرح تھک گیا تھا اور کچھ دیر آرام کرنے کے موڈ میں تھا۔ میں کیش بند کر رہا تھا کہ میرا معاون ایک نوجوان کو سنے کر میرے دفتر میں داخل ہوا

ملک کی جیلوں سے فرار ہونا کوئی مشکل بات نہیں ہے بلکہ یہ اس سلسلے میں دنیا کی آسان ترین جیلیں ہیں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ ہمارے قیدیوں کی اکثریت اس بات سے آگاہ نہیں تھی۔ انہوں نے جب اخبار میں یہ اعلان پڑھا تو اس بات کو آزمانے کا ارادہ کر لیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دو ہفتے بعد روزانہ پانچ قیدیوں کے فرار کی خبریں سنائی دینے لگیں۔ اس صورتحال سے تنگ آ کر پولیس کو ان جیلوں میں محافظوں کی تعداد بڑھانی پڑی تھی۔

میں ایک شرط لگانے والی ایجنسی کا مانگ ہوں۔ لندن میں اسکی بہت سی دکانیں ہیں جہاں لوگ باسانی کوئی نہ کوئی شرط لگا سکتے ہیں۔ یہ غیر قانونی کام نہیں کیونکہ ہمارے پاس باقاعدہ اجازت نامے موجود رہتے ہیں۔ اسکی دکانوں کا سلسلہ ہائیڈ پارک تک پھیلا ہوا ہے اور اس کا رد ہار کی ابتداء اس روز ہوئی تھی جب انگریزوں کے دور آزادی کا آغاز ہوا تھا۔ اگر رقم زیادہ ہو تو ہم مخصوص شرطوں سے ہٹ کر نئے نڈاز کی شرطیں بھی لگانے پر تیار ہو جاتے ہیں۔

ایک رات کوٹن ہیڈ کلب میں میرے ہم پیشہ ساتھیوں میں سے ایک نے مذاق مذاق میں پانچ کے مقابلے پر دو کی شرط لگاتے ہوئے کہا کہ آئندہ چوبیس گھنٹوں میں جیل سے کوئی نہ کوئی قیدی ضرور بھاگ نکلے گا۔ یہ ایک اسکی شرط تھی جس پر عام لوگوں میں سے بھی چند ایک چھوٹی موٹی رقم واؤ پر لگا دیتے ہیں۔ اگلے روز اس نے یہ چیتخ اخبار میں شائع کر دیا اس نے اشتہار دیا کہ برطانوی جیل سے کوئی نہ کوئی قیدی ضرور بھاگے گا۔ شرط کی تفصیل اس طرح تھی۔

آر دو خرم بھاگے تو رقم آئیے کے مقابلے میں پانچ ڈالر ہوگی۔

تن خرم فرار ہوئے تو رقم آئیے کے مقابلے میں دس ڈالر ہوگی۔

"ہاں میں ہی ہوں۔" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

میری اس بات پر نوجوان نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ بعض لوگ فوراً کوئی نہ کوئی بات کہتے ہیں جس سے ہمیں گاہک کے ساتھ بات کرنے میں آسانی دیتی ہے اور اس طرح اس کی شخصیت بھی ہمارے سامنے آجاتی ہے۔ لیکن اس نوجوان نے فوراً ہی مطلب کی بات شروع کر دی۔ "کیا میں یقین کر لوں کہ تم آئندہ چوبیس گھنٹے کے دوران جیل سے فرار ہونے والے قیدیوں کے سلسلے میں شرط لگا سکتے ہو اور رقم بھی ادا کر سکتے ہو؟"

"یہی بات باہر بورڈ پر بھی لکھی ہے نوجوان۔ میں نے کہا۔ بہر حال ہماری ایجنسی یہ شرط لگانے پر آمادہ ہے اور بازار میں ہماری سادھ بھی ہے۔ ہم چیتنے والے کو نقد ادا کیلی کرتے ہیں۔"

"میں کچھ رقم شرط پر لگانا چاہتا ہوں۔" اس نے کہا۔

"کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ تم باہر جا کر میرے معاون سے معاملہ طے کر لو۔ مجھے ابھی بہت سی رسیدیں جمع کرنا ہیں تم دیکھ رہے ہو کہ میری میز پر کاغذی کاغذ ٹھہرے ہوئے ہیں۔"

"میں ایک بہت بڑی شرط لگانا چاہتا ہوں۔" میں نے اپنے کھاتے میں ایک مقام پر اپنی انگلی رکھ دی تاکہ حساب ذہن میں رہے اور مجھے دوبارہ محنت نہ کرنی پڑے۔ میں نے بغور اس کی طرف دیکھا میری آنکھیں اس کی آنکھوں پر جمی ہوئی تھیں میں نے دریافت کیا۔

"کتنی بڑی شرط ہے نوجوان؟"

"ایک ہزار پانچ سو کی شرط۔"

"میں نے ذہنی ہوئی سانس چھوڑ دی اور تھوک نکل کر کہنا: "کیا تم شیڈ ہو؟"

اس کے نے اثبات میں سر ہلایا۔ میں ہار

شوخی سطر میں.....!

اس نے کہا تم میں پہلے کسی بات نہیں میں نے کہا انسان ہوں سائنس کی ایجاد نہیں اس نے کہا اب بھی کسی کی آنکھوں میں ڈوب جاتے ہو میں نے کہا ہاؤ لے ہو کیا؟ آنکھیں ہیں کوئی تالاب نہیں اس نے کہا کیوں ٹوٹ کے جا رہا تھا مجھے اتنا میں نے کہا دماغ سے پیدل تھا جس کا کوئی جواب نہیں اس نے کہا کیا میں بے وفا ہوں میں نے کہا تو اتنا دھوکے باز ہے جس کا کوئی حساب نہیں اس نے کہا بھول جا مجھ کو میں نے کہا تو ہے کون مجھے تو یہ بھی یاد نہیں (ایس ایم اے احمد)

اگرچہ اس نوجوان کے گال اندر دھسے ہوئے تھے لیکن اپنے نیلے سوٹ میں وہ ایک نمایاں شخصیت کا جال نظر آ رہا تھا۔ اس نے خوبصورت ٹائی بائو رکھی تھی اور اس کے ہنر سونے کے تھے۔ میں نے اس کے چہرے کا بغور جائزہ لیا۔ یہ صورت سے ایک شریف آدمی نظر آتا تھا۔ میرا خیال ہے اس نے جگ کے دوران مشینوں وغیرہ سے خوب کمائی کی تھی۔ لیکن جب اس نے اپنے ہونٹوں کو جنبش دی تو مجھے احساس ہوا کہ میں اس کے بارے میں غلط خیال آرائی کر رہا ہوں اس کے لب و لہجے میں کوئی خاص بات ضرور تھی۔

میں چونک پڑا۔ وہ بہ سادہ انداز میں بات کر رہا تھا۔ میرا مطلب تو غلط تھا آپ سمجھ ہی رہے ہوں گے۔ دراصل ہم شرط لگانے والے انسانی نفسیات کے ماہر ہوتے ہیں اور ہم ہر قسم کے آدمی کو فوراً پہچان لیتے ہیں۔ ہمارے اس خصوصیت نے بارے میں قارئین کو اعزاز کر لینا چاہئے۔

"کیا تم نے مسٹر گوڈ فرے ہو؟" اس نے

ورپا

ہے۔" اس نے خشک لہجے میں کہا۔ "میں نے آج صبح ہی یہ سب حساب کر لیا تھا۔ میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ تم یہ شرط لگانے پر آمادہ ہو یا نہیں؟"

"کیا تم مجھے ایک گھنٹے کی مہلت دینا پسند کرو گے؟" میں نے کچھ نمبر اپنے پیڑ پر جلدی جلدی لکھتے ہوئے کہا۔ "دراصل میں اس شرط کے دیگر پہلوؤں پر بھی غور کرنا چاہتا ہوں۔"

"نہیں یہ ایک آرجنٹ معاملہ ہے۔" اس نے اصرار کیا۔

میں نے پیڑ پر خفیہ زبان میں کچھ حساب کیا اور ذہن میں ممکنات کو دہراتا رہا یہ اتنی بڑی شرط تھی کہ میں اسے نظر انداز نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں یہ شرط ہار کر جاہ بھی ہو سکتا تھا اس لئے میں کسی پہلو سے کمزور نہ کر یہ شرط نہیں لگانا چاہتا تھا۔ شرط لگانے کے لئے تھوڑی بہت امید تو ہونی ہی چاہئے۔ میں اسی امید کی ہلکی سی کرن کو دیکھنا چاہتا تھا۔ یہاں اس بات کا تذکرہ ہی بیکار ہے کہ میں تھا اتنی بڑی شرط لگانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا میں چاہتا تھا کہ ہم پیشہ افراد میں سے چند ایک کو بھی اس کا رد ہاری معاملے میں شریک کر لوں۔

ابھی میں انہی باتوں میں الجھا ہوا تھا کہ میرے ذہن میں ایک اور خیال پیدا ہوا اس کے بعد مجھے یہ محسوس ہوا کہ میرے تمام نشانات بیکار ہیں۔ اس شرط کو جیتنے کے لئے کچھ آسان ذرائع بھی تھے۔ جب مجھے اس صورت حال کا احساس ہوا تو میں نے خوشی سے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ اب میرے لہجے میں کسی قسم کی ہچکچاہٹ نہیں تھی۔

"ٹھیک ہے میں اس شرط کے لئے تیار ہوں لیکن اس سلسلے میں رقم کی ادائیگی نقد اور فوری ہونی چاہئے۔"

میری آماؤگی دیکھتے ہی مسز اسمتھ نے کوٹ کی جیب سے ایک لٹافہ نکالا اور میری طرف بڑھایا۔ میں نے لٹافہ لے کر دہرایا اور اسے کھول کر جھانکا۔ اس میں دس پاؤنڈ کے نوٹوں کی گڈی تھی۔ میں سوچ

ہاں تھوک لگنے لگا۔ ایک ہزار پاؤنڈ یعنی دو ہزار آنے سو ڈالر؟ یہ ایک بہت بڑی شرط تھی میں نے اب تک اتنی بڑی شرط کسی سے نہیں لگائی تھی۔ اتنی بڑی شرط تھی کہ میری انگلی کھاتے سے ہٹ گئی۔ دراصل میں اس شرط کے علاوہ سب کچھ بھول گیا تھا۔

"ٹھیک ہے۔" میں نے کچھ ایسے لہجے میں کہا جیسے اتنی بڑی شرط نے مجھے بالکل متاثر نہیں کیا۔ "میرا خیال ہے مجھے تم سے بات چیت کر لینی چاہئے مسز۔"

"اسمٹھ۔" اس نے کہا۔ "میرا یہ اس کا نام نہیں تھا۔"

"ہاں تو مسز اسمتھ تمہاری یہ شرط درحقیقت کس نوعیت کی ہے۔"

"میں ایک ہزار پاؤنڈ اس بات پر لگانا چاہتا ہوں کہ سوکھر ویٹ جنٹل سے پانچ آدمی آئندہ چوبیس گھنٹے کے دوران فرار ہو جائیں گے۔"

یہ بات سن کر میرا پورا جسم مفلوج سا ہو گیا۔ سچ تو یہ ہے کہ میرا ذہنی توازن ہی بگڑ گیا تھا۔ میرا خیال ہے ایک آدمہ منٹ تو میں سانس لینا ہی بھول گیا تھا اور جب مجھے احساس ہوا تو میں بری طرح ہانپ رہا تھا۔ بلاخر میں نے خود پر قابو پانے کی کوشش کی اور جب میں بولا تو میری آواز کسی مینڈک کے ٹرانے سے مختلف نہیں تھی۔ "میرا خیال ہے مجھے اس شرط کی تفصیلات تمہیں بتا دینی چاہئیں۔" میں نے کہا۔ "اگر کسی جیل سے پانچ افراد مقررہ وقت میں فرار ہوئے تو ایک کے مقابلے میں تینتیس (33) ڈالر کی شرط ہے لیکن اگر کسی جیل کو مخصوص کر دیا جائے تو یہ رقم ڈگنی ہو جائے گی۔ بالفاظ دیگر اگر تمہاری بتائی ہوئی جیل سے آئندہ چوبیس گھنٹوں کے دوران پانچ قیدی فرار ہو گئے تو میں تمہارے ایک پونڈ کے عوض چھیاسٹھ پونڈ دوں گا۔ یعنی مجموعی طور پر پھیاسٹ ہزار پونڈ جیت جاؤ گے۔"

میں نے یہ سب کچھ دہرانے کی ضرورت نہیں

میں عموماً خطرناک ترین مجرموں کو رکھا جاتا ہے پولیس کے انتہائی خوفناک گارڈ وہاں رکھے گئے تھے۔ دراصل شرط کا معاملہ تو ایک طرف رہا۔ آپ کا کیا خیال ہے کہ چند خطرناک قیدیوں کی کوشش کو ناکام بنانا ایک شہری کی حیثیت سے میرا فرض نہیں ہے؟ دراصل میں بہت نرم دل آدمی ہوں میں اس بات کو برداشت ہی نہیں کر سکتا کہ خطرناک مجرم آزاد ہو کر معاشرے میں دفناتے پھریں۔ اس طرح جو وحشت بچوں اور عورتوں پر ہوتی ہے اسے میں دیکھتا تو درکنار اس کے بارے میں سوچ کر ہی کانپ جاتا ہوں لہذا اگر آپ یہ سوچ رہے ہیں کہ میں پولیس کا تجربہ ہوں تو آپ کو اجازت ہے کہ میرے بارے میں جو رائے چاہے قائم کریں مجھے اس کی ذرا بھی پروا نہیں ہے۔

بہر حال میں نے اسکاٹ لینڈ یارڈ کو فون کیا ظاہر ہے میری یہ کال ایک گہم آم آدی کی حیثیت سے تھی۔ میں نے بتایا کہ ایک شخص مارکیٹ میں بڑی بڑی شرطیں لگا رہا ہے۔ اس کے انداز سے ظاہر ہوتا ہے کہ آج رات سموٹر جیل سے پانچ خطرناک قیدی ضرور فرار ہوں گے۔ میں نے اسپیکر کو مشورہ دیا کہ سپاہیوں کا مزید ایک دست فوراً جیل کی طرف روانہ کر دے۔ اس نے شکر یہ ادا کیا اور قانون کی حمایت میں میری تعریف کرتے ہوئے سلسلہ منقطع کر دیا۔

اس اطلاع کے بعد فوری طور پر شہر بھر کی پولیس جیل کی طرف روانہ ہوئی ہوگی اور سپاہیوں نے اس جیل کے چبے چبے کی گھرائی شروع کر دی ہوگی۔ یہ بھی ممکن تھا کہ پولیس کا ایک ایک کانسٹیبل ہر کونٹری کے دروازے پر بھی متعین کر دیا گیا ہو اس کے علاوہ ایک گمشدگی کار سپاہیوں کو لے کر مسلسل جیل کے گرد چکر لگا رہی ہوگی۔ اس صورت میں کوئی پرنڈہ بھی پولیس کی نگاہ میں آئے بغیر جیل کے اندر یا باہر نہیں جاسکتا تھا۔ چوبیس گھنٹے گزر گئے تو میں یہ خبر سن کر مطمئن ہو گیا کہ برٹش جیل سے صرف ایک قیدی فرار

رہا تھا کہ اس کے جانے ہی احتیاط سے ان نوٹوں کو گن لوں گا۔ لیکن فوری طور پر گنڈی کا جرم مجھے مطمئن کرنے کے لئے کافی تھا۔

”اگر میں یہ شرط جیت گیا۔“ مسٹر اسمتھ نے پرسکون لہجے میں کہا۔

”تو میں تمہیں وہ جگہ اور طریقہ بتا دوں گا جس کے ذریعے میں رقم وصول کرنا پسند کروں گا۔ غالباً یہ بات تو تم بھی پسند نہیں کرو گے کہ میں یہاں سے اتنی بڑی رقم لے کر نکلوں اور کوئی مجھے راستے ہی میں لوٹ لے۔“

”بالکل بالکل۔“ میں نے جلدی سے کہا اور رقم کی رسید اس کی طرف بڑھا دی۔ میں اسے باہر تک چھوڑنے کے لئے دروازے کے قریب پہنچا لیکن میں دل ہی دل میں خوش تھا۔ میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے چہرے پر کسی قسم کی پریشانی دیکھوں اس لئے میں نے اس کی ہاں میں ہاں ملا دی تھی کہ وہ جیسے اور جہاں چاہے رقم وصول کر سکتا ہے۔

جیسے ہی مجھے یقین ہو گیا کہ وہ گلی سے باہر نکل گیا ہوگا میرا ہاتھ جیزی سے فون کی طرف بڑھا اور میری انگلی مسکا گئی انداز میں اسکاٹ لینڈ یارڈ کا فون ڈائل کرنے لگی۔ بھینٹا یہ ایک ایسی صورت تھی جس سے میں ایک بہت بڑی رقم ہارنے سے بچ سکتا تھا اور ایک ہزار پونڈ کا مالک بھی بن سکتا تھا۔

مسٹر اسمتھ نے کہا تھا کہ یہ بہت ارجنٹ معاملہ ہے یہ بات صرف مخصوص حالات میں ہی کہی جاسکتی ہے اس کا اطمینان ایک لحاظ سے میرے لئے تشویش کا باعث بھی تھا۔ اس کا وہ حقیقت جو بھی نام تھا بہر حال مسٹر اسمتھ جانتا تھا کہ سموٹر جیل سے پانچ قیدی فرار ہونے والے ہیں۔ جب اسے یقین ہو گیا تو اس نے سوچا کہ کیوں نہ شرط لگا کر اس موقع سے فائدہ اٹھایا جائے لیکن شاید اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ ہم لوگ بھی اپنی رقم بچانے کے لئے ہر ممکن کوشش کر گزرتے ہیں۔

سموٹر جیل کا ایک انتہائی اہم جیل ہے اس جیل



”دُعَا الْقَدِيرِ بَدَلِ دِيْتِي نَبِيٌّ“ (حدیث رسول)

سپارہ ڈائجسٹ کی ایک ایمان افروز پیشکش



دُعَا نَبِيٌّ

تَشَاعُرِ ہو گیا ہے

- شہ آئی دُعَا تیں۔
- عظیم پیغمبر ان خُدا کی وہ دُعَا تیں جو نسلِ انسانی کے لیے نجات اور ہدایت کا باعث بنیں۔
- خالقِ کائنات کے آخری نبی محمد رسول اللہ کی تمام مسنونہ دُعَا تیں جو رحمت اللعالمین کی ذاتِ برکات کا مقدس پر نور ہیں۔
- صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کی دُعَا تیں۔
- آئمہ اکرام اور اسلام کے عظیم اور با کمال سُو بھائے عظیم کی بابرکات دُعَا تیں۔

جدید دنیا کے گھمبیر اور اعصاب شکن مسائل میں گھبرے پریشان حال انسان کے تمام مسائل کا تشریحی آہستہ آہستہ روحانی اور دینی علاج

سپارہ ڈائجسٹ 244 میں مارکیٹ ریوارڈ گارڈن لاسوڈ
فون نمبر: 2755113

جس نے جیل سے فرار ہونے والے قیدیوں پر شرطیں لگانے کا خیال پیش کیا تھا اور اس معاملے کی شہرہ کی تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ اس ذہین شخص نے اس دوران کتنی رقم کمائی ہوگی۔ غالباً مجھ سے زیادہ تو نہیں کمائی ہوگی؟

"میں آج بہت خوش ہوں تم۔ اس لئے آج کی دعوت کا بوجھ میری جیب پر ہوگا۔"

"تمہیں ایسا کرنا ہی پڑے گا۔" اس نے بڑے غم زدہ لہجے میں کہا۔ "آج میں دیوالیہ ہو گیا ہوں۔"

"کیوں۔ کیا ہوا؟" میں نے حیرت سے اس سمجھے دوست کی طرف دیکھا جس کا چہرہ شدت غم سے بگڑ کر بھیا تک ہو گیا تھا۔

"میں نہیں بتاتا ہوں۔" اس نے کہا۔ "لیکن یہ سب کچھ اپنی ذات تک محدود رکھنا میں نہیں چاہتا کہ اس معاملے میں اتنا بڑا نقصان اٹھانے کے ساتھ ساتھ لوگوں کے تہمتوں اور طعنوں کا نشانہ بنوں۔ کل میری دکان میں ایک نوجوان آیا تھا اس نے مجھ سے شرط لگائی تھی کہ آئندہ چوبیس گھنٹوں میں تین قیدی سموٹروٹ جیل سے فرار نہیں ہوں گے۔"

میرے ہاتھ سے گلاس گرتے گرتے بچا۔ اور اس شرط کی رقم کتنی تھی؟" میں نے گھبرا کر کہا۔

"دس ہزار پاؤنڈ۔" اس نے کراہتے ہوئے کہا۔ "میرے پانچ ہزار کے مقابلے میں اس نے دس ہزار کی رقم اس شرط کے ساتھ لگائی تھی کہ سموٹروٹ دس جیل سے کوئی قیدی فرار نہیں ہوگا۔ تم جانتے ہو کہ گزشتہ ہفتے تین مرتبہ قیدیوں نے جیل توڑ دی تھی اور ایک داروات جبر کے دن بھی ہوئی تھی لہذا میں نے سوچا کہ یہ ایک اچھی شرط ہے لیکن مجھے کیا معلوم تھا کہ اس نے قیدیوں کو روکنے کے لئے وہاں پورے ملک کی پولیس جمع کر دی تھی۔؟ میں تو بالکل ہی جاہ ہو گیا ہوں۔" اس نے کہا۔ "میں نے تو تین قیدیوں کو پیغام بھجوا دیا تھا لیکن انہوں نے۔"

ہونے میں کامیاب ہوا تھا۔ اور وہ شخص بھی ایک روز پہلے بھاگا تھا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ قیدی سموٹروٹ جیل سے فرار نہیں ہوا تھا۔ میں نے مسز اسمتھ کی اہمیت کی شرط پر دل کھول کر تہمت مارا اور جب اس کی رقم اپنے سیف میں رکھ رہا تھا تو یہ خیال میرے ذہن میں آئے بغیر نہیں رہا کہ وہ ایک اہمائی اہم آدمی ہے اور آئندہ کبھی شرط نہیں لگائے گا بلکہ میرے خیال میں اسے شرط لگانے سے تو بچ ہی کر لینی چاہئے۔

اسکے روز شام کو مجھ پر ایک اور انکشاف ہوا۔ دراصل اس وقت میں جیل سے فرار ہونے والے اس واحد قیدی کے بارے میں تفصیلات پڑھ رہا تھا یہ وہی شخص تھا جو مجھ سے شرط لگانے آیا تھا۔ اس کا حلیہ اخبار میں تفصیل سے شائع ہوا تھا۔ یہ شخص برطانیہ کا سب سے بڑا جعلا ساز تھا۔ ایڈی پامر۔ مجھے حیرت ہوئی کہ کیا ایڈی پامر پاگل ہو گیا تھا کہ اس نے مجھ سے ایک ہزار پاؤنڈ کی شرط لگائی اور رقم ہار گیا۔ وہ علم اسٹریٹ کی جیل سے فرار ہوا تھا یہ جیل میری انجنسٹی سے چند بلاک کے فاصلے پر تھی۔

بہر حال ایک شہری کی حیثیت سے ممکن ہے میں ناکام رہا ہوں لیکن شرطیں لگانے کے سلسلے میں بہت کامیاب ثابت ہوا تھا۔ غالباً یہ بات پڑھ کر آپ سب لوگ خوب ہنسے ہوں گے کہ میں نے برطانیہ کے سب سے مکار آدمی کو شکست دے دی تھی۔

میں کوئین ہینڈ کی طرف روانہ ہوا۔ دراصل میں اس عظیم کامیابی کا جشن منانا چاہتا تھا میرا ارادہ تھا کہ میں ایک یاد پیک شراب ضرور پیوں گا۔ میں دل ہی دل میں یہ سوچ کر محفوظ ہو رہا تھا کہ ایڈی پامر اگر جیل میں رہتا تو میرے لئے زیادہ کارآمد نہیں تھا۔ البتہ اس نے فرار ہو کر مجھے بہت بڑی خوشی سے ہمکنار کر دیا تھا۔ مجھے بار بار اس کی یہ اہمیتانہ حرکت یاد آ رہی تھی اور میں ذریعہ مسکرا رہا تھا۔

ایک مہینے کے بعد بھی اس کا یہ وہی شخص ہے





ڈیجیٹل حقوق کی جنگ میں سرگرم پاکستانی، نگہت داد



نگہت داد کا تعلق پاکستان کے شہر جھنگ سے ہے۔ ان کے والدین پڑھے لکھے نہیں تھے۔ مگر انہوں نے اپنی بیٹی کو اس قابل بنا دیا کہ وہ بین الاقوامی سطح پر "ٹیکسٹ جزیشن لیڈر" قرار دی گئی ہیں۔ نگہت کو ملال یونیورسٹی کو بھی ڈیجیٹل حقوق کی ٹریننگ دینے کا اعزاز حاصل ہے۔ حال ہی میں امریکی جریدے "ٹائم میگزین" نے "ٹیکسٹ جزیشن لیڈر" کی ایک فہرست جاری کی ہے، جس میں پاکستانی خاتون نگہت داد کا نام بھی شامل ہے۔ نگہت داد پاکستان میں ڈیجیٹل رائٹس کیلئے نمایاں کام کر رہی ہیں۔ ان کی انہی کاوشوں پر ٹائم میگزین کی جانب سے نگہت کو "گلوبل نسل" کے لیڈر کا اعزاز دیا گیا ہے۔ نگہت داد نے پاکستانی نوجوانوں کو محفوظ آن لائن کے طریقے بھی سکھائے ہیں۔ اس حوالے سے انہوں نے بتایا کہ سالانہ 2011ء میں پشاور میں ایک ماہرہ گرانجورنٹ میں حصہ لیا تھا، جہاں وہ عام لڑکیوں کی طرح انٹرنیٹ کے محفوظ طریقے کا سیکھنا چاہتی تھیں۔

دنیا کی 100 طاقتور ترین خواتین: آنکلا اول، ہیلری ڈونم

حالی ہی میں امریکی جریدے فوربز کی جانب سے دنیا کی 100 طاقتور ترین خواتین کی فہرست جاری کی گئی ہے۔ فوربز کی فہرست میں دنیا بھر سے تعلق رکھنے والی طاقتور خواتین کے نام شامل ہیں۔ فہرست کے مطابق، جرمن چانسلر آنکلا مرکل اس بار بھی دنیا کی تمام خواتین کو پیچھے چھوڑ کر پہلے نمبر پر جگہ بنا چکی ہیں۔ یہ پانچویں بار ہوا ہے کہ آنکلا مرکل فوربز کی طاقتور ترین خواتین میں سر فہرست رہی ہیں۔ جرمن چانسلر آنکلا مرکل کے بعد فہرست میں دوسرا نمبر سابق امریکی وزیر خارجہ، صدارتی امیدوار ہیلری کلنٹن کا ہے، جبکہ تیسرے نمبر پر ہیل ٹینس کی اہلیہ میلندا ٹینس ہیں۔ فوربز کے مطابق، دنیا کی چوتھی نمبر ترین خاتون جینٹ سینٹن جیمز بین امریکی فیڈرل ریورور پانچویں نمبر پر۔ آئی ٹی کی چیف ایگزیکٹو میری بارا، جب کہ آئی ایم ایف کی ایچ ای کرشنن ریگڈ کا نمبر چھٹا ہے۔ امریکی جریدے کی فہرست 2015ء کے مطابق، امریکی ریاست کی خاتون اول مشیل اوباما اس فہرست میں ٹاپ ٹین میں شامل ہیں۔ دنیا کی شوہر اندلسی سے تعلق رکھنے والی میزبان اوپرا ونفرے فہرست میں

Scanned By Amir



بارہویا نمبر پر ہیں، جبکہ مشہور گلوکارہ نیونے کا کیسواں، مشہور پاپ گلوکارہ ٹیڈ سونگٹ کا چونسواں نمبر ہے، جو اس فہرست میں شامل ہیں۔ نورانی جانب سے 7 برائے 100 طاقتور خواتین کی فہرست جاری کی جاتی ہے۔

پاکستان میں ہر سال 5 ہزار خواتین فسطیولا کا شکار ہو جاتی ہیں

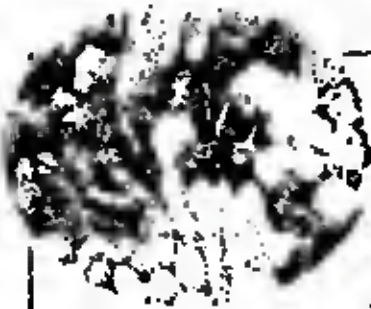
ماہرین صحت کا کہنا ہے پاکستان میں ہر سال 5 ہزار خواتین فسطیولا کا شکار ہو جاتی ہیں۔ ماہرین نے تشویش کا اظہار کیا ہے کہ یہ بیماری بڑھتی جا رہی ہے۔ اس بیماری کی علامتیں سخت متاثر ہوتی ہے، جلد اس بیماری میں مبتلا خواتین معاشرے سے کٹ کر رہ جاتی ہیں۔ پاکستان سمیت دنیا بھر میں 23 لاکھ کو فسطیولا کا عالمی دن منایا جاتا ہے۔



عالمی سطح پر اس دن کو منانے کا مقصد جو اس بیماری سے بڑے میں عام سطح پر آفریغ دیگر خواتین کو اس بیماری کا شکار سے بچانا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق ہر سال تقریباً 50 لاکھ خواتین پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ جناح ہسپتال کی گائناکولوجسٹ، ڈاکٹر حلیمہ یاسمین کا کہنا ہے کہ دوران زندگی بچے کی پیدائش بروقت نہ ہونے کے باعث یہ بیماری جنم لیتی ہے۔ انہوں نے افسوس کا اظہار کیا کہ پاکستان میں خواتین کی صحت کے اعتبار سے آگہی کی کمی کے باعث، بہت سی خواتین یہ بیماری گھنے سے معاشی بے چارگی کا شکار ہو جاتی ہیں۔ فسطیولا کی بیماری کا علاج موجود ہے، جس کے کئی مراکز موجود ہیں، جہاں ایسی خواتین کو مفت علاج فراہم کیا جاتا ہے۔ مگر اس کے باوجود آگاہی نہ ہونے کی وجہ سے، ایلیٹانہ کی جانب سے یہ بیماری میں مبتلا خواتین کو ایف کرے تک محدود کر دیا جاتا ہے۔

سپارہ چکن کارنر

جویریہ کامران



خواتین قارئین کی دلچسپی اور پسند کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم نے کھانوں کی تراکیب پر مبنی خصوصی سلسلہ شروع کیا ہے جس میں آسان مگر معیاری اور نئی تراکیب پیش کی جائیں گی۔ ان تراکیب پر عمل کر کے نہ صرف آپ اپنے گھر والوں کو نئے نئے ذائقہ دار کھانے فراہم کر سکتی ہیں بلکہ روایتی ڈشز پکاتے کی بوریت سے بھی نجات حاصل کر سکتی ہیں۔ ہماری کوشش ہوگی کہ آپ کو بہترین تراکیب فراہم کر سکیں۔ اس سلسلے میں آپ ہمیں اپنی تجاویز اور آراء سے آگاہ کرتے رہیے۔ نیز آپ ہمیں خود بھی نئی اور معیاری تراکیب لکھ کر بھیج سکتی ہیں جنہیں آپ کے نام کے ساتھ شائع کیا جائے گا اور بہترین تراکیب پر اعزازی شمارہ بھی آپ کو ارسال کیا جائے گا!

email: sayyaradigest@gmail.com

www.facebook.com/sayyaradigest



حسب ضرورت ہے۔

ترکیب: ایک دہلی میں پانی اٹھی اور نمک کو ہلکی آٹھ پر پکائیں جب کھانا پختل جاسے تو دہلی چھوڑے اور آٹھ لٹریں میں میدہ ملائی جائیں اور چھو پلائی رہیں۔ دہلی کو دوبارہ چھوڑے پر رکھ کر ہلکی آٹھ پر پکائیں جب میدہ دہلی کی دیوار میں چھوڑنے لگے اور ذرا سخت ہو جائے تو دہلی کو اتار لیں اور اٹھ سے توڑ کر ایک پیالی میں پیسٹ لیں اور انہیں تھلی کے آمیزے میں ملا دیں پھر تمام آمیزے کو اچھی طرح پیسٹ کر اس میں پیچ نمک ایس کال مرچ زریہ اور دینلا ایسنس ملا کر اچھی طرح پانچ منٹ تک پھینس پیچ کی گیندیں تپنے کیلئے اب آمیزہ تیار ہے۔ کھلی یا تیل کو درمیان آٹھ پر گرم کریں اور پیچ کے آمیزے کی بالائی بنا لیں اور انہیں تھیں۔ جب ہائز براؤن

چیز ہائز



اجزا:

میدہ 75 گرام پیچ 56 گرام اٹھ سے دو عدد کالی مرچ ایک چوتھائی پیچ دینلا ایسنس چند قطرے اپنا ہوا زریہ چوتھائی پیچ نمک ایک پیچ کھلی دو بوسے پیچ پانی

Scanned By Amir

تھنچ سفید زیرہ چائے کا تھنچ' تھوٹی الائچی چھ عدد
 ثابت کالی مرچ پور عدد خشکاش ایک کھانے کا تھنچ' پنا
 ہوا گرم مصالحہ حسب ضرورت ڈبل روٹی کے سلائس دو
 عدد بیٹے کباب مصالحہ دو کھانے کے تھنچ خشک دودھ



ایک کھانے کا تھنچ' فریش کریم ایک ہلکے نمک حسب
 ذائقہ ہی لالی مرچ ایک چائے کا تھنچ' ہری مرچ دو
 عدد پودینہ آدمی گھنٹی تیل حسب ضرورت۔

ترکیب: پہلے چنے' سفید زیرہ' تھوٹی الائچی' کالی
 مرچ اور خشکاش ملا کر اچھی طرح چیس لیں۔ اب
 مرغی کے قے میں پنا ہوا مصالحہ بریڈ سلائس شامل
 کر کے چور میں چیس لیں۔ اس میں چنے کا کھچر
 نمس کر دیں۔ اس کے بعد بیٹے کباب مصالحہ
 خشک دودھ' فریش کریم' نمک' لالی مرچ'
 ہار یک کٹی ہری مرچ' ہار یک کٹا ہوا پودینہ اور
 پنا ہوا کچا پھونکا ملا کر اچھی طرح گوندھیں اور
 تھوڑی دیر کے لئے رکھ دیں۔ اب انہیں بیٹے
 کباب جیسا بنا لیں پھر گرم گرم کر کے ذرا
 چکناٹی لگا کر بنانے ہوئے کباب سینک لیں۔
 اس کے بعد برش سے تھوڑا تیل لگا کر کباب نکال
 لیں۔ آخر میں تیار چکن ریشمی کباب' نیموں والی
 پیاز اور اٹی کی پٹنی کے ساتھ سرد کریں۔

ہو جائیں تو ایک پھلی ہوئی ڈش میں انہیں ترتیب سے
 سجا کر کدو کش کی ہوئی سلاڈ کے ساتھ پیش کریں۔

چکن نگٹس

اجزاء: چکن بغیر ہڈی کی بوٹیاں ایک کلو' لہسن پنا
 ہوا ایک کھانے کا تھنچ' کالی مرچ پھی ہوئی آدھا



چائے کا تھنچ' سویا سوس دو کھانے کے تھنچ' نمک حسب
 ذائقہ' سفید مرچ پھی ہوئی ایک چائے کا تھنچ' سرکہ دو
 سے تین کھانے کے تھنچ' آمیزہ بنانے کے اجزاء میدہ
 ایک پیالی نمک حسب ذائقہ انڈوں کی سفیدی دو عدد
 کارن فلور آدمی پیالی' سفید مرچ پھی ہوئی آدھا
 چائے کا تھنچ' آئل ایک پیالی

ترکیب: چکن میں نمک' لہسن' سفید مرچ' کالی مرچ'
 سرکہ اور سویا سوس لگا کر آدھے سے ایک گھنٹے کیلئے
 فریج میں رکھ دیں۔ آمیزہ بنانے کیلئے انڈوں کی
 سفیدی پھیلت کر میدہ کارن فلور نمک اور سفید مرچ
 ملا لیں اس آمیزہ میں اتنا پانی ڈالیں کہ گاڑھا پیسٹ
 آمیزہ بن جائے چکن کی بوٹیاں اس میں ڈبو کر پندرہ
 سے بس منٹ کیلئے فریج میں رکھ دیں۔ کڑا ہی میں تیل
 کو درمیانی آگ پر گرم کریں اور چکن نگٹس گولڈن
 فرائی کرنی نما نو کچپ بنا دیں ان کے ساتھ پیش کریں۔

چکن ریشمی کباب

اجزاء: چکن ریشمی کباب

بزمِ شاعری



نمبر ۲

نعت رسول ﷺ

مگر دینے کو جانا ترا ہو ہوا
ساتھ لے جانا میری صلات و شہاد
کہنا آقا سے کردو کرم کی نظر
کب سے بے چکن ہے روح جان و جگر
میری پہنچا دو آقا کو یہ التجا
دور ہوں کہنا آقا در سے ترے
مر نہ جاؤں کھل تیرے در سے پرے
اتنی کیوں دیر ہوگی حبیبِ خدا
حملہ آور ہے شیطان ایمان پر
کٹ رہے ہیں گناہوں میں شام و سحر
زندگی دوسوں میں ہے صبح شام
دیکھ کر حال حیرت زدہ ہیں سبھی
ملنے ہیں لوگ بن کر سبھی اجنبی
جب سے در کا ترے ہو گیا ہوں گدا
حال کہنا مرا سارا سرکار کو
بیچ دیجئے دوا اب تو پیار کو
کون ہے شوق کا آقا تیرے سوا

(شوخی خالوہی۔ خالواہن)

غزل

گلوں کی نکھیں کلیوں کا باکھن نہ ملا
وہ رونقیں نہ ملیں اور وہ تھن نہ ملا
عدو سمجھ کے جنہیں دوستوں نے گاڑ دیا

نہ جانے کتنے جواں تھے جنہیں کفن نہ ملا
اب اور کیا کرے برباد شوق بربادی
کہ اپنے آپ میں کوئی ہمیں کفن نہ ملا
قدم قدم پہ تو انساں ملے زمانے میں
ہر اک میں حضرت انسان کا چلن نہ ملا
ہمارے دور میں ایسے بھی حادثے گزرے
کسی کا سر نہ ملا اور کسی کا تن نہ ملا
بہت تلاش کیا ہم نے روز و شب نیز
ہمارے دل کی طرح اور کوئی بن نہ ملا

(نیز رضاوی)

غزل

درد کا بیج اٹھا دل میں اب ساڑ ہے
ڈھونڈتی ہوں کہاں میرا ہم راز ہے
کیوں چھپاؤں شبِ غم میں اپنی بھلا
چشمِ غم رت جگے کی جو غماز ہے
دبھی دبھی صدا آ رہی ہے مجھے
چار سو اب میرے تیری آواز ہے
تیری ہر بات کا ہم یقین کرتے ہیں
تیری گفتار شیریں کا یہ راز ہے
بات ہی بات میں دکھ عیاں کر دیا
یہ بھی عصمتِ محبت کا انداز ہے

(عصمت اقبال عصمت)

پاکستان و چین

یہ قدرت کی شیرازہ بندی جبر ہے
تتا ہے پاکستان تو ممکن ثمر ہے
فطرت میں شامل ہے یہ رشتہ اخوت
ہر ایک کے لبو میں یہ مضمحل ہے
یہ جسد واحد ہیں دو نظر میں تو فریب نظر ہے
دو شاخوں میں تقسیم اک ثمر ہے
جیسے پھول و مہک کا ہے رشتہ فطرتاً
یہ بھی ویسے ہی بندھن کی نظر ہے
اگر اک ہے شگ سالی کا شمار
تو دوسرا رحمت کا ابر ہے
ہوا جو اک تاریکی سے دوچار اگر
خاطر مدد دوسرا بصورت قر ہے
جاسدوں کو تو عدیل جل جل کر مرنا ہے
یونہی آباد ہے گا جیسے آباد اب محبت کا شہر ہے
(عدیل الرحمن عدیل)

غزل

خوشی کے گیت سناؤ عید آئی ہے
ہنسی لبو پہ سجاؤ عید آئی ہے
پرندے بولتے ہیں دل کی بات کرتے ہیں
تم اپنا حال سناؤ عید آئی ہے
فضا میں رنگ ہیں اور رنگ و نشیں ٹھہرے
نظر سے دل میں بساؤ عید آئی ہے
کھلے ہیں پھول چمن میں مہک رہی ہے فضا
دلوں کے رنج مناؤ عید آئی ہے
چوکہ دل کی اداسی کو ختم کرتے ہیں
کنول کو ڈھونڈ کے لادّ عید آئی ہے
(یا سمین کنول - پرور)

غزل!

مدت سے میرا دل ہے کسا باد نہیں ہے
ہونٹوں پہ مگر آج بھی فریاد نہیں ہے

Scanned By Amir

آتا ہے خیالوں میں میرے ایک ہی چہرہ
بس اس کے سوا کچھ بھی مجھے یاد نہیں ہے
پھرتے ہیں یہاں سب ہی سہے ہوئے سے
اس شہر میں جیسے کوئی آواز نہیں ہے
دیکھا ہے اجڑتے ہوئے کتنے ہی گھروں کو
ہے کون جو اس عشق میں برباد نہیں ہے
دل جس کی جدائی میں دھڑکتا ہے سرشام
وہ عام سا چہرہ ہے پری زاد نہیں ہے
اک لہری اشقی ہے امتیاز آج بھی دل میں
اس لہر کے اٹھنے کا سبب یاد نہیں ہے
(ابس امتیاز احمد)

غزل

کسی کی عنایتوں نے یہ دن دکھائے ہیں
میرے اپنے بھی یوں پھر سے پرانے ہیں
کھل کے برستا نہیں آج یوں ابر بھی
ہم زمانے کے ہاتھوں سے ستائے ہیں
فریب دنیا ان کا ہے معیار زندگی
حسن والوں نے ہم پہ ستم کی ڈھائے ہیں
چھٹڑ جائیں تو سڑ کے دیکھتا نہیں کوئی بھی
یاروں کی باتوں سے کیا کیا گل کھلائے ہیں
دامن پہ لگے داغ دیکھتا کوئی نہیں جاوید
شرارے بھی پھول بن کے پھر جگمگائے ہیں
(محمد اسلم جاوید)

غزل

ابھی ابھی یہیں تھا جو وہ بے اماں کہاں گیا
جو چپ تھا بولتے ہوئے وہ رازواں کہاں گیا
حلاش میں کسی کی تھا وہ شکل بے بسی کی تھا
وہ خویرو بجا بجا وہ نوجواں کہاں گیا
دیار دل میں درپردہ جو دے رہا تھا دیکھیں
کوئی صدا نہ کچھ سخن وہ بے زباں کہاں گیا
سوال آئینے سے یہ کیا ہے خود کو دیکھ کر

صہبا میں ڈوکر آوارہ کوئے محبت سادل
کون تلاش کو کب ہو پلوں کے قلم میں یہاں
(سائل)

غزل

اس طرف رات کا اُجالا ہے
یعنی سورج نکلنے والا ہے
ابن آدم تمہارے کیا کہنے
تم نے بھائی کو مار ڈالا ہے
ذوب کر عشق کے سمندر میں
میں نے ہر موج کو اچھالا ہے
کیا سناؤں گا آج محفل میں
ہر غزل میں تیرا حوالہ ہے
اپنی آنکھوں میں خواب ہیں نصرت
صرف خوابوں کے در پر تالا ہے
(نصرت عارفین)

غزل

بھور ہر انجمن ہیں ہم لوگ
اسپتے میں جلا وطن ہیں ہم لوگ
جو سبزہ و برگ سے ہو محروم
وہ شبنم بے کیف ہیں ہم لوگ
اسے اپنی ہی خلوتوں میں محبوس
شاید تیری انجمن ہیں ہم لوگ
خود اسپتے وجود میں مستقید
پابستہ بے رن ہیں ہم لوگ
ہر ذرے میں سامعہ ہے بیدار
کس شخص سے ہم سخن ہیں ہم لوگ
اے عالم رنگ رنگ مخلیق.....!
آرزو جان و تن ہیں ہم لوگ
ہر عہد کی شہرت سے محروم
ہر شہر میں بے وطن ہیں ہم لوگ
(ریکس امرہوی)

جو مجھ ساتھ میں تھا پھپھوہ خوش گماں کہاں گیا
یہ وہم تھا گماں تھا وہ شہر بھر کی جان تھا
چلا تھا اس کے ساتھ جو وہ کارواں کہاں گیا
عزیز تھیں جسے کبھی تیری گلی کی ٹھوکریں
تھے بھی یہ خبر نہیں وہ قدر داں کہاں گیا
غموں کی بھینٹ چڑھ گیا جو ساجد وفا طلب
کوئی نشان بھی نہیں وہ خوچکاں کہاں گیا
(سعید ساجد)

غزل

خزاؤں سے کوئی شکوہ نہ شکوہ سے بہاروں سے
طا ہے آج مجھ کو دکھ میرے ہی نمکساروں سے
زمانے کے بدلتے ہی نکلیں پھیر لیں سب نے
کوئی ایسا تو ہو جو حال پوچھے بے سہاروں سے
کنارے ہی سبب بنتے ہیں اکثر ذوب جانے کا
کوئی رکھے بھی امید وفا کیسے کناروں سے
میرے نزدیک جب ہوتا نہیں کوئی تیرا سا پہ
تو پھر میں بات کر لیتا ہوں دل کی چاند تاروں سے
مجھے وحشی دھوں کے سائے جب بھی گھیر لیتے ہیں
بلاتا ہے مجھے رانا وہ آنکھوں کے اشاروں سے
(قدیر رانا)

غزل

پھر گلہ درد کو کون جانے یہاں
سنگ خارہ کے مانند ہیں لوگ یہاں
میں تو ننھا سا مرد فرمایا ہوں
دنیا نئی بھرتی ہے زابدانہ یہاں
مجھ میں نہیں اتنی جوانمردی اب
کہ بیٹھ کے عم افلاں منائیں یہاں
بشر کے رخسار پر تو مسکراہٹ رقص کرتی ہے
ہمیں نہیں اب ذوق شکر مند یہاں
جس کو دیکھو زیرِ حجاب نظر آتا ہے
سرک جائے جو پتہ مہا جن دیکھتے ہیں یہاں

غزل

ایک پتھر ادھر آیا ہے تو اس سوچ میں ہوں
میری اس شہر میں کس کس سے شناسائی ہے
شوق جس دن سے چراغاں ہے خیالوں کی گلی
جشن سا ہے تہائی سی تہائی ہے
(رضی انتر شوق)

غزل

میں کیسے مان لوں ہوگا وہ ناخدا میرا
جو مجھ سے پوچھنے آیا ہے خود پتا میرا
میں اپنے آپ کو بچانے سے قاصر ہوں
یہ کس کے جسم پہ چہرہ لگا دیا میرا
وہ خود پرست تھا اپنی انا کا تاجر تھا
بغیر بھاد لہو بیچتا رہا میرا
طلوع شام کا آجکل نہیں یہ طوقاں ہے
ابھی جلا تھا کہ بجھنے لگا دیا میرا
وہ اپنی ریت کا اک ہل نہ دے سکا مجھ کو
جو کہہ گیا تھا رہے گا بس اب سدا میرا
نہ میرے ہاتھ سے چھوٹا مری صدا کا ہاتھ
یہ میرا عزم جنوں تھا کہ حوصلہ میرا
ہیں دائیں بائیں دیکھ دیکھ میرے دیواریں
اک اور سمت میں درکھول اے خدا میرا
عیاں یہ وقت کی پیلاہٹوں سے راز کھلا
تمام عمر کا تھا سفر ہوا میرا
(رشیدہ عیاں)

غزل

حرم دل میں اترتی ہیں آستیں اس کی
لہو بھی کرنے لگا ہے تلاوتیں اس کی
قریب تھا تو رگ جاں بھی قریب رہا
چھڑ کے 'تاہ لک' ہیں مسافتیں اس کی
ہوئی ہے شاخ دل و جاں پہ خواہشوں کی غمو
لہو کے پھول کھلائیں گے قریبیں اس کی
اسی امید پہ خوابوں کی فصل بوئی ہے

نہ آپ سے حسین ہیں نہ آپ سے جوان ہیں
مگر وہ بیاری لڑکیاں زیادہ مہربان ہیں
کبھی لباس اور ہوا کبھی زمیں اور گھٹا
ترے دیار کی زمیں محبتوں کی جان ہیں
سفر کی بات کیا کہوں کہ میری دھوپ چھاؤں سے
گزرنے والی بستیاں ہواؤں کے سان ہیں
منذریوں سے صحن تک دینے جلا کے سوکھیں
کبوتروں کی جھڑیاں عجیب مہمان ہیں
تری بہار کا شجر ہرا بھرا رہے مگر
وہ ڈالیا بھی کھول دے جو میرا سا بیان ہیں
(رئیس فروغ)

غزل

جاوہ ہستی کے جب بھی بیچ و دم یاد آئے ہیں
بندہ پرور آپ کے لطف و کرم یاد آئے ہیں
ہو رہا ہے خیر سے وار و رن کا اہتمام
بعد اک مدت کے شاید ان کو ہم یاد آئے ہیں
تجربوں کا عکس ہے آئینہ احساس میں
شادمانی کی تمنا کی تو ہم یاد آئے ہیں
بارہا مجبور یوں کی زد میں آیا عشق بھی
ایک دور ایسا بھی گزرا ہے وہ کم یاد آئے ہیں
جب کوئی چنگیز اٹھا ہے بن کے طوفان ستم
تھکان جوڑ کو اہل ظلم یاد آئے ہیں
(راغب مراد آبادی)

غزل

سنگ ہیں تاوک و دشنام رسوائی ہے
یہ تیرے شہر کا انداز پذیرائی ہے
کتنا پہلے گا یہ اک وصل کا لمحہ آخر
کیا سمیٹو گے کہ اک عمر کی تہائی ہے
کچھ تو یادوں سے ملا سنگ ملامت ہی سمی
کس نے اس شہر میں یوں واو ہنر پائی ہے

مشافح ہو گیا ہے

سیارہ ڈائجسٹ

کی ایک اور عظیم ایمان افروز پیش کش

شکوہ بین کی 63 سالہ زندگی کے دوران وقوع پذیر ہونے والے سینکڑوں معجزات پر مشتمل

معجزات علیؑ

ان معجزات کے ذریعے قیمت: 175 روپے

لا تعداد انسانوں کے لیے راہ ہدایت روشن ہوتی ہے اور
دنیا تے انسانیت پر چھائی ہوئی کفر و جہالت کی تاریکیاں سمیٹتی چلی گئیں۔

ایک ایسا لفظ عینیت نسبت ادب احترام اور علم و عرفان کی خوشبو کے جاندار کے معطر

500 صفحات پر مشتمل نفیس کاغذ عمدہ کمپیوٹر پوزنگ اور دیدار زیب مفرق

Scanned By Arif

داعظ نے ساقی سے کرلی دوستی
یہ تو بڑی دلچسپ کہانی ہوگئی
آنکھوں سے پی رت مستانی ہوگئی
جام سے پینا رزم پرانی ہوگئی
(راعی کانپوری)

غزل

وہ آگ جس کا شرارہ نفس کی حد میں ہے
اب ایک لاش ہے جو جسم کی لحد میں ہے
جنوں ہے ذہن کی شفاف روشنی کا نام
ہزار طرح کی چھیدگی خرد میں ہے
بغیر دیکھے کھنچا جا رہا ہوں ان کی طرف
عجیب چیز ہواؤں کے خال و خد میں ہے
خوشیوں کی صداؤں کا شب پ ہے یہ
کہ یہ عدد بھی تو اپنے عدد کی زد میں ہے
کوئی بھی دل کے تقاضے دبا نہیں سکتا
یہ عیب وہ ہے جو ہر ایک نیک و بد میں ہے
(رضانہدانی)

کہ کشت دل میں آگیں کی بشارتیں اس کی
خیال رنگ ہوا چاندی شفق خوشبو
ہزار رنگ میں دیکھوں میں صورتیں اس کی مو
پذیرے ہوں مجھ کو نہ چھوڑا اے دھرتی
مری جڑوں کو ابھی ہیں ضرورتیں اس کی
لہو تو جم گیا آنکھوں کی چٹوں میں کھلیب
دکھائیں عکس بھلا کیا بشارتیں اس کی
(راعب کللیل)

غزل

آنکھوں سے پی رت مستانی ہوگئی
جام سے پینا رزم پرانی ہوگئی
کچھ انکے بھی اکڑ پن کا ہے پتہ
تھوڑی ہم سے بھی نادانی ہوگئی
وقت سحر یہ کون جن میں آ گیا
شرم سے شبنم پانی پانی ہوگئی
دل کا آگن خوشبو سے بہکا دیا
یاد کسی کی رات کی رانی ہوگئی

خاص اعلان

محترم قارئین! ہر م شاعری میں آپ کی دلچسپی کے پیش نظر ادارہ نے ایک خصوصی سلسلہ شروع کیا ہے جس کے تحت ہر ماہ ایک خوش نصیب شاعر/شاعرہ کا تعارف بمعہ تصویر شائع کیا جائیگا۔ جو احباب اس سلسلہ میں شریک ہونا چاہتے ہیں وہ اپنی تازہ غزل/نظم پسند یہ شاعر کی غزل/نظم اور دیگر تفصیلات کے ساتھ درج ذیل کو پین پتہ کر کے سیارہ ڈائجسٹ: 244 میں مارکیٹ ریویاز گارڈن لاہور پر ارسال کریں۔

کو پین برائے اس ماہ کا شاعر

یہاں اپنی

تصویر

منسلک کریں

نام:

تعلیمی قابلیت:

عمر:

پسندیدہ شاعر:

پسندیدہ غزل/نظم:

مشاغل:

تاریخ پیدائش/ہجرت:

شادی شدہ/غیر شادی شدہ:

پتہ:

ای میل:

نوٹ: اپنی پسندیدہ شاعری کی اپنے مزاج اور دیگر تفصیلات الگ صفحے پر درج کر کے بھیجئے۔



دو مردوں کی کہانی... وہ دونوں مختلف طریقوں سے زندگی گزارنے پر یقین رکھتے تھے اور ان کی ثابت کرنا چاہتے تھے!

• محمد نسیم اختر

جارج نے بڑی مشکلوں اور پانچ سو پاؤنڈ خرچ کرنے کے کرڈنٹا کو رضامند کر لیا اور معاملہ رفع دفع ہو گیا لیکن کچھ ہی دنوں بعد جب جارج کو یہ خبر ملی کہ جوں ہی کرڈنٹا نے وہ چیک بھنایا اسی دن وہ نام کے ساتھ موٹے کار لو چلا گیا اور وہاں دونوں نے خوب میٹس کئے۔ تو جارج غصے سے پاگل ہو گیا۔

میں معذرت کے ساتھ یہ حکایت ان بڑوں کے لئے بھی دہرا دینا چاہتا ہوں جنہیں یہ حکایت یاد ہوئی اور جس سے حاصل ہونے والے سبق کو بھی انہوں نے یاد رکھا ہوگا کہ ایک چوٹی گرمیوں کے زمانے میں سارا موسم کھانے کا سامان جمع کرتی رہتی تاکہ سردیوں میں کام آسکے۔ جبکہ ان ہی دنوں ایک ٹڈی ایک ہری بھری شاخ پر بیٹھی سورج کی تازت

بچوں میں ہی مجھے بہت سی حکایتیں زبانی یاد کرادی گئی تھیں اور ساتھ ہی ساتھ ان حکایتوں سے وابستہ نصیحتیں اور سبق بھی اچھی طرح سمجھا دیئے گئے تھے۔ ان حکایتوں میں ایک کہانی ایک چوٹی اور ٹڈی کی بھی تھی جس سے یہ سبق ملتا تھا کہ محنت بھی رایگان نہیں جاتی اور اس کا پھل ضرور ملتا ہے۔ جبکہ کاہلی کا انجام بہت بُرا ہوتا ہے۔

Scanned By Amir

اس کیلئے سب کچھ کر لیا۔ اب تو تمہیں معلوم ہو گیا ہوگا کہ وہ بالکل نکلا اور بے کار آدمی ہے۔

میرے خیال سے ہر خاندان میں اس طرح کا ایک نہ ایک نکلا ضرور پیدا ہوتا ہے۔ نام بھی پچھلے میں برس سے جارج کے حواس پر سوار تھا۔ اس نے اپنی زندگی کا آغاز بہت اچھے انداز میں کیا تھا۔ اس کا اپنا کاروبار تھا۔ شادی کے بعد دو بچے بھی ہو چکے تھے۔ اس کے خاندان کی بہت عزت کی جاتی تھی اور اس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہ تھی کہ نام بھی باعزت پیشہ اختیار کر کے کامیاب زندگی گزارے گا۔ لیکن ایک روز بغیر کسی اطلاع کے نام نے اعلان کر دیا کہ اس کا دل کام کرنے کو نہیں چاہتا اور شادی اس کے مزاج اور طبیعت کے خلاف ہے اور وہ زندگی کا بھرپور لطف اٹھانا چاہتا ہے۔

اس نے کسی کی بھی بات پر کان نہ دھرے اور اپنا کاروبار اور بیوی بچوں کو بھی چھوڑ دیا۔ اس کے پاس کچھ پیسہ تھا جس کے بل پر اس نے یورپ کے مختلف شہروں میں دو سال تک عیش کی زندگی بسر کی۔ اس کی کارستانیوں کی اطلاع اس کے رشتہ داروں تک بھی مختلف ذرائع سے پہنچتی رہی اور وہ بے چارے خاموشی سے برداشت کرتے رہے۔ یقیناً نام بہت اچھا وقت گزار رہا تھا لیکن اس کے عزیز سوچتے تھے کہ جب اس کی تمام دولت ختم ہو جائے گی تب وہ کیا کرے گا۔ بہت جلد انہیں معلوم ہو گیا کہ نام نے قرض لینا شروع کر دیا ہے۔ اس کی شخصیت میں ایسا سحر تھا کہ لوگ کبھی اسے قرض دینے سے انکار نہیں کرتے تھے۔ دوستوں سے اسے مستقل آمدنی ہو رہی تھی اور پھر وہ دوست بنانے میں تو ماہر تھا ہی۔ وہ ہمیشہ یہی کہتا تھا کہ اپنی ضروریات پر رقم خرچ کرنا بہت اکتا دینے والا کام ہے جبکہ اصل خرچ تو وہ ہوتا ہے جو

سے لطف اندوز ہوتی رہتی ہے۔ سردیاں آ جاتی ہیں اور چھوٹی آرام سے اپنے گھر میں چائے پیتی ہے لیکن ٹڈی خالی ہاتھ اور اوپر پھرتی رہتی ہے آخر کار وہ چھوٹی سے بھیک مانگتی ہے لیکن چھوٹی اسے یہ جواب دیتی ہے۔

”تم گرمیوں میں کیا کر رہی تھی؟“

”میں تمام دن اور رات گاتی رہتی تھی۔“

”تم گاتی رہی..... ٹھیک ہے تو جاؤ اور اب بھی جا کر گاؤ اور ناچو!!“

مشکل یہ ہے کہ میں کبھی اس کہانی سے اچھا تاثر نہیں لے سکا۔ میری ہمدردیاں ہمیشہ اس ٹڈی کے ساتھ رہیں۔ میں ہمیشہ چھوٹیوں کو اپنے پاؤں تلے روند دیا کرتا تھا اور عجیب بات ہے کہ میرے دل میں دور اندیشی کے لئے کچھ ناپسندیدگی ہی پیدا ہو گئی تھی۔

ایک روز جب میں نے جارج کو ریستوران میں تنہا بیٹھے کھانا کھانے دیکھا تو میں اس حمایت کو پاؤں کے بغیر نہ رہ سکا۔ میں نے آج تک کسی شخص کو اتنا رنجیدہ نہیں دیکھا تھا۔ وہ خلاؤں میں گھور رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ساری دنیا کا بوجھ اس کے کندھوں پر ہو۔ مجھے اس سے ہمدردی تھی اس لئے اچانک خیال آیا کہ شاید اس کے بد قسمت بھائی نے پھر اس کے لئے کوئی مشکل پیدا کر دی ہوگی۔ میں نے اس کے پاس جا کر مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھائے ہوئے پوچھا۔

”کیسے ہیں آپ؟“

”حال ٹھیک نہیں ہے۔“

”کیا پھر نام سے کوئی بات ہوئی ہے؟“

”ہاں اسی کی بات ہے“ اس نے ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا۔

”تم اس سے چھکارہ حاصل کر لو ناں تم نے

تھا اس کا نام کروٹا تھا۔ وہ نام سے بدلہ لینے پر بھند تھا۔ وہ سارا معاملہ عدالت میں لے جانے کا ارادہ رکھتا تھا کیونکہ اس کے نزدیک نام ایک کیبنڈ محض تھا اور اسے سزا ضرور ملنی چاہئے تھی۔ جارج نے بڑی مشکلوں اور پانچ سو پاؤنڈ خرچ کر کے کروٹا کو رضامند کر لیا اور معاملہ رفع دفع ہو گیا لیکن کچھ ہی دنوں بعد جب جارج کو یہ خبر ملی کہ جوں ہی کروٹا نے وہ چیک بھنایا اسی دن وہ نام کے ساتھ مونسے کار لو چلا گیا اور وہاں دونوں نے خوب عیش کئے۔ تو جارج خصے سے پاگل ہو گیا۔

بیس سال تک نام رہیں جو اب اور دوسری عیاشیوں میں گمن رہا۔ وہ شہر کی حسین لڑکیوں کے ساتھ اعلیٰ سے اعلیٰ ہوتلوں میں دیکھا جاتا اور اس کے لباس سے شاہانہ انداز جھلکتا۔ اس کی عمر چالیس سال سے اوپر تھی لیکن وہ اپنی خوش لباسی اور زندہ دلی کی وجہ سے کسی کھلڈرے نوجوان سے کم دکھائی نہیں دیتا تھا۔ لوگ بخوبی واقف تھے کہ اس کا ساتھ کسی فائدے کا سبب نہ ہوگا۔ لیکن پھر بھی وہ سوسائٹی میں نہایت مقبول تھا۔ خود میں بھی اسے پسند کرتا تھا۔ بارہا اس نے مجھ سے بھی قرض مانگا تھا اور میں نے بارہا پچاس ساٹھ پونڈ دے کر اس سے اپنی جان چھڑائی تھی۔ مجھے قرض دیتے ہوئے ہمیشہ یہ تلقین ہوتا کہ یہ پیسے اب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئے۔ نام ہر ایک سے واقف تھا اور ہر کوئی نام کو جانتا تھا۔ آپ ممکن ہے اس کی تعریف نہ کرتے لیکن اس کی شخصیت اسکا تھی کہ آپ اسے پسند کئے بغیر نہ رہتے۔

بے چارہ جارج عمر میں نام سے صرف ایک سال بڑا ہونے کے باوجود ساٹھ سے زیادہ کا معلوم ہوتا تھا۔ اس نے اپنی پیشہ ورانہ زندگی میں بہت کم چھٹیاں کی تھیں۔ وہ ہر صبح نو بجے دفتر میں

عیاشیوں پر کیا جائے۔ اس مقصد کے لئے وہ اپنے بھائی جارج پر انحصار کرتا تھا۔ وہ جارج کو اپنی پروقار شخصیت سے متاثر نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے کہ خود بخوبیہ طبیعت کا مالک تھا اور اس پر ایسی سلی چیزیں اثر نہ کرتی تھیں لیکن جارج نے ایک آدھ بار نام کے وعدوں پر بھروسہ کرتے ہوئے اسے بڑی بڑی رقمیں اس یقین کے ساتھ دی تھیں کہ وہ اپنی زندگی دوبارہ اور اچھے انداز میں شروع کرے گا لیکن ان رقموں سے نام نے ایک خوبصورت سی موٹر سائیکل اور کچھ قیمتی زیورات خرید لئے جارج کو جب حالات نے یہ یقین دلایا کہ نام میں مستقل مزاجی نہیں پیدا ہو سکتی تو اس نے اپنا ہاتھ روک لیا اور نام نے بلا تردد جارج کو چیک میل کرنا شروع کر دیا۔ ایک باعزت اور مشہور وکیل بھلا یہ کیونکر برداشت کر سکتا تھا کہ اس کا چھوٹا بھائی اس کے پسندیدہ ریستوران میں ہیرے کے فرائض انجام دے یا پھر اس کے کلب کے باہر وہ ٹیکسی لئے کھڑا رہے۔ نام کا کہنا تھا کہ کسی ریستوران میں کام کرنا یا ٹیکسی چلانا اس کے نزدیک باعزت پیسے کا درجہ رکھتے ہیں لیکن اگر جارج اسے چند سو پونڈ دے کر ان کاموں سے ڈور رکھنا چاہتا ہے تو وہ بخوشی اپنے خاندان کی نیک نامی کے لئے یہ کام چھوڑنے پر راضی ہے۔ چنانچہ جارج نے یہ پیسے ادا کر دیئے۔

ایک بار نام جیل میں جاتے جاتے پھا۔ جارج کو سخت ذہنی اذیت ہوئی۔ اس نے پودے سٹالے میں ذاتی طور پر دلچسپی لی۔ اس نے نام پر لاپرواہی خود غرضی اور بے حسی کا الزام عائد کیا۔ نام نے اس سے پہلے کبھی بے ایمانی یا دھوکے بازی نہیں کی تھی اور جارج کو یقین تھا کہ اگر مقدمہ قائم ہو گیا تو نام کو سزا ضرور ملے گی۔ جس شخص سے نام نے دھوکہ کیا

میں ٹری سے ٹری خبر سننے کو تیار تھا۔ شاید نام پولیس کے ہتھے چڑھ ہی گیا تھا۔ جارج کو بولنے میں دشواری پیش آرہی تھی۔

”تمہیں اس بات سے تو انکار نہیں ہوگا کہ میں یورپی زندگی محنتی اور ایسے گزار رہا ہوں۔ ایک باوقار اور باعزت زندگی گزری ہے.....؟ ایک طویل جدوجہد کے بعد اب میں ریٹائرمنٹ کے بارے میں اس اطمینان سے سوچ سکتا ہوں کہ میں نے کچھ پس انداز کر رکھا ہے۔ آف میں نے کتنی محنت کی ہے۔ میں نے تو دن رات ایک کر دیئے!!“

”بالکل ٹھیک ہے۔“

”تم اس سے بھی انکار نہیں کرو گے کہ نام کاٹل، نکما اور وبال جان بنا رہا اور شاید اب تک اسے انصاف سے جیل میں ہونا چاہئے تھا؟!!“

”یہ بھی ٹھیک ہے۔“ میں نے تائید کی۔

جارج کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ ”چند ہفتے پہلے اس نے ایک بڑھیا سے منگنی کر لی تھی۔ اس عورت سے جو اس کی ماں کے برابر تھی۔ اور اب وہ بڑھیا اپنی تمام جائیداد اور دولت نام کے نام چھوڑ کر مر گئی ہے۔ پچاس لاکھ پاؤنڈ نقد ایک کشتی لندن میں ایک کوٹھی اور ایک سڑکی“ بھگلا۔“

جارج نے یہ کہتے ہوئے اپنی بیٹی ہولی سٹی زور سے میز پر دوے ماری۔

”یہ انصاف تو نہیں ہے۔ یہ کہاں کا انصاف ہے یقین کرو یہ زیادتی ہے۔!“

مجھ سے نہ رہا گیا اور میں جارج کا چہرہ دیکھ کر زور زور سے تمغیہ لگانے لگا، جارج مجھ سے ناراض ہو گیا۔ البتہ نام اکثر مجھے عظیم الشان دعوتوں میں مدعو کرتا رہتا ہے بلکہ بعض اوقات مجھ سے چھوٹی موٹی رقم بھی ادھار مانگ بیٹھتا ہے۔

”ضرورتاً نہیں محض عادتاً۔“

موجود ہوتا اور چھ بجے سے پہلے نہ جاتا۔ وہ بہت ایماندار، محنتی اور پڑھا لکھا شخص تھا۔ وہ اپنی اکلوتی بیوی کا وفادار تھا۔ جارج نے کبھی اس سے بے وفائی کا تصور نہ کیا۔ اس کی چاروں بیٹیاں اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہی تھیں اور وہ جارج کو ایک مثالی باپ مانتی تھیں۔ جارج نے اپنی آمدنی کا ایک انتہائی حصہ بچانا شروع کر دیا تھا کیونکہ پچیس سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد وہ ریٹائر ہو جانا چاہتا تھا تاکہ کسی پرسکون جگہ پر مکان لے کر رہے اور زندگی کے بقیہ دن آرام سے کالف کھیتے اور باغبانی میں گزارے۔ اس کی زندگی بے داغ تھی وہ خوش تھا کہ بوڑھا ہو رہا تھا کیونکہ اس کے ساتھ نام بھی بوڑھا ہو رہا تھا..... وہ اپنے ہاتھ ملتے ہوئے کہتا۔

”ٹھیک ہے جب تک ہم چھوٹے رہے نام کے لئے بھی سب کچھ ٹھیک تھا۔ اب میں بوڑھا ہوں چار سال بعد نام بھی پچاس سال کا ہو جائے گا۔ پھر اس کے لئے زندگی اتنی آسان نہ ہوگی۔ اس وقت تک میرے پاس میرے بچائے ہوئے تیس ہزار پاؤنڈ ہوں گے۔ پچھلے پچیس سال سے میں یہ کہتا رہا ہوں کہ نام کی زندگی کا انجام بے اُخراب ہوگا۔ اب ہم دیکھیں گے کہ وہ کیا کرتا ہے۔ اب معلوم ہو جائے گا کہ منت کام آتی ہے یا صرف ہاتھ پر ہات دھرے رہتا۔“

پے چارہ جارج!

مجھے اس سے امدادی تھی اور مجھے معلوم نہیں تھا کہ اس وقت جب میں جارج کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ نام نے اس کے لئے کون سی نئی مصیبت کمزری کر دی ہے جس پر اس کا موڈ اتنا خراب ہے۔

”کیا تمہیں معلوم ہے کہ اب کیا ہوگا؟“

● محمد سجاد میرانی

وفا کے بعد وہ کہنے لگے مرحوم کے ساتھ میرنی بہت اچھی دوستی تھی۔ میں جب بھی گاؤں آتا وہ میرے گھر آتے رات دیر تک میرے ساتھ رہتے اور کبھی کبھار تو رات میرے ساتھ گزارتے۔ ابھی مخدوم صاحب نے بات پوری نہیں کی تھی کہ ایک دیہاتی بدتمیزنی کے ساتھ اٹھا اور کہنے لگا مخدوم صاحب بکواس بند کریں مرنے والی میرنی پیہلی گی۔

طنز مزاح سے بھرپور دلچسپ کرداروں میں منہ منگفتہ تحریر



تھی مھلتا قد 'چھٹی ٹاک' ہنستے تو ایک آنکھ بند کر لیتے۔ دودو گجر بچپن سے مھلتی تھے ان کے والد بھی مشہور چور اور رسہ گیر تھے۔ دودو صاحب صرف 12 سال کے تھے کہ ان کے والد صاحب کو ایک جھوٹے مقدمے میں بقول دودو صاحب کے گرفتار کر لیا گیا۔ حالانکہ وہ رگتے ہاتھوں پڑے گئے تھے۔ بہر حال ان کا مساعد حالات میں بھی دودو صاحب

آج ہم جن عظیم شخصیات کے بارے میں لکھ رہے ہیں ان میں پہلی شخصیت ہندوستانی فلموں کے معروف فلم ساز ہدایت کار کہانی کار موسیقار..... ایک اور کار ملا کے بے کار بھی کہہ سکتے۔ جناب عبدالودود عرف دودو گجر ہیں۔ جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں کہ وہ بیک وقت فلم ساز کہانی کار ہدایت کار موسیقار اور اداکار بھی تھے۔ شخصیت بھی بڑی دلکش

Scanned By Amir

اس کے زخموں کا مداوا کرتے اور تیسری بات کہ ان کی فلم میں کہانی نہیں ہوتی یہ بھی غلط ہے۔ ایک مرتبہ میں شام کے وقت ان سے ملنے گیا کچھ ہوش میں تھے کہنے لگے ایک فلم کا نام اور کہانی ذہن میں ہے، سنو۔ میں نے عرض کیا میں ہر تن گوش ہوں۔ کہنے لگے فلم کا نام ہے جوڑی کجراں دی اور کہانی اس طرح ہے کہ ایک کبوتر ہوتا ہے اور دوسرا بھی کبوتر ہوتا ہے۔ دونوں کی لڑائی ہوتی ہے۔ میں نے کہا کس بات پر؟ کہنے لگے بس اس کو چھوڑو لانے کے لئے وجہ ضروری نہیں بس دونوں لڑتے ہیں اور جیسا کہ ہر فلم میں ہوتا ہے ایک مر جائے گا۔ ایک بچ جائے گا جو مر جائے گا وہ دن ہوگا اور جو بچ گیا وہ ہیرو۔

دو دو صاحب کی فلم کی ایک خاص بات یہ ہوتی تھی کہ فلم دیکھنے والے آخر تک نہیں سمجھ سکتے تھے کہ فلم کا ہیرو کون ہے اور دن کون کیونکہ سب کے سامنے ایک جیسے ہوتے تھے۔ فلم کے ہالے ہالے مکالمے میں بڑے تعویذ مختلف رنگوں کی قمیض اور ہاتھوں میں گنڈا سے۔ فلم انڈسٹری میں اتنی خدمات کے باوجود دو دو صاحب کی فلموں کو سینما نہیں ملتے تھے جس کی وجہ سے ان کی اکثر فلمیں سی ڈی پر ہی ریلیز ہوتی تھیں مگر بددقت لوگوں کو ان کے مقام کا کیا پتہ۔ لوگوں نے ان کی فلمیں سینما پر دیکھنا چھوڑیں اس کے بعد سی ڈی پر ریلیز ان کی فلموں کو روک دیا جس سے دو دو صاحب بہت رنجیدہ ہوئے اور فلمی دنیا کو خیر باد کہنے کا فیصلہ کر لیا اور اس طرح فلم انڈسٹری کا عظیم مہینہ فلمی دنیا سے خفا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ فلم انڈسٹری پر رحم کرے۔

ہمارے مخدوم دین محمد صاحب ان سیاستدانوں میں سے تھے جنہوں نے دن دو گنی اور رات چو گنی ترقی کی۔ ضلع کونسل کے ایشین سے

نے ہمت نہ ہاری۔ ایک استاد کی صحبت میں رہ کر لوگوں کی حسرتیں کاٹنے لگے لیکن یہاں بھی ظالم پولیس نے ایک دن پکڑ لیا اور اچھی خاصی درگت بنا دی۔ آپ خود سوچیں ایک بارہ سال کا مصوم جیب کترو اور ظالم پولیس۔ بہر حال دو دو صاحب نے بڑی مشکل سے جان چھڑائی اور ایک بس اڑے پر جھاڑو مارنے لگے۔ بس اڑے پر جھاڑو مارتے مارتے وہیں پر ہی مختلف بسوں کے لئے ہا کری کرنے لگے اور پھر ترقی کرتے گئے۔ پہلے ایک چھوٹا سا چائے کا ہوٹل کھولا پھر آبادی میں دودھ کی دکان کھولی اور پھر کچھ سال بعد ایک اچھے علاقے میں دودھ کی دکان کے ساتھ فلم انڈسٹری کا حصہ بن گئے۔ حالانکہ کچھ لوگ کہتے ہیں ان کی وجہ سے فلم انڈسٹری کو نقصان ہوا وہ جاہل اور مافیا ٹائپ آدمی ہیں اور ان کی فلم میں کہانی نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی لیکن یہ بات ان کے دشمنوں نے اڑائی ہوگی پہلی بات تو یہ کہ وہ بچنے ان پڑھ اور جاہل نہیں تھے تین چار جماعتیں پڑھے ہوئے تھے۔ دوسری بات کہ وہ مافیا ٹائپ آدمی تھے یہ بھی غلط اگر وہ تین چار سر پھرے ساتھ رکھتے تھے اور اسلحہ بھی تو وہ صرف اپنی حفاظت کے لئے ورنہ بہت رحم دل آدمی تھے۔ ان کی رحم دلی کا ایک واقعہ تو بہت مشہور تھا کہ ایک مرتبہ اپنی جیب میں اپنے کارندوں کے ساتھ جا رہے تھے کہ ان کی گاڑی ایک گھوڑے تانگے سے ٹکرا گئی۔ جس میں گھوڑا اور کوجوان دونوں زخمی ہو گئے۔ دو دو صاحب فوراً جیب سے اترے اور گھوڑے کو گولی مار دی کہ میں کسی زخمی کو ترہتا ہوا نہیں دیکھ سکتا اس کے بعد انہوں نے کوجوان سے پوچھا کہ تم زخمی تو نہیں مگر کوجوان سر پھینے اور ٹانگ زخمی ہونے کے باوجود لنگڑا کر بھاگ گیا اور کہاجی میں زخمی نہیں ہوں ورنہ شاید دو دو صاحب ان کی کچھ دقت کرتے اور

انسان کو کچھ یاد نہیں رہتا۔ البتہ ایکشن سے پہلے وہ اپنے علاقے کے عوام کے ساتھ ہوتے اور اپنے علاقے کے لوگوں کا خیال بھی رکھتے۔ میں نے اپنی گناہ گار آنکھوں سے دیکھا کہ وہ ایکشن کے دنوں میں دو دو تین تین دیکھیں چاول کی بخاخے اور ہاورچی کو حکم دیتے ان میں تھوڑے سے چنے بھی ملا دو۔ کبھی کبھی تو کسی فریب دیہاتی کے ساتھ بیٹھ جاتے ایک لوال ہاتھ میں لیتے فونوگرافر کو اشارہ کرتے وہ تصویر بناتا پھر مخدوم صاحب وہ کھانے کے بجائے واپس رکھ دیتے اور کہتے یہ غریبوں کا حق ہے جسے میں نہیں کھا سکتا اور پھر دوسرے دن اخبارات میں خبر تصویر کے ساتھ چھپتی کہ مخدوم صاحب غریبوں کے ساتھ کھانا کھاتے ہوئے۔ لوگوں کے ڈکھ مکھ میں بھی شریک ہوتے ایک سرجہ ایکشن مہم کے دوران ان کو پتہ چلا کہ برابر کے گاؤں میں کسی کا انتقال ہو گیا ہے۔ انہوں نے سوچا چلو تعزیت بھی کر لیتے ہیں اور اسی بھانے دوٹ بھی مانگ لیں گے۔ وہاں پہنچے، دعا کے بعد کہنے لگے مرحوم کے ساتھ میری بہت اچھی دوستی تھی۔ میں جب بھی گاؤں آتا وہ میرے گھر آتے رات دیر تک میرے ساتھ رہتے اور کبھی کبھار تو رات میرے ساتھ گزارتے۔ ابھی مخدوم صاحب نے اپنی بات پوری نہیں کی تھی کہ ایک دیہاتی بدتمیزی کے ساتھ اشخا اور کہنے لگا مخدوم صاحب کو اس بند کریں میرے والی پھری ہوئی تھی۔ اس طرح نہ وہ تعزیت صحیح طریقے سے کرتے اور نہ دوٹ مانگ سکتے تھے۔ کردار کے بھی عادی تھے جس لڑکی نے یونیورسٹی تک تعلیم حاصل کی تھی اس کے والد مخدوم صاحب کو چاچا کہتے تھے ایک ایکشن مہم کے دوران لڑکی کے والد نے کہا چاچا جی میری بیٹی نے گر بچہ ایکشن مکمل کرنی

لے کر ایم این اے بننے تک بہت سے نصیب و فراز دیکھے مثلاً جب وہ ضلع کونسلر کا ایکشن لڑے تھے تب ان کا گھر صرف گاؤں میں تھا وہ بھی صرف دو تین کمرے کے اور باقی دو تین کمرے جس میں بھینسوں کا ایک چھوٹا سا ہاڑا ملا کے کپے تھے پھر جب وہ صوبائی سینٹ چیتے تو لاہور میں ایک بڑی کوٹھی کے مالک بن گئے پھر جب وفاتی سینٹ انہوں نے جیتی تو اسلام آباد میں اس سے بھی بڑی کوٹھی کے مالک بن گئے۔ اس سب کے باوجود انکسار کا مجسمہ تھے۔ اپنے علاقے کے غریب لوگوں سے بڑی محبت رکھتے تھے۔ فرماتے تھے ان لوگوں کی وجہ سے تو میں یہاں تک پہنچا ہوں۔ البتہ علاقے میں ترقیاتی کام نہ کروا تے۔ جس کی وجہ وہ یہ بتاتے کہ اگر علاقے میں پکی سڑکیں اور سکول بن گئے تو لوگوں میں تکبر آ جائے گا وہ سینہ تان کے چلیں گے اور تکبر اللہ کو ناپسند ہے اس لئے یہ لوگ جتنے غریب ہوتے اتنا ان میں انکساری پیدا ہوگی جو اللہ کو پسند ہے۔

اس کے باوجود کچھ جاہل دیہاتیوں نے اپنے بچوں کو دوسرے گاؤں میں پڑھایا اور کانٹا یونیورسٹی تک لے گئے۔ ان میں ایک لڑکی تھی اور دو لڑکے۔ چار سال بعد جب مخدوم صاحب علاقے میں آئے..... مخدوم صاحب ایکشن جیتنے کے بعد دوسرے ایکشن کے قریب ہی علاقے میں آئے تھے جس کا ان کے مخالفین نے جواز بنایا کہ وہ عوام اور اپنے علاقے کے لوگوں کو بھول جاتے ہیں حالانکہ وہ بھولتے نہیں تھے۔ اسمبلی میں جا کے اپنے اپنے علاقے کے لئے ترقیاتی فنڈ منظور کراتے یہ الگ بات ہے کہ لیسان کے مرض کے باعث علاقے میں ترقیاتی کام کرانا بھول جاتے تھے حالانکہ ان کی مجبوری تھی کیونکہ لیسان میں

ہے وہ آپ کو سلام بھی کرنا چاہتی ہے اور کسی سرکاری نوکری کے لئے عرض کرنا چاہتی ہے۔
 مخدوم صاحب نے اجازت دے دی کہ سلام کرنے کیلئے آجائے پہلے ہم دیکھ لیں۔ سب دو لڑکی سلام کرنے آئی تو مخدوم صاحب نے لڑکی کو دیکھتے ہی نہایت چاند چہرے کو نوکری ہی لینا ضرورت ہے۔ اس کے آگے پیچھے لوگوں کی فوج ہوئی، ہم اس سے شادی کا اعلان کرتے ہیں۔ لڑکی کے غم سب والد سے نہا چاہتی خدا کا خوف کریں اپنی عمر دیکھیں اور بچی کی عمر دیکھیں۔ اپنے گئے خدا کے خوف سے شادی کرنا ہوں ورنہ ایسے افغانے جاؤں تو مجھے کون روکے گا۔ بہرحال دوسرے لوگوں نے بھی لڑکی کے والد کو سمجھایا کہ مخدوم صاحب کی بات ماننے میں ہی تمہاری اور تمہارے گھر والوں کی بہتری ہے سب جا کے خریب دیہاتی کے محل میں بات چیتیں اور اس طرح ایک گھنٹے کے اندر ہی مخدوم صاحب کی خوشی اور مرضی سے نکاح ہو گیا اور اس لڑکی کو بھینر شہر ڈال کے لے گئے۔ سنا ہے لڑکی رو رہی تھی۔ بھائی شادی میں تو سبھی لڑکیاں روتی ہیں ان میں مخدوم صاحب کا کیا قصور؟

آخر تک مخدوم صاحب کی صحت اور پانچہ دولوں ایچھے رہے۔ سب سانیہ خمد علاقے کا فنڈ کھاتے رہے بھی ڈاکر بھونہ لیا۔ مخدوم صاحب جب تک رہے اتحاد و اتفاق نا درن دیتے رہے لیکن ان سے بعد ان کے تینوں بیٹے اتفاق نہ رکھ سکے اب ایک بی بی میں ہے اور ان تک میں اور بھینر چھوٹا بیٹا، تحریک انصاف میں ہے۔ شاید ان اتفاق میں تو ان کا بھلا ہو۔

ادھر انگیز تشہیر

ایک ناچینسی عمارت کی بیڑیوں پر بیٹھا بھیک مانگ رہا تھا۔ اس نے اپنے قدموں کے پاس نوپ کے ساتھ ایک تختی رکھی ہوئی تھی جس پر لکھا تھا "میں ناچینا ہوں براہ کرم میری مدد کریں۔"
 کسی عکالتی تشہیر کار کا وہاں سے گزر ہوا تو وہ رگ گیا اور ناچینا کے نوپ کا جائزہ لینے لگا۔ اس میں صرف چند نکلے پڑے ہوئے تھے۔ تشہیر کار نے اس نوپ میں چند سئے اور ڈان دینے۔ اس نے ناچینا کی اجازت کے بغیر تختی اٹھائی اور اسے پلٹ کر اس پر ایک پیغام لکھ دیا۔ پھر اس نے وہ تختی دوبارہ ناچینا کے قدموں کے پاس رکھ دی اور وہاں سے چلا گیا۔

اس نے پھر وہ عکالتی تشہیر کار دوبارہ وہاں سے گزرا تو اس نے دیکھا کہ ناچینا کا نوپ سکوں اور فونوں سے بھرا ہوا ہے۔ ناچینا نے قدموں کی آہٹ سے اس تشہیر کار کو پچان لیا اور اس سے سوال کیا کہ "کیا وہ وہی شخص ہے جس نے اسکی تختی پر کوئی دوسرا پیغام لکھ دیا تھا؟"

ساتھ ہی اس نے جانا چاہا کہ اس نے کیا پیغام تحریر کیا تھا۔ تشہیر کار نے جواب دیا "میں نے اسکی کوئی بات نہیں لکھی تھی جو سچ نہ ہو۔ بس میں نے تمہاری لکھی ہوئی بات ذرا مختلف انداز میں تحریر کر دی تھی" پھر وہ مسکراتا ہوا اپنی راہ ہولیا۔

ناچینا کو پتہ نہ چل سکا کہ تختی پر وہ نئی تحریر کیا ہے۔ تشہیر کار نے یہ جملہ تحریر کیا تھا "آج موسم بہار ہے رنگ برنگے پھول کھلے ہوئے ہیں اور میں انہیں دیکھ نہیں سکتا۔"

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ پیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شرک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

✦ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

✦ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1



”اگلا ہدف ورلڈ چیمپئن بننا ہے“

حمزہ اکبر

● مکتوب بھیجی

پاکستان کے قابل ٹیسٹ کرکٹر حمزہ اکبر نے 17 سال بعد پاکستانی کرکٹ میں واپس لوٹنے کا اعلان کیا ہے جو محنت پر ہے۔

دو تین سال سے قومی اور بین الاقوامی سطح کے ٹیسٹ میچوں میں پاکستان کا نام روشن کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو عزت دیتا ہے جو محنت کرتے ہیں۔ حمزہ اکبر کا بھی شمار ایسے ٹیلنٹڈ کھلاڑیوں میں ہوتا ہے جو محنت پر یقین رکھتے ہیں۔ سنوکر کے کھیل میں جہاں پاکستانی کھلاڑیوں کی محنت شامل ہے وہیں کرکٹ میں بھی محنت

سنوکر کا شہر نیو سیورس میں ہوتا ہے۔ پاکستان نے اس میں دو بار اوریشین ٹائٹل جیت رکھے ہیں۔ پہلے محمد یوسف کے بعد محمد سعید نے ورلڈ اوریشین مقابلوں میں ٹیٹل جیتا ہے۔ اب حمزہ اکبر نے آسٹریلیا میں ٹیٹل جیتا ہے۔ حمزہ اکبر نے 17 سال عمر سے کرکٹ شروع کی ہے۔ حمزہ اکبر نے ٹیسٹ کرکٹ میں بھی حصہ لیا ہے۔

Scanned By Amir

مقابلہ ہوا۔ 22 سالہ حمزہ نے سخت مقابلے کے بعد جوہ کے مقابلے میں سات فریزز سے کامیابی حاصل کر کے ایشین سنوکر کاتاج اپنے سر پر سجایا۔
 حمزہ کی کامیابی کا سکور 66-28 ' 32-56 ' 64-38 ' 55-34 ' 17-68 ' 56-44 ' 56-63 ' 34-62 ' 32-67 ' 66-39 ' 56-63 ' 10-85 اور 56-54 سے تھا۔ اس سے قبل حمزہ اکبر نے فائنل مقابلہ میں میزبان ملائیشیا کے محمد رضا کو شکست دے کر فائنل تک رسائی حاصل کی تھی۔ اس سے قبل 1998ء میں پاکستان کے محمد یوسف نے ایشین سنوکر چیمپئن شپ جیتنے کا اعزاز حاصل کیا تھا۔ حمزہ اکبر کا کہنا ہے کہ اگر ان کی حوصلہ افزائی کی جائے تو ان کا اگلا ہدف ورلڈ چیمپئن بننا ہے۔ نوجوان کھلاڑی گزشتہ چند سالوں سے جیسی کارکردگی دکھا رہا ہے اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ عالمی ٹائٹل جیت سکتا ہے۔ پاکستان بلیئر ڈائمنڈ سنوکر ایسوسی ایشن کے صدر عالمگیر شیخ کا کہنا تھا کہ ہم نے اپنی مدد آپ کے تحت اس کھیل کو پاکستان میں ترقی دینا شروع کی تھی اب اس مقام پر پہنچ چکے ہیں کہ ہمارے کھلاڑی ایشیا اور ورلڈ میں پاکستان کا نام روشن کر سکتے ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ حکومتی سپورٹ کے بغیر کوئی کھیل ترقی نہیں کر سکتا سیاست سے باہر نکل کر اگر کھیلوں کی پروموشن کیلئے کام کیا جائے تو اس بات میں کوئی شک نہیں کہ پاکستانی کھلاڑیوں میں بہت زیادہ ٹیلنٹ موجود ہے۔ قومی کھلاڑیوں کو ایشین چیمپئن بننے پر سات ہزار امریکی ڈالر انعامی رقم اور ٹرافی دی گئی ہے جب کہ پاکستان بلیئر ڈائمنڈ سنوکر ایسوسی ایشن کے نائب صدر جاوید کریم نے حمزہ اکبر کی

بلیئر ڈائمنڈ سنوکر ایسوسی ایشن کے مہذبداران کو بھی اس بات کا کریڈٹ جاتا ہے جن کی وجہ سے بین الاقوامی سطح پر ہمارے کھلاڑیوں کو نمائندگی کا موقع مل رہا ہے۔

سنوکر کھیل پاکستان کے ہر گلی محلے میں کھیلا جاتا ہے ٹیلنٹ کی کمی نہیں ہے تاہم ضرورت اس امر کی ہے کہ پاکستانی نوجوان کھلاڑیوں کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ حکومت پاکستان کی جانب سے کافی عرصہ سے اس کھیل میں نمایاں پوزیشن حاصل کرنے والے کھلاڑیوں کی حوصلہ افزائی نہیں کی جاتی رہی ہے۔ امید ہے کہ اب یہ سلسلہ شروع ہو جائیگا۔ حمزہ اکبر سے پہلے محمد آصف ورلڈ اور ایشین مقابلوں میں پاکستان کا نام روشن کر چکے ہیں اب حمزہ اکبر نے پاکستان کا نام روشن کرنا شروع کیا ہے۔ حمزہ اکبر نے گزشتہ دنوں ایشین سنوکر چیمپئن شپ میں شرکت کی اور شان دار کھیل کا مظاہرہ کرتے ہوئے ٹائٹل پاکستان کے نام کیا۔ پاکستانی کیوسٹ حمزہ اکبر نے ایشین سنوکر کا فائنل جیت کر 17 سال بعد پاکستان کو ایشین سنوکر چیمپئن بنا دیا جس پر وہ مبارک باد کے مستحق ہیں ملائیشیا کے دارالحکومت کوالالمپور میں کھیل جانے والی 31 ویں ایشین سنوکر چیمپئن شپ کے فائنل میں حمزہ اکبر کا مقابلہ بھارت کے بیج ایڈوانی سے ہوا۔ بیج ایڈوانی سنوکر کے کھیل میں ایک وسیع تجربہ رکھتے ہیں۔ ان کے مقابلے میں حمزہ اکبر ایک نوجوان کھلاڑی ہیں۔ فائنل مقابلے میں حمزہ نے جس اعصاب شکن مقابلے میں کامیابی سمیٹی وہ قابل تعریف اور قابل تحسین ہے۔ بیسٹ آف 13 فریزز پر مشتمل فائنل مقابلہ میں حمزہ اور بیج کے درمیان کھیل کا

سیارہ ڈائجسٹ کی ایک اور ایمان افروز فخریہ پیشکش

قیمت: 175 روپے

۴۰ درخشندہ ستاروں کے
روح پرور اور بصیرت افروز
تذکروں پر مشتمل



- جنہوں نے اپنی آنکھوں سے جلوہ یار کا بے نقاب مشاہدہ کر کے شرف صحابیت پایا
 - جنہوں نے منع رشد و ہدایت اللہم صل علی عبدک محمد و آلک سے براہ راست کسب فیض کیا
 - جنہوں نے صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کے رموز و اسرار سمجھے
 - جنہوں نے اپنے خون جگر سے چینستان اسلام کی آبیاری کی
 - جنہوں نے اپنے ارفع سیرت و کردار سے چہرہ انسانیت کی سیاہیاں
- تسوڑا لیں۔

- جنہوں نے اتھک مخلصانہ جدوجہد سے جنت نظیر معاشرہ کی صورت گری کی
- جنہوں نے فیصلہ کن اور غیر منصالحانہ ٹکرسے لے کر باطل کو تہسہ و بالا کر دیا

۵۰۰ صفحات پر مشتمل سفید کاغذ، عمدہ کتابت اور دیدہ زیب سرورق

شائع ہو گیا ہے

والی کیرن دروازے پر نمودار ہوئی۔ دوز نے اس کا بازو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ کیرن نے یہ ظاہر کیا کہ اس نے اس کی اس شفقت کا کوئی ٹوکس نہیں لیا ہے۔ زینا نے کہا: "آؤٹ کیرن اتھوڑی سی چائے پی لو۔"

"زینا! روز متوش اعزاز میں چلائی۔" ابھی تو یہ بچھا ہے۔" اسے فوراً خیال آیا کہ کیرن کہیں اس کی بات کا برا نہ مان جائے۔ اس نے کہا: "مجھے باورچی خانے کے فریج میں ٹھنڈا دودھ رکھا ہے بین کے اوپر الماری میں ایک صاف گلاس بھی ہے جاؤ تم خود جا کر پی لو خود پی لو گی نا؟"

کیرن نے اہلت میں سر ہلایا کمرے سے چلی گئی۔ چند منٹ بعد روز او زینا نے اس کی چاپ سنی وہ زینے چہرہ رعنی تھی زینا نے روز کا اتھوڑی بازو زور سے بھینچا۔ "وہ دودھ ہر طرف گرا دے گی۔" "شش روز نے آؤ۔" کیرن کی قربت کے مقابلے میں دودھ کی کیا حیثیت ہے اس کے علاوہ بچی کو دل جوئی کی ضرورت بھی ہے ہمارا مقصد یہی تو ہے۔" زینا خاموش بیٹھی رعنی۔

کیرن کمرے میں داخل ہوئی اس نے اطلاع دی "میں نے دودھ بالکل نہیں گرایا۔"

"ہاں ہاں ہمیں معلوم ہے تم نے دودھ بالکل نہیں گرایا۔" روز بولی۔ "آؤ میرے قریب بیٹھ کے بسکٹ پر مکھن لگاؤ اور کھاؤ۔"

کیرن کو بسکٹ کھانے میں دشواری ہو رعنی تھی مکھن کچھ پھسل گیا تھا بسکٹ سے بار بار گر جاتا تھا وہ بسکٹ منہ کی طرف اٹھاتی تو تھوڑا سا بسکٹ پلیٹ میں گر جاتا گرا ہوا کھڑا روز نے اٹھا کے اسے اپنے ہاتھ سے کھلایا۔ کیرن بولی۔ "یہ پھسلے والی چیز ہے۔" اس نے دونوں بہنوں کی طرف کچھ سہم کے دیکھا کہ کہیں وہ اس کی نادانستہ غلطی پر مزاندے دیں۔

روز اور زینا ایک لمحے کے لئے گنگ ہو کر رہ گئیں ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا گفتگو کی

تھا سارہا۔ اس کے ساتھ کوئی نہیں کھیلتا تھا۔" "کیرن تو کھیلتی تھی۔"

"کیرن کسی شادی میں نہیں ہے تمہیں تو معلوم ہے۔" زینا اپنی بیالی اٹھائے ہوئے کھل کھلا کر ہنس پڑی "میں سمجھ رعنی ہوں تم کیا کہنا چاہتی ہو۔ لڑکیاں نہ لوگوں کا کھیل کھیلتی ہیں نہ ان کے کلب میں شامل ہوتی ہیں۔"

"وہ دیکھو وہ کیرن دکھائی دے رعنی ہے وہ کارل کی طرف دوڑتی ہوئی آ رہی ہے۔"

زینا نے تبصرہ کیا۔ "وہ تو چل رعنی ہے۔" "آؤ" روز نے ٹرے پر نظر ڈالی اور کھڑی ہو گئی۔ پھر کھڑکی کھول کے اس نے کیرن کو آواز دی کیرن ایک چھوٹی لڑکی تھی۔ اس کی پیشانی پر بھورے بھورے بال لنگ رہے تھے اس نے سر ادا پر اٹھا کر دیکھا۔ روز نے جبک کر زور سے کہا: "بسکٹ بچی بسکٹ گھر کا بنا ہوا مکھن بھی ہے آؤ ہمارے پاس آؤ۔"

کیرن نے کارل کی طرف دیکھا۔ کارل نے اس سے کچھ کہا اور اکھڑین سے ایک طرف چل واپا۔ یہی حرکت مسٹر کیبل کے لڑکے اور اس کے ساگی مائیک جیکسن نے بھی کی۔ کیرن تجا رہ گئی ظاہر تھا کہ وہ اب تک ان کے حلقے میں پوری طرح شامل نہیں ہوئی ہے روز پھر کھڑکی پر جبک گئی۔ وہ بچی کا احساس بچا گئی ختم کرنا چاہتی تھی اس کی دل جوئی کرنا چاہتی تھی سارا مقصد یہی تھا۔

کیرن نے لڑکے کے قدم پھانک کی طرف بدھائے اور مڑ کر کارل کی طرف دیکھا پھر تیزی سے پھانک کی طرف آنے لگی۔ روز نے اپنی بہن کی جانب مڑ کے دیکھا پھر اس نے نیچے کیرن کو آواز دی "سامنے کا دروازہ کھلا ہوا ہے سیدھی اندر چلی آؤ پھر زینے سے لوپر آ جانا ہم دونوں تمہارے انتظار میں ہیں۔"

زینا آکھڑی والی بہن جیسے بکھرے ہوئے بالوں

"اتنے زیادہ دن تو نہیں ہوئے۔" روز اس کی بات پوری ہونے سے پہلے بول اٹھی۔ "پچھلے اگست ہی کی تو بات ہے۔"

"ہاں اور اب فروری ہے۔" کیرن نے کہا۔
 "کارل کا چھوٹا بھائی۔" زینیا سوچتے ہوئے بولی۔ "کیڑے مکوڑے مارنے والا زہریلی کے مر گیا تھا۔ شیشی پر ٹیکل نہیں تھا۔"

"اور مائیک جیکسن کے مکمل روز والے بچے ایک پہاڑی چوٹی سے گر پڑے تھے اور مس جبراک۔ جو پرائمری سکول میں پڑھاتی ہیں وہ....."
 "انہیں غالباً دھیان نہیں رہا تھا کہ وہ اندر جا رہی ہیں۔" کیرن نے تھمرہ کیا۔

"ہاں۔" روز نے کہا "لوگوں کا کہنا ہے ان کی کارمزک کے کنارے پڑے ہوئے طبقے سے گزرنے والے جانک جڑ ہو گئی۔"

"اوسبے چرنی خود بھی تقریباً تباہ ہو گیا۔" زینیا نے کہا۔
 "بہتے وارگری میں بھی رہتی ہے لیکن کارل کی ماں کا مرنے والے برسوں کا سب سے بدترین حادثہ تھا۔ ہشت ماہ کا بچہ اس کے منہ سے نکلا گیا۔ اس کے منہ سے بچہ نکلا گیا۔ ڈرا سوچتے تو کتنا خوفناک منظر ہوگا۔"

"بہت خوفناک۔" روز نے اپنے دل پر ہاتھ رکھ لیا۔ نہاتے وقت اس نے منہ سے کنارے بیڑیو، کھ چھوڑا تھا۔ مجھے حادثے کی خبر ہی تھی تو میں نے سوچا تھا کہ یہ سب کیرن کا ہوتا۔"

"کیرن کو کیا ہوتا ہے؟" کیرن نے پوچھا۔
 "مٹی کا تیل جسے لوگ نیپ وغیرہ میں استعمال کرتے ہیں میرا مطلب ہے استعمال کرتے تھے۔ یہ چیزوں کی طرح ایک یال ہوتا ہے بس اسے آگ دکھاؤ اور یہ....."

"جل اٹھتا ہے؟" کیرن نے صبر سے بولی۔
 "نہیں بیڑیو، فوراً جلی اٹھتا ہے لیکن اب کبھی کبھی میں اسے مٹانے، غور کرتی ہوں تو معلوم ہوتا ہے

جائے ایک بچی سے بڑوں والی گفتگو نہیں کی جاسکتی تھی کہ کاربار کیسا چل رہا ہے یا دنیا کی موجودہ صورت حال کیا ہے کیرن کی دنیا ان کی دنیا سے مختلف تھی پھر کیا کیا جائے؟ آخر زینیا نے گفتگو کا موضوع چن لیا۔ وہ اسٹک کی طرف اشارہ کر کے کیرن سے بولی۔ "کیا اس کا مڑا اچھا ہے؟"

"ہاں اچھا ہے۔"
 روز نے بھی ہمت کر کے کہا۔ "مجھے یہ سن کر بہت خوشی ہوئی کہ مسٹر کیبل اب رو بہ صحت ہیں وہ بڑے چارے بہت بڑے حادثے سے دوچار ہوئے تھے۔"
 "کارل کہتا ہے کہ لوگ حادثات سے اکثر دوچار ہوتے رہتے ہیں۔" کیرن اسٹک کا ایک ٹکڑا منہ میں رکھتے ہوئے بولی۔

"ہاں! وہ صحیح کہتا ہے۔" روز نے اتفاق کیا۔ "حادثات تو ہوتے ہی ہیں لیکن اتنے زیادہ حادثات قابل رحم ہیں۔"

"وہ کہتا ہے کیرن نے اپنی بات جاری رکھی۔
 "لوگوں کو اور ہوشیار رہنا چاہئے یہ انہما کی غلطی ہوتی ہے، کارل یہی کہتا ہے۔"

"تھیں کارل پسند ہے؟" زینیا نے پوچھا۔ اس کے ذہن میں اینڈریو ہی ایک شخص کی تصویر ہمہ گئی اینڈریو سے وہ کسی زمانے میں محبت کرتی تھی۔

"بالکل سبھی بچے اسے پسند کرتے ہیں۔" کیرن نے کہا "کارل ٹھنڈے دل و دماغ کا لڑکا ہے۔"

"مجھے تو وہ دوسرے بچوں ہی کی طرح لگتا ہے۔" زینیا نے چائے کی چمکی لی۔
 روز نے اپنی بہن کو تنبیہی نظر سے دیکھا۔ "کارل اپنے بھائی کی کی شدت سے محسوس کرتا ہوگا۔ مجھے تو اس کی بہت محسوس ہوتی ہے وہ

نما بچہ لگتا اچھا اور خوش اخلاق تھا۔"
 "وہ تو کافی دن پیسے مرا تھا اور....." کیرن نے کہا۔

سامی بہود کے شعبے میں داخلے کے لئے ابتدائی امتحان دیا تھا مجھے ایک معتمد خیز ہیٹ مین کر بہت سے قصوں میں جانا پڑا تھا اور.....

کیرن نے اس کی بات کاٹ دی۔ "کارل کے کلب میں شامل ہونے کے لئے یہ چیزیں نہیں کرنی پڑتیں۔"

"پھر کیا کرنا پڑتا ہے؟ روز نے دریافت کیا۔
"میں بتا نہیں سکتی۔" کیرن نے سرگوشی کی۔ "یہ کلب کاراز ہے۔"

"لیکن تم نے تو کہا تھا کہ تم کلب کی رکن نہیں ہو۔ یہ اگر کلب کاراز ہے تو تمہیں رکن نہ ہونے کے باوجود جیسے معلوم ہو گیا؟"

کیرن نے ایک لمبی سانس لے کے دونوں ہاتھ گود میں رکھ لئے اور جلدی جلدی کہنے لگی۔ "میں کارل سے ہمیشہ کہتی تھی کہ وہ مجھے اپنے کلب میں شامل کر لے۔ میں اس سے پوچھتی رہی میں نے کئی دفعہ پوچھا آخر اس نے مجھے ابتدائی امتحان کے متعلق بتا دیا لیکن میں آپ کو نہیں بتاؤں گی اس لئے کہ....." اس کی آنکھیں پھر بھیگ گئیں۔

روز نے زینیا کی طرف دیکھا انہوں نے آنکھوں آنکھوں میں طے کر لیا کہ موضوع تبدیل کر دیا جائے پھر اس سے پہلے کہ وہ کوئی اور موضوع منتخب کر میں کیرن یوں پڑی۔ "میں غسل خانے جاؤں گی۔" کیرن نے اچانک کہا۔
"اوو" روز نے کہا۔

روز: "زینیا نے دہرایا پھر بولی۔" یہ نچے ہال میں دائیں طرف جو دوسرا دروازہ ہے وہیں ہے غسل خانہ ہاتھ دھونے کے لئے عین میں صابن بھی رکھا ہوا ہے۔
کیرن نے پوچھا کہ کیا وہ ایک اور سکٹ ٹھکن کے ساتھ لے سکتی ہے! لیکن تم تو غسل خانے جا رہی ہو۔ "زینیا بدحواس ہو کر تقریباً چنچنی ہوئی بولی۔
"میں غسل خانے میں بھی کھاتی ہوں۔"

کہ کیرن سے بھی حادثے ہو سکتے ہیں لیکن چھوڑو ہمیں اس قسم کی باتیں نہیں کرنی چاہئیں یہ پریشان کرنے والی باتیں ہیں ہمیں کسی خوش گوار موضوع پر بات کرنی چاہئے کادل تمہارا محبوب ہے کیرن؟" روز نے پوچھا۔

"محبوب کا کیا مطلب ہے؟"
روز ایک لمحے کے لئے ٹنگ رہ گئی۔ وہ کیرن کو کیرن کی زبان میں کس طرح سمجھائے؟ "اس کا مطلب ہے ادا ہوائے فریڈ یعنی وہ تمہارا محبوب ہے۔" کیرن نے منہ بتایا "بولو بھئی۔" روز نے ہنستے ہوئے اصرار کیا۔ "اقرار کر لو میں نے کئی بار دیکھا ہے تم اسے تنگ ہی ہو ڈرنے کی کوئی بات نہیں کارل ایک اچھا لڑکا ہے جب بھی وہ مجھ سے ملتا ہے بہت ادب اور شائستگی سے بات کرتا ہے۔"

"وہ میرا بوائے فریڈ نہیں ہے۔" کیرن کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ "بچی! روز نے اصرار لہجے میں کہا۔ "تم رہ کیوں رہی ہو؟ کیوں کیا بات ہے؟"
"کادل مجھے اپنے کلب میں شامل نہیں کرتا۔" کیرن تقریباً رندگی ہوئی اور میں بولی۔ "وہ کہتا ہے اس کے کلب میں صرف لڑکے شامل ہو سکتے ہیں کیونکہ لڑکے لڑکیوں سے زیادہ طاقت ور ہوتے ہیں وہ کہتا ہے لڑکیاں تو کلب میں داخلے کا امتحان تک پاس نہیں کر سکتیں۔ لڑکیوں کے مقابلے میں ان کی جرأت اور برداشت کم ہوتی ہے۔"

جرأت اور برداشت؟ دونوں باتیں چونک پڑیں لیکن انہوں نے ایسا ظاہر کیا جیسے کچھ سنا ہی نہ ہو۔
روز نے پوچھا۔ "کیا کارل تمہیں اعزازی رکن بجز ہمیں بنا سکتا کیرن؟ اعزازی رکن بننا بھی مناسب رہے گا۔" کیرن کے استفسار پر روز کو یہ وضاحت کرنی پڑی کہ اعزازی رکن کسے کہتے ہیں۔

"ہر صورت میں ابتدائی امتحان پاس کرنا ضروری ہے۔" کیرن نے اپنے رخسار اور ہونٹ سے طبعی صاف کرتے ہوئے کہا۔

روز نے بتایا "جب میں کارل سے ملتی ہوں تو

”تو لے لو۔“ روز نے اس سے نظر چلاتے ہوئے کہا۔
 کیرن اسکت پر بہت سا کھن جھا کر چلی گئی۔
 زینیا اپنی بہن کی طرف جھک کے سرگوشی میں
 بولی۔ ”کیرن کے لئے کارل کے کلب میں شمولیت
 کی خواہش سوچنا ہے۔ اسے گھر میں رہنا چاہئے
 اور ایک گھریلو لڑکی بننے کی کوشش کرنی چاہئے۔“
 ”میں یہ سوچنا ہات نہیں ہے۔“ روز نے
 کہا۔ ”بچوں کو اپنی دنیا میں ایک دوسرے سے ملنے
 جلتے کی ضرورت ہوتی ہے۔ بالغ لوگ ان پر حکم
 جتاتے رہتے ہیں یا انہیں نظر انداز کر دیتے ہیں اس
 لئے بچوں کو ایک دوسرے کی خواہش ہوتی ہے اور
 اپنے خفیہ کلبوں کی ضرورت پڑتی ہے۔“
 ”شاید تم سچ کہہ رہی ہو۔“ زینیا ہنسنے لگی۔
 ”میں بالکل سچ کہہ رہی ہوں اور دیکھو کچھ
 لڑکے چاقو سے کھیل رہے ہیں۔“

”وہ وہ بے چارے اپنا چاقو انہی کے درخت پر
 پھینک کے نشانہ لگا رہے ہیں۔“ معا کارل اور
 دوسرے لڑکوں نے روز کی طرف دیکھا۔ روز نے
 ہاتھ ہلایا۔ جواب میں لڑکوں نے بھی ہاتھ ہلائے اسی
 لمحے ایک تیز اور ہارک جی ابری روز اپنی کرسی میں
 اتر کر رہ گئی اور تیز تیز سانس لینے لگی۔

”یہ کیرن کی جیج ہے۔“ زینیا اپنی کرسی سے کھڑی
 ہوئی اور لڑکھڑا کے روزانے کی طرف بڑھ گئی۔

”ظہرہ میں بھی چلتی ہوں۔“ روز زور سے بولی
 لیکن زینیا کمرے سے نکل چکی تھی۔

روز کرسی سے اٹھی اور اپنی چھڑی اٹھا کے کمرے
 سے نکل کر کیرن اب بھی بیچ رہی تھی لیکن آواز غسل خانے
 سے نہیں آ رہی تھی۔ روز نے محسوس کیا کسا آواز پہلی منزل
 کے کسی حصے سے آ رہی ہے۔ وہ زینے کی طرف بڑھی
 زینے نیچے ہال کی طرف جاتا تھا۔ زینے تک پہنچنے سے
 قبل ہی اس نے ایک اور چیخ سنی۔ یہ کیرن کی جیج نہیں
 تھی بلکہ وہ جیج کوئی چیز ہڑ ہڑ کرنے کی شور میں

ڈوب گئی۔ شور پورے گھر میں گونج گیا۔
 روز نے ریٹنگ کے قریب پہنچنے کے نیچے دیکھا اس
 کی بہن کا سکترا ہوا بے حس و حرکت جسم آخری سیڑھی
 کے پاس پڑا تھا۔ اب پورے مکان میں خاموشی چھا چکی
 تھی روز کے ہاتھ سے چھڑی چھوٹ کے نیچے گر گئی۔ وہ
 تیزی سے زینے کی طرف ہلکی جیسے ہی اس نے پہلے
 زینے پر قدم رکھا پھسل کے ڈگر لگی ہوئی گری اور لڑھکتی
 ہوئی نیچے آ رہی۔ اس پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔

نہ معلوم کئی دیر بعد اس کے کانوں سے کچھ آوازیں
 نکلتی تھیں لیکن وہ خود کچھ نہیں بول سکتی تھی۔ اس نے
 آوازیں خود سے سنیں کوئی لڑکا کہہ رہا تھا۔ ”میں کہتا ہوں“
 یہ ٹھیک نہیں ہے چاہے جو کچھ بھی ہو وہ ایک لڑکی ہے۔“
 ”لیکن اب اسے کلب کی رکن بننے کا حق
 حاصل ہو گیا ہے۔“ یہ کارل کی آواز تھی۔

روز کارل سے پکار کر کہتا چاہتی تھی کہ وہ اس کی
 مدد کرے۔ اسے سخت غصہ آیا کہ یہ لڑکے کیرن کے
 لئے کلب کی رکنیت جیسے اہمقاہ مسئلے پر اس کے
 قریب کھڑے ہو کر بحث کر رہے ہیں۔ جب کہ وہ
 جب کہ وہ اسے اگلا لفظ سوچنے کی ہمت نہیں
 ہوتی۔ اس نے کیرن کی آواز سنی۔ ”پھر میں نے پہلے
 زینے پر بہت سا کھن پھیلا دیا۔“ کیرن کی آواز کچھ
 فاصلے سے آ رہی تھی۔ ”پھر میں نیچے آ گئی اور منہ اوپر
 کر کے چیختی گئی۔ یہ ترکیب کامیاب ثابت ہوئی۔“

کارل نے کہا۔ ”میں کیرن کے لئے اپنے کلب کی
 باضابطہ رکنیت کا اعلان کرتا ہوں۔ وہ ابتدائی امتحان میں
 کامیاب ہو گئی ہے۔ اس نے ایک وقت میں دو شکار کئے
 ہیں اس طرح وہ ہم سے آگے بڑھ گئی ہے۔ کوئی میرے
 اعلان پر اعتراض کرنا چاہتا ہے؟“ خاموشی رہی۔

کیرن نے کہا۔ ”تم میں سے کسی نے کیروسین
 کے متعلق سنا ہے؟ میں نے سنا ہے آؤ میں تمہیں اس
 کے متعلق بتاؤں.....“



پہلی قسط:

انا کی زنجیر



شوکت افضل

شوکت افضل کی ریئر نظر کہانی ہمیشہ کی طرح دلچسپ کرداروں اور حقیقت سے قریب موضوع پر مبنی ہے۔ انہوں نے بڑی خوبصورتی سے ہمارے معاشرے میں بڑھتی مادہ پرستی اور دولت و وسائل رکھنے والوں کے کردار کی پستی کو بے نقاب کیا ہے۔ اس کہانی میں جہاں رومان کے رنگ دکھائے گئے ہیں وہاں ساتھ ساتھ کئی خوبصورت سبق بھی موجود ہیں۔ جب سچے جذبات کی قدر نہ کی جائے اور جائز ناجائز ذرائع سے دولت کو ہی اپنا سب کچھ تصور کر لیا جائے تو قدرت ایسے لوگوں کو کیسا سبق سیکھاتی ہے، شوکت افضل کی اس کہانی میں بڑے پُر اثر انداز سے یہ بات واضح کی گئی ہے۔ (مدیر)

ایک نوجوان کی کہانی جس کے جذبات کا مادہ پرست معاشرے میں کوئی مول نہ تھا

دیوار پر مختلف فلمی پوسٹرز اور جنسوں کے اشتہارات سے اُلی ہوئی تھیں جن میں سے بیشتر اشتہارات قسم قسم کی پیاریوں کو چٹکیوں میں ٹھیک کر دینے والے عینسوں، سنیا سی باؤوں اور قسمت کا ستارہ چمکانے والے نجومیوں کے تھے۔ ایک رومی خریدنے والا

چوٹی پتھوں اور بوسیدہ ہالٹونیوں والے کافی زدہ حکانات کے درمیان ناصر کا گھر بھی شامل تھا جو کسی کہن سالہ بوزھے کی طرح کسی دم کا مہمان معوم ہوتا تھا اور نجانے کتنی دیر سے بے مقصد خزا اپنے گرد و پیش کو بیزاری سے دیکھ رہا تھا۔ اس محلے کی



Scanned By Amir

روایات میں غم غم ہو کر ان کا ایک اپنا ہی انداز بن گیا۔ یہ لوگ پنجابی ہوتے لے سڈول جسموں پر لپے گرتے اور تہ بند استعمال کرتے۔ نکلے ہوئے پنوں کے ساتھ سینہ تان کر چلنا ان کا دوسری کشتی میں دلچسپی کا آئینہ دار ہوتا۔ فن پہلوانی کوزوال آیا تو پھر بھی ان "پہلوان جی" لوگوں نے وہ "دعی گوشت اور پھلوں سے ناظر نہ توڑا۔ پہلے کھاتے تھے پھر بیچنا شروع کر دیا۔

جہاں تک ناصر اور اس کے خاندان کا تعلق تھا اس کے آباؤ اجداد کا شمار کبھی مغلیہ دور کے امراء میں بھی ہوتا تھا۔ جب ندر پڑا تو اوروں کے ساتھ اس خاندان کو بھی بڑے دن دیکھنے پڑے لیکن اس کے باوجود سی جل گئی مگر بل نہ گیا کے صدائق یہ ٹوک سرائفا کر ہی چلے لیکن پھر تقسیم کے وقت یہ لوگ ایسے اُجڑے کہ پھران کی کمری ٹوٹ کر رہ گئی اور ان کے ذمہ کو سمجھنے والا کوئی نہ رہا۔ انہوں نے نامساعد حالات اور تقدیر کے کیسے کیسے جبر نہ ہے۔

ناصر نے اپنے دونوں ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھ لئے اور اپنی آنکھوں میں اتر آنے والی نمی کو اپنی ہتھیلی پر جذب کرنے کی کوشش کرنے لگا اور پھر اندرونی کرب اور لاچارگی سے منہیاں بھیج کر اپنی گھسی ہوئی جنموں کی جیبوں میں ٹھونس میں اور اپنی کولہا پوری چہل گھسیٹے ہوئے اپنے گھر کے دروازے پر کھڑا ہو کر نہایت بیزاری سے اس بوسیدہ پوری سے بنے ہوئے پردے کو جھٹک کر اندر گھسا جو اس کے گھر کے دوپے رنگ دروازوں کے درمیان لٹک رہا تھا۔

"آنا ختم تھا" کچھ چاول پڑے تھے میں نے اُبال لئے ہیں ساتھ شہجہ کا سالن بنا پڑا ہے بیٹھ کر کھا لیتے تو میں بھی برتن دھو کر ذرا کمر لگاتی۔ آج نجانے کیا بات ہے جوڑ جوڑ درو کر رہا ہے۔"

کندھے پر تھیلے لٹکائے ہانک لگا تاگیوں میں پھر رہا تھا۔ سامنے والے مکان کے دروازے کی شکستہ حق کے پیچھے سے ایک عورت نے اسے آواز دی۔

"اوہ!" ناصر نے ایک گہری آہ بھر کر کہا۔ "ہم سب تو خود اس محلے میں روی کے سامان کی طرح ٹھنڈے پڑے ہیں اور شاید ہمارا خریدار بھی کوئی نہیں۔"

ایک ٹوٹی ہوئی حق کے پیچھے سے عورت روی اور ٹوٹے پھوٹے اور برتن نکال نکال کر باہر رکھ رہی تھی۔ اُٹھی ہوئی حق میں سے پیچھے کمرے میں دیوار پر لگے فریم کئے ہوئے کپڑے پر دو خرگوشوں کی کمری ہوئی تصویر نمایاں طور پر نظر آ رہی تھی۔ پکا ایک گلی میں کھینچنے والے بچوں کا ایک غول شور مچاتا ناصر کے ارد گرد پھیل گیا۔ ان میں چند ایک سرخ و سفید اور خوبصورت بچے بھی تھے جو مینے کپڑوں میں دیکھتے ہوئے شاداب چہرے لئے چبکتے پھر رہے تھے۔ ناصر بھی اسی محلے میں جوان ہوا تھا مگر شعور میں آتے ہی اسے ان میلی چلی گلیوں اور اوپر تلے ٹھنڈے مکانات سے نفرت سی ہو گئی۔ اس نے اپنے خیالات سے چونک کر اس طرح بچوں کو دیکھا جیسے پہلی بار دیکھ رہا ہو۔

"کاش ان معصوم چہروں اور شگاف روحوں کو ماحول بھی ویسا ہی سہرا ملتا۔" ناصر نے بیزاری سے لمبی سانس بھرتے ہوئے کہا۔

اس قسم کے سرخ و سفید بچے عموماً ان کشمیری کنبوں کی اولاد تھے جو تقریباً صدی پہلے تلاش معاش کی خاطر اپنے وطن کشمیر سے ہجرت کر کے پنجاب کے میدانوں میں اترے تھے۔ ان کے بوجھ اٹھانے والے کسرتی جسموں کی وجہ سے اکثر کو پنجابی ریاستوں میں فن پہلوانی میں راجوں مہاراجوں کی سرپرستی میسر آئی اور پھر پنجاب کی آب و ہوا اور

چکر لگانے لگا۔

اماں کا رنگ فق ہو گیا۔ وہ دونوں ہاتھوں میں سر پکڑے کتنی ہی دیر سوچتی رہی اور پھر ایک ٹھنڈی ساکس بھر کر اپنے بچے کی طرف غور سے دیکھا جس کے خوبصورت چہرے پر کرب تھا اور ماتھے پر اضطراب کی سلونیں پڑی تھیں اور پھر جیسے کوئی فیصلہ کر کے دو انھی اور کمرے میں چلی گئی۔ کمرے میں روشنی کا صحیح انتظام نہ ہونے کے باعث دن میں بھی ماریکی کا سماں رہتا تھا۔ کچھ دیر کمرے سے ٹریک کھینے اور بند ہونے کی کھٹ پٹ کی آوازیں سنائی دیں اور پھر ناصر نے دیکھا کہ کمرے کی دہلیز پر کھڑی اماں اسے سرگوشی میں آواز دے رہی ہے۔

”ناصر..... ناصر..... ادھر آنا میرے بیٹے۔“

ناصر چپل گھسیٹتے ہوئے اماں کے قریب جا کر بولا۔ ”کیا بات ہے اماں؟“

اماں نے ایک پونٹی آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”ناصر یہ پانچ سو روپیہ میں نے گورڈکن کے لئے سنبھال کر رکھا ہوا تھا بندے کا کچھ پتہ نہیں ہوتا لیکن اب تم اسے رکھ لو دیس پردیس کے معاملے میں کہیں ٹھوکریں ہی نہ کھاتے پھر۔“

ناصر نے بھونچکا کر اپنی عقیم ماں کو دیکھا جو اسے تذبذب میں دیکھ کر فوراً کہنے لگی۔

”تھوڑے ہیں مگر یقین کر دناصر یہ میری تمام عمر کی جمع پونجی ہے۔“

”ارے نہیں میری ڈکھی ماں میں آپ کی حمام جمع پونجی نہیں لے سکتا۔ بس مجھے دو سو روپیہ دے دیں کر ایہ وغیرہ بھی اسی میں ہو جائے گا۔ آپ بھی بیمار ہیں میرے بعد اگر آپ کو ضرورت پڑ گئی تو کس کے آگے ہاتھ پھیلائیں گی۔“

”بس بس رہنے دو۔ زیادہ باتیں نہیں کرو۔“

ناصر کی ماں نے اسے گھر میں داخل ہوتے ہی دیکھ کر کہا۔ تو ناصر کا موڈ اور کچھ بگڑ گیا۔ وہ بیٹا نہ بولا۔

”اماں میں نے کتنی بار کہا ہے مجھے عثمان کے پاس جانے دین۔ اب دیکھیں وہ وہاں کتنا کما رہا ہے دن پھیر دیتے ہیں اس نے ماں باپ کے بھی مگر ایک آپ ہیں کہ مجھے کھنے سے بندھا دیکھنا چاہتی ہیں۔ اس نے کتنی دفعہ مجھے بلایا ہے! اگر آپ نے مجھے جانے دیا ہوتا تو اب تک آمدن کی کوئی نہ کوئی راہ کھل ہی گئی ہوتی۔“

”اللہ مالک ہے بیٹے کھا۔ نہ کوئل ہی جاتا ہے کہاں تم ٹھوکریں کھاتے پھر دگے۔“ اماں نے جیسی اور متوکل آواز میں کہا۔

”ہاں روٹی تو کتوں کو بھی مل جاتی ہے ماں! تین دن یہ سسک سسک کر جینا مجھے ہانکل پسند نہیں۔ اب کہیں کمانے کے لائق رہے ہیں؟ اب یہ بھی کیا ہے کہ پیٹ بھر کھایا ہے تو لباس کا مسئلہ ہے پتسم پتسم لٹڈے وغیرہ کا کپڑا نصیب ہوا تو پٹھے جوتے منہ چرانے لگے اور پھر یہ جو آپ آئے دن پڑوسیوں سے ادھار مانگتی ہیں تا پتہ ہے پھر یہ کتنا ذلیل کرتی ہیں آپ کو؟ پھری کی طرح کانتے ہیں ان کے طعنے میرے دل کو۔ دیکھا جائے تو ان میں اور آپ میں فرق ہی کیا ہے صرف یہی تا کہ ان کے مرد پردیس جا کر کمانے کو نہ انہیں سمجھتے۔“

”اوہوں! پگلا نہ ہوتو۔“ صابر ماں نے پیار بھری تیوری سے بیٹے کو دیکھ کر کہا۔

”اماں یہ مذاق نہیں ہے میں صاف کہہ دے رہا ہوں۔ میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے۔ میں نہیں رہ سکتا اب اس شہر میں۔“

ناصر نے اپنے سامنے رہن چادروں کی پائیڈ میں چھوڑی اور اٹھ کر تیزی سے برآمدے کے

کام کاج سے فارغ ہو کر وہ عثمان کے پاس ہوئی
 میں جا بیٹھتا۔ قسم قسم کے لوگ دیکھتا بھانت بھانت
 کی بولیاں سنتا اور مگھوڑ جوتا۔ خوش باش جوڑے
 جوان لڑکے لڑکیاں بوڑھے بچے شام ہوتے ہی
 سیلاب کی طرح ہوئی میں اٹھ آئے۔ بنی ٹھنی پر فلوئر
 میں بسی اوہڑ عمر عورتیں جب بیوٹی پارلر میں سے
 ہو کر اپنے مردوں کے ساتھ ہونٹوں میں داخل ہوتیں
 تو ان کو دیکھ کر ناصر کے دل سے اک ہوک نکلتی۔
 اسے اپنی ماں یاد آ جاتی جس کے کپڑوں سے برتنوں
 اور چاز کی بو نکلتی رہتی تھی جس کے خوبصورت چہرے
 پر جھانسی اور غربت کی گھٹائیں چھائی رہتی تھیں جس
 کے ہاتھوں اور بازوؤں پر رگوں کے خال ابھر آئے
 تھے اور وہ وقت سے بہت پہلے بوڑھی دکھائی دینے
 لگی تھی وہ ابھی تک بھی اپنی ماں کو کچھ بھی نہ سمجھ سکا
 تھا اور زیادہ سے زیادہ رقم جمع کر کے کوئی چھوٹا موٹا
 کاروبار جمانا چاہتا تھا مگر وہ قدرت کی اس تقسیم پر
 اکثر کڑھتا رہتا۔

”میرے مالک تمہیں ٹونے بے تحاشا دیا اور
 تمہیں اتنا بھی نہیں کہ گزارا ہی ہو سکے۔“
 ٹھنڈی سانس پھر کر اپنے آپ سے کہتا ناصر کو
 اکثر آنے جانے والوں کو گھورنے اور ٹھنڈی سانسیں
 بھرتا دیکھ کر عثمان نکلیوں میں اسے ٹوٹ کرتا اور پھر
 ناصر کی پیشہ تھپک کر حوصلہ دیتا۔
 ”ارے یار ناصر کیوں اتنی آہیں بھرتا ہے تیری
 یہ ٹھنڈی سانسیں چھری کی طرح اتر جاتی ہیں میرے
 سینے میں۔ دیکھ خوش رہا کر ہر وقت۔“
 ”سب کچھ جانتے ہوئے بھی کہتا ہے کہ خوش
 رہا کروں۔ آخر کس برے پر ڈھیت لوگوں کی طرح
 دانت نکالتا پھروں۔ میں تو خواہشوں کے تعاقب
 میں نکلا ہوا ایک بے راہ رو مسافر ہوں جو بے مقصد
 کی دھند میں بھٹکتا پھر رہا ہے۔“ ناصر نے گلوگیر

اماں نے پوٹی اس کی جیب میں ٹھونس دی اور
 دوپٹے سے آنکھوں میں آئی نمی کو پونچھے ہوئے
 بچن میں چلی گئی جو صحن کے ایک کونے میں ٹین کی
 چادروں سے بنا ہوا تھا اور دھونے کے لئے برتن
 اکٹھے کرنے لگی۔

ناصر کچھ ویروہیں کھڑا اماں کے سر اپنے کو دیکھتا
 رہا اور پھر سر جھکا کر اندر سے اپنا چھوٹا سا ٹین کا
 پھولدار بکس نکال کر چارپائی پر رکھا اور پھر جوتا پہن
 کرتے ہاندھنے لگا۔

”اچھا تو اب میں چلا ماں اور اپنا خیال رکھنا ہاں
“

اماں پیٹھ کئے بیٹھی برتن دھور رہی تھی اور ناصر کو
 اس کے سامنے جانے کا حوصلہ ہی نہ ہوا اور اماں نے
 بھی پیٹھ کئے کئے گھسنے پر ناک پونچھ کر سوس سوس کیا
 اور گلوگیر آواز میں بولی۔

”جاؤ خدا حافظ اللہ کے حوالے۔ اور ہاں کیا نام
 ہے اس حیدرے پہلوان کے بیٹے کا اہاں عثمان۔ بیٹا
 سیدھے اس کے پاس جا کر ٹھہرنے کا بندوبست کرنا
 سبھے اور خط بھی لکھنا۔“

”آپ فکر نہ کریں اماں بس دعا کرتی رہتے گا۔
 ناصر کہتا ہوا بوسیدہ پردہ تھا کہ باہرگی میں نکل گیا۔

عثمان ناصر کا پرانا کلاس فیلو اور دوست تھا اور
 ایک فائیسٹار ہوئی میں ملازم تھا وہ جب کبھی چھٹی پر
 گھر جاتا ناصر کے گھریلو حالات دیکھتے ہوئے اسے
 ساتھ آنے پر اکساتا اب جو ناصر اس کے پاس پہنچ
 گیا تو اس نے ناصر کی رقم میں مزید کچھ اپنے پاس
 سے رقم ڈال کر ایسے سلیتے سے ناصر کو کام کی ابتداء
 کروائی کہ پہلی دفعہ ہی ناصر کے پاس دو ہزار روپے
 ہو گئے اور اس پہلے مرحلے میں ہی عثمان پر بھی واضح
 ہو گیا کہ ناصر بے پناہ ذہنی صلاحیتوں کا مالک ہے
 اب تو ناصر کو بھی ایک آس ہی بندھ گئی شام کو اکثر

کر عثمان کو دیکھ اور پھر قدرے طاقت سے سلام کا جواب دیا اور پھر اپنی طرف ٹھٹکی بانٹھ کر دیکھتے ناصر پر اس کی نظر جاگئی۔ ایک اچھتی ہوئی نگاہ کے بعد سینٹھ کریم میز کے ساتھ ٹکی نشست پر جا بیٹھا۔ اسے دیکھتے ناصر سمیت تمام پیرے اور ہول کے ملازمین اس کے ارد گرد منڈلانے لگے۔

تھوڑی دیر بعد جب ناصر اٹھ کر چلا گیا تو عثمان کو بلا کر سیٹھ نے اس سے ناصر کے متعلق پوچھا۔
 ”وہ تمہارے ساتھ خوبصورت سا آدمی کون بیٹھا تھا؟“

”مرد میرا دوست ہے اور چند دن ہوئے کام کی تلاش میں یہاں آیا ہے۔“
 ”ہے کس تلاش کا؟“ سیٹھ قدرے ابرو اوپر چڑھا کر بولا۔

”سراسے دن آدمی ہے۔ ذہین محنتی آگے بڑھنے کا عزم لئے ہوئے لیکن غریبی اس کی ترقی اور خوشحالی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بنی ہوئی ہے۔“ عثمان نے بتایا۔

”میرا خیال ہے اسے میں کام دے دو تو کیا رہے گا۔“ سیٹھ نے کہا۔

”سر! آپ آزما کر دیکھ لیں لڑکا بے حد شریف اور جفاکش ہے۔ شگلدستی سے گھبرا کر گھر سے اگلا ہے۔ میرا خیال ہے ذلت کر کام کرے گا۔“ عثمان خوش ہو کر بولا۔

”ہوں۔“ سیٹھ پر سوچ انداز میں بولا۔ ”اچھا اسے کل میرے پاس نے آنا۔ تمہاری سفارش پر میں اسے رکھ لیتا ہوں مگر ایک بات کا خیال رہا ہے اسے یہ معلوم نہ ہونے پائے کہ میں نے خود اسے رکھنے کا خیال ظاہر کیا ہے۔“

”بہت اچھا سر، ٹھیک پوسر۔“ عثمان نے بے حد شکرگزاری سے سر جھکا کر کہا۔

لہجے میں کہا۔

”جج جج۔“ عثمان نے چہرے پر مصنوعی غم کا تاثر لاتے ہوئے اپنی مسکراتی ہوئی چمکدار آنکھیں ناصر کے چہرے پر مرکوز کر دیں اور نگاہیں قدرے ٹیکڑے ہوئے بولا۔

”تیرے جیسا خوشنما چہرہ لمبا قد خوبصورت مضبوط ہاتھ پاؤں اور یہ بڑی بڑی ذہین آنکھیں میرے پاس ہوتیں تو میں ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا۔ ذہنی صلاحیت بھی اللہ تعالیٰ نے دینے میں مجھ سے کام نہیں لیا۔ وہ جو کہتے ہیں کہ ہمت مردوں مرد خدا۔ ارے بھی اور کیا چاہتے ہو۔ ابھی عمکی دنیا میں قدم رکھے دن ہی کتنے ہوئے ہیں جان من جدوجہد کئے جاؤ پھر دیکھو کیسے بند راستے کھلتے ہیں۔“

باتیں کرتے کرتے عثمان کی نظر دروازے پر جا کر ٹپک گئی۔ تو ناصر نے بھی سر موز کر ابھر دیکھا تو سامنے واسے دروازے سے ایک پختہ عمر کا آدمی نہایت قیمتی سوٹ پہنے آنکھوں پر سونے کی کمانی کا چشمہ لگائے اندر داخل ہو رہا تھا۔ عثمان آہستہ آہستہ ناصر کو بتانے لگا۔

”ناصر یہ اس شہر کا کرڈر پتی آدمی ہے سیٹھ کریم بخش۔ سب کہتے ہیں کہ شروع شروع میں یہ نہایت معمولی آدمی تھا“ دیکھتے ہی دیکھتے دولت اس کی لوٹدی بن گئی۔“ یہ سنتے ہی ناصر نے اس طرح آنکھیں پھاڑ کر سینٹھ کی طرف دیکھا جیسے دنیا کے آنسوؤں بچوہ کو دیکھ رہا ہے۔ اتنے میں جب سیٹھ قریب سے نرنے لگا تو اسے دیکھتے ہی عثمان اٹھ کھڑا ہوا۔

”السلام علیکم سرا!“ عثمان نے نہایت نیاز مندی سے دونوں ہاتھ سینے پر بانٹھتے ہوئے کہا۔

”علیکم السلام“ سیٹھ کریم بخش نے نخوت سے سر موز

ہوگا۔ ابھی اسے پاؤں پر کھڑے ہونے کے لئے اپنا مکان چاہئے تھا بینک ٹیلنس چاہئے تھا تاکہ وہ اپنے والدین اور چھوٹے بھائی بہنوں کو پاس لا کر رکھ سکے۔ اسے اپنی مصیبت زدہ ماں ہمیشہ یاد رہتی۔ وہ اسے سر پر از دینا چاہتا تھا اور پھر ابھی تو اسے چھوٹے بھائی کو تعلیم دے کر کسی قابل بنانا تھا، بہنوں کی شادیاں کرنی تھیں۔

ناصر اکثر اپنے کام کی نوعیت کے بارے میں سوچتا رہتا جس کے بدلے ہر بار دو ہزار روپے کی رقم اس کے حساب میں جمع کر دی جاتی۔

ایک دفعہ سینٹھ کو موڈ میں دیکھ کر ناصر پوچھ ہی بیٹھا۔ سینٹھ نے آنکھوں پر سے عینک کے شیشے اوپر تلے کرتے ہوئے غور سے ناصر کی طرف دیکھا اور پھر قدرے کھائس کر بولا۔

”ٹڈ کے تم اپنے کام سے کام رکھو اور اپنی اجرت لیتے جاؤ زیادہ چھیدگیوں میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ بہر حال اتنا یاد رکھو کچھ چیزوں کے بارے میں ہمیں پہلے سے علم ہوتا ہے لیکن کچھ چیزوں کے بارے میں جاننے کے لئے ہمیں انتظار کرنا پڑتا ہے۔ ویسے یہ بتاؤ کہ یہ کام تمہیں مشکل لگ رہا ہے یا پسند نہیں آ رہا؟“ سینٹھ نے ابرو اوپر اٹھا کر ناصر کو توتلی ہوئی نظروں سے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

”اسی تو کوئی بات نہیں سینٹھ صاحب۔ نوکری تو نوکری ہی ہوئی۔ بس یہ سب ذرا عجیب سا لگتا ہے۔“ ناصر نے قدرے پر جھس انداز میں کہا۔

”عادی ہو جاؤ گے تو کچھ بھی عجیب نہیں لگے گا۔ ایک وقت میں ایک چیز جگہ کوئی بھی چیز اس وقت تک ہماری سمجھ میں نہیں آتی جب تک اس کا مناسب وقت نہ آ جائے۔ بے صبری اور جلد بازی سے ہمیں سوائے الجھن اور انتشار کے اور کچھ بھی

سینٹھ کے ساتھ کام کرتے ناصر کو تین چار ماہ سے زائد عرصہ ہو چکا تھا مگر ابھی تک اسے اپنے کام کی نوعیت سمجھ میں نہ آئی تھی یوں تو وہ کئی قسم کے چھوٹے موٹے کام اس کے ذمہ لگائے رکھتا جو کہ ناصر بڑی ذہانت اور خوش اسلوبی سے سرانجام دیتا مگر ایک کام جو کہ مہینے میں ایک دو بار اسے کرنا ہوتا وہ ناصر کو کھٹک جاتا اگرچہ اس نے اس کام کو بھی ابھی تک پوری ذمہ داری سے نبھایا تھا۔ سینٹھ اسے کچھ پکٹ دیتا جو کہ اس نے نہایت خاموشی اور راز داری سے آبادی سے باہر خارج ایک پہاڑی کے پیچھے ایک وادی میں اس کے خنجر ایک آدی کے حوالے کرنے ہوتے اور ہدایات کے مطابق وہ بغیر کوئی بات کہنے والیں آتا۔ واپسی پر وہ شخص کچھ پکٹ دیتا جو کہ وہ سینٹھ کو پہنچا دیتا۔ سینٹھ اس دن بڑا خوش ہوتا اور اس کی پیٹھ تھپک کر کہتا ”لو بھئی آج تمہارے اکاؤنٹ میں مزید دو ہزار روپوں کا اضافہ ہو گیا۔“ اس کے علاوہ اپنے گھر بیچنے کے لئے بھی اسے پانچ سو ہفتہ واردیتا اور مزید اس کے اخراجات کے لئے بھی اسے خاصا دینا دلانا رہتا۔ اب ناصر محسوس کر رہا تھا کہ اس کے دن پھر گئے ہیں اس کی صحت پہلے سے اچھی ہو گئی تھی وہ مزید ٹھہر گیا تھا۔ اعلیٰ لباس پہنتا اور آرام سے عثمان والے ہوٹل میں بیٹھ کر کھانا کھاتا۔ اب اس کے چہرے سے مایوسی کا نقاب سرک کر اس کی جگہ کھٹکلی چھائی تھی۔ صلہ صورت تو قدرت نے نہایت فیاضی سے اسے بخشی تھی اور سے اچھی تراش خراش کا لباس اسے سب میں ممتاز کر دیتا اور وہ ہر پہلو سے کسی اعلیٰ خاندان کا خور و خوران نظر آتا۔ اب تو ہوٹل میں آنے والی اونچے گھرانوں کی لڑکیاں بھی اسے پسندیدگی سے دیکھتیں لیکن ناصر سب کچھ سمجھتے ہوئے بھی انجان بنا رہا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ یہ سب کچھ قبل از وقت

سیارہ ڈائجسٹ کی ایک اور بے مثال پیشکش

انکارِ قیامت

خارج ہو گیا ہے

قیمت: 175 روپے

”علاماتِ قیامت“ قرآنِ کریم اور صحیح احادیثِ رسول کی روشنی میں
واقعہ شق القمر..... سونے کا پہاڑ..... دمدار ستارے..... لشکرِ سفیانی کو
ٹھکست..... ظہورِ امام مہدی اور امام مہدی کی جنگیں..... قومِ لوط.....
قومِ عاد..... ہیکلِ سلیمانی کی تعمیر نو..... فراموش کردہ شہزادیت کا سمندر
فتنہءِ دجال..... پیغمبروں کی سرزمین عراق پر صلیبی امریکی حملہ جیسی
قیامت کی نشانیوں پر مکمل تفصیلات!
گوانتانا مو بے میں عیسائیوں کے ہاتھوں قرآن مجید کی بے حرمتی اور
عالمِ اسلام کی خاموشی سے قیامت کا تعلق

یہ ایک علمی، تاریخی، تحقیقی اور دلچسپ دستاویز ہے جس کے بغیر آپ کی لائبریری نامکمل ہے

سیارہ ڈائجسٹ 240 ریویز گارڈن لاہور فون: 042-37245412

Scanned by Amir

ہوئے ناصر احراما کھڑا ہو گیا۔ اس کی خوبصورت مرمریں انگلیوں سے پیالی لیتے ہوئے لفظ بھر کو ناصر کی نگاہیں سارہ کی بڑی بڑی آنکھوں سے چار ہوئیں اور اس لمحے میں ناصر نے اپنا دل سینے میں ڈونٹا محسوس کیا اور ٹھنسی ٹھنسی سکک کا احساس ایک دھبی دھبی خوشبو کی طرح اس کے من کو آج دے دینے لگا۔ اس دن ناصر گنتا ہوا سینٹھ کریم کے گھر سے نکلا۔ اب اس کی زندگی اور ہی ڈگر پر چل نکلی تھی؛ اسے نوکری مل چکی تھی اور رہائش کا انتظام ہو چکا تھا۔ مافی حالات بھی اطمینان بخش تھے اور اب وہ ایک ایسی ہستی سے ملا تھا جس نے اس کی بے بس زندگی کو اک نئے کیف سے آگاہ کیا تھا۔ اب وہ اپنی خداداد ذہانت اور کارکردگی کا زیادہ مظاہرہ کرنے لگا تھا۔ جتنا اسے سارہ کے زیادہ قریب آنے کا موقع ملنے لگا۔ سارہ کو دیکھتے ہی ناصر کی آنکھوں کی چمک بڑھ جاتی اور وہ پروانے کی طرح اس کے گرد منڈلانے لگتا۔ ناصر ایک سمجھ دار نوجوان تھا جس کا دامن آج تک کسی بھی بے راہ روی سے آلودہ نہ رہا تھا مگر سارہ کے بارے میں اسے بچانے کیا ہو گیا تھا بے شک سارہ کا تصور جانفزا تو تھا مگر وہ اتنا بھی نادان نہ تھا کہ اپنے اور اس کے درمیان طبقاتی حد بندی کو نہ سمجھ سکے۔ اس کے باوجود نہ تو اس نے اپنے جذبوں پر بندھ باندھنے کی کوشش کی نہ تن اپنی کم مائیگی کا خیال کیا۔

جہاں تک سارہ کے رویے کا سوال تھا ناصر کسی فیصلہ پر پہنچنے سے قاصر ہی رہا یا تو وہ اتنی معصوم اور بھولی بھالی تھی کہ اسے دنیا کی ہوائی نہ لگی تھی اور یا اس نے اپنے ارد گرد ایسا حصار سمجھ رکھا تھا کہ کوئی دوسرا آدمی اس کے مزاج یا اس کے احساسات کی تہہ تک پہنچ ہی نہ پائے۔ بھی تو وہ سمجھت آ میر، وا کا اک خنک اور سبک روجھونکا محسوس ہوتی، جس کے

حاصل نہیں ہو سکتا سمجھے۔" سینٹھ نے میز پر ہاتھ مار کر کہا۔

"ٹھیک ہے جی۔" ناصر نے سر ہلا کر کچھ نہ سمجھتے ہوئے کہا اور سلام کر کے باہر نکل گیا۔

سینٹھ ناصر سے کافی مطمئن اور اس کی جملہ کارکردگی سے خوش تھا چنانچہ اب اس نے ناصر کو اکثر گھر کے اندر بھی کسی نہ کسی کام کاج کینے بلانا شروع کر دیا۔ معلوم تو یہی ہونا تھا کہ اتنی بڑی عایشان کوٹھی میں سینٹھ کریم اکیلا ہی رہتا ہے مگر اس دن جب ناصر نے سینٹھ کو اپنے آنے کی اطلاع دی تو اس نے اسے اندر ہی بلا لیا۔ آج سینٹھ کریم بڑے مول میں تھا اور اپنی خوبصورت بیٹی کے ساتھ لان میں ہی بیٹھا چائے پی رہا تھا۔ قریب ہی مٹلیں گھاس پر بیٹھا اسپیشن کتا ناصر پر بھونکتے ہوئے لپکا تو سینٹھ ہنستے ہوئے بولا۔

"ارے بھئی گھر کا ہی آدمی ہے یہ تو کیسی اور بھئی بیٹھو ناصر۔" وہ ایک عیحدہ کرسی پر بیٹھ گیا۔ تو سینٹھ بیٹی کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔ "بیٹے سارہ! یہ ناصر ہے ہمارا نیا اسٹنٹ نیچر۔ میز اس کے لئے چائے کی ایک پیالی بنا دو۔"

سارہ نے اچھٹی نظر سے ناصر کو دیکھا اور پھر سر جھکا کر چائے بنانے لگی ناصر نہایت محویت سے اسے چائے پیالی میں ڈالتے دیکھنے لگا۔

"شوکر۔" ناصر کے کانوں میں جیسے ایک نغمہ سا گھنگر و بچ اٹھا اور وہ یکدم اپنے خیال سے چونک پڑا اور گزبڑائے سے لہجے میں بولا۔

"ڈال دیں جی، جتنی مرضی۔"

سارہ کے ہونٹوں کا ایک کونا مسکراہٹ کو کنٹروں کرنے کی کوشش میں دب سا گیا مگر پھر لمحے کے تذبذب کے بعد اس نے ڈیڑھ حج چینی ڈال کر پیالی اس کی طرف بڑھا دی۔ پیالی تھامتے

سکوں بخش احساس سے آنکھیں منہ سے لگتیں
مگر کبھی وہ مکتلم گھٹاؤں کی چادر تھے آسمان کی
طرح نظر آتی پر اسرار ناقابل فہم اور ناقابل تغیر۔

اگلے دن اس صحن میں ناصر کا سارہ کے بارے
میں عثمان سے ذکر چلا تو عثمان قدرے بھونچکا سارہ
گیا۔ اس نے ناصر کو سمجھانے کے انداز میں کہا۔

”دیکھو یار! میں سمجھتا ہوں ابھی ان باتوں کا
وقت نہیں آیا۔ ابھی تم نے اس ظالم دنیا میں قدم
جمانے کے لئے بہت کچھ کرنا ہے۔ ٹھیک ہے تم
ایک باصلاحیت نوجوان ہو مگر فی الحال تمہاری
صلاحیتیں قیصر طلب ہیں۔ میں تمہارے یہ مضبوط
بازو بردن ذہن آنکھیں اور اعلیٰ دماغ محض عورتوں
کو متاثر کرنے کے فضول کام میں ضائع ہوتے نہیں
دیکھنا چاہتا۔“

”اس لئے تو میں تمہارے پاس آیا تھا۔ تم سے
زیادہ مجھے کون جان یا سمجھ سکتا ہے۔ تمہارا وجود
میرے لئے حوصلے اور برکت کا سبب بنا عثمان اور
آج ابھی میں جس حیثیت میں ہوں تمہاری وجہ سے
ہی ہوں لیکن.....؟“

ناصر نے عثمان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے
کہنا شروع کیا مگر عثمان نے اس کی بات کو درمیان
سے ہی کاٹ دیا اور کہنے لگا۔

”ان جذبات کے اظہار کا یہ موقع نہیں ہے
دوست بس تم ایک دفعہ اپنے دل کو ہر قسم کے خیالات
سے صاف کر کے سینہ کے دل میں اپنا مقام پیدا
کرنے کی کوشش کرو پھر دیکھو وہ تمہیں کتنا اونچا لے
جاتا ہے۔ محنتی لوگ اسے بے حد پسند ہیں اور پھر یہ
خود بھی تو جو کچھ آج تمہارے سامنے ہے انٹھک محنت
کی بنا پر ہی ہے۔ وہ گئی سارہ والی بات تو اس کے
بارے میں، میں تمہیں صاف صاف کہے دیتا ہوں
سارہ ایک ایسے ناب کی اکلوتی واحد اولاد ہے جو پائی

پائی پر نگاہ رکھنے والا ایک ماہ پرست بوڑھا ہے جو
کہ اپنی اس بیٹی کو بھی ہماری سرمایہ سمجھ کر کسی خاص
وقت پر اسے اپنے کسی کاروبار میں لگائے گا اگر اس
وقت اسے تمہارے خیالات کی ہوا بھی پہنچ گئی تو میرا
خیال ہے وہ حریفیں آدی کبھی تمہیں معاف نہیں
کرے گا۔ وہ اپنی اس بیٹی کو عام لوگوں کی نگاہوں
سے بھی چھپائے پھرتا ہے۔ آیا کچھ تمہارے دماغ
شریف میں؟“

عثمان نے گہری سوچ میں ڈوبے ناصر کی پشت
پر ہتھی دے کر مسکراتے ہوئے کہا تو ناصر چونک پڑا
اور غم بھری مسکراہٹ سے بولا۔ یار اس وقت میرے
ذہن میں منیر نیازی کی چومصری گردش کر رہی ہے
کج گنج وی راہواں اوکھیاں سن
کج گل وچ غم دا طوق وی سی
کج شہر دے لوگ وی ظالم سن
کج مینوں مرن دا شوق وی سی

”عثمان میرے بھائی میرے دوست میں نے
بھی اس گنج پر بہت سوچا ہے مگر نجانے کیا بات ہے
میں اس طرف کھنٹنے والی اپنے ذہن کی کھڑکی بند
نہیں کر سکتا اور پھر نوکری کی ہے دل و دماغ تو نہیں
بچاتا!“

”ہم لوگ زندگی کی سٹیج کے وہ کردار ہیں ناصر
جن کا کوئی بیک گراؤ نہیں۔ ابھی تم یہاں سٹے سٹے
قدم رکھ رہے ہونا۔ اس لئے ایسی باتیں کر رہے ہو
مگر اس سے پہلے کہ شو کر لگا کر وقت تمہیں سمجھائے
میرا فرض بنتا تھا کہ تمہیں خبردار کروں اب آگے
تمہاری مرضی۔“ عثمان نے آزر دہ خاطر ہو کر کہا اور
اٹھ کھڑا ہوا۔

وقت پر لگا کر اڑتا رہا۔ ناصر کو سینہ کریم کے
پاس کام کرتے ہوئے ایک سال گزر چکا تھا۔ اب
وہ پہلا سا ناصر نہیں رہا تھا۔ خوشحالی دھیرے دھیرے

کے دیکھا۔ سارہ کے کانوں پر جھولتی ہوئی چھوٹی سی لٹ کے نیچے ایک آویزہ ستارے کی طرح ٹٹھا رہا تھا۔ گلاب کی پتیوں جیسے خوبصورت ہونٹ ڈرا ڈرا کھلے ہوئے اور بڑی بڑی خوشنما آنکھوں سے اپنی طرف اسے دیکھتے ہوئے ناصر کو وہ بڑی بھاری نگاہیں اور جیسے کہ انہونی ہو کر رہتی ہے ناصر کے قدم بے اختیار اس کی طرف بڑھ گئے۔ اس وقت اسے کچھ یاد نہ رہا نہ تو طبقاتی اونچ نیچ نہ ہی عثمان کے چند نصائح۔ بس ایک وحشی سی آرزو خاں دار جھاری کی طرح اس کے تن من سے لپٹ گئی اور ناصر سارہ کے قریب آکھڑا ہوا اور کہنے لگا۔

”بیٹھنے کو نہیں کہیں گی میڈم۔“

”ہاں ہاں بیٹھو کوئی ضروری کام ہے کیا؟“ سارہ نے اس کے دیکتے چہرے اور مسکور کن نگاہوں سے نظریں پھیرتے ہوئے کہا۔ ”جی وہ کوئی کام تو نہیں تھا آپ کے ساتھ۔ صرف کچھ کہنا چاہتا تھا۔“ وہ ہاتھوں کو باہم رگڑتے ہوئے قدرے لجاجت سے بولا۔

”تو ٹھیک ہے کہہ ڈالئے پھر جلدی سے ساڑھے پانچ بجے میری ایک دوست جی آر سی ہے۔“ سارہ نے جھٹ کلائی آنکھوں کے سامنے کر کے اپنی گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

”وہ دراصل میں یہ کہہ رہا تھا کہ میرا روزانہ کئی قسم کی ٹزکیوں سے واسطہ پڑتا ہے مگر آپ کی طرح مجھے کسی نے بھی اس طرح متوجہ نہیں کیا۔“ وہ خشک گلے سے تموک نکل کر بھرائی ہوئی آواز میں کہنے لگا۔

سارہ نے قدرے تعجب سے اپنی بڑی بڑی آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر بولی

”ہاں تو پھر۔“

ناصر کچھ نزوں ہو گیا مگر پھر اپنے آپ کو سنبھال کر بولا۔ ”جی آپ تو نہایت حیرت سے مجھے دیکھنے

اس کے گھر میں قدم چما رہی تھی وہ جب بھی والدین سے ملنے جاتا ٹٹھوں سے لدا پھندا جاتا اور اب تو اس نے گندے محلے سے مکان بھی تبدیل کر لیا تھا۔ عثمان نے جب سے اسے سارہ کے بارے میں سمجھایا تھا تو وہ پہلے کی نسبت محتاط تو ہو گیا تھا پھر بھی سارہ سے جب بھی سامنا ہوتا اسے اپنے دل پر اختیار نہ رہتا مگر لگتا تھا کہ سارہ کو بھی اپنے منفرد اور مخصوص ہونے کا شدید احساس تھا۔ ناصر اس سے کسی نہ کسی بہانے بات کرنے کی کوشش میں رہتا مگر وہ اکثر اسے متعجب فریم والے بڑے سے صوفے میں دھنسی کسی مشہور انگریزی مصنف کے ناول میں کھوئی یا اپنی کسی اعلیٰ کلاس دوست کے ساتھ فون پر آرٹ اور پلٹر پر گفتگو میں مصروف ملتی۔

سیٹھ کریم بخش برنس کے سلسلے میں چند روز کے لئے ہانگ کانگ گیا ہوا تھا۔ جاتے وقت وہ ناصر کے ذمہ لگا گیا تھا کہ کچھ کمروں میں الیکٹریشن کے ساتھ رہ کر بجلی کی فٹنگ درست کرادے۔ کیونکہ ایئر کنڈیشنر صحیح کام نہ کر رہے تھے۔ وہ روزانہ کوٹھی جاتا مگر سارہ سے اس کی ملاقات نہ ہو سکی۔ آخر ایک دن وہ اسے لان میں فوارے کے پاس بیٹھی مل ہی گئی۔ اس وقت وہ بڑے موڈ میں تھی اور اپنے اسیوں کتے کے ساتھ کھیل رہی تھی۔ یہ گلگتاتی سی سہ پہر تھی۔ فضا ایک مست آوارہ سی خوشبو سے بوجھل تھی۔

آج ناصر خاص طور پر نیا سون بہن کر آیا تھا۔ جو اس کے لمبے چوڑے سر اچھے اور سرخ و سفید رنگت پر بے حد ج رہا تھا۔ ہال بھی نہایت اہتمام سے سیٹ کئے گئے تھے جب وہ قریب سے گزرا تو اس کے پاؤں کی آہٹ پر سارہ نے مز کر دیکھا اور پھر اس کی نظریں ایک ڈنپہ کے لئے ناصر کے وجہ سراپا پر تک سی گئیں ناصر نے بھی سارہ کی طرف نظر بھر

جیون کے گھرے پانی میں ہے تو اک گرداب میں ہوں اک سوکھی ٹہنی پر رکھا سرخ گلاب کچھ دن بعد سیٹھ واپس آیا اور ناصر کو بلا بھیجا۔ ”میری عدم موجودگی سے قاعدہ اٹھا کر تم نے میری بیٹی کو ورغلانے کی کوشش کی۔ میں کہتا ہوں تمہیں یہ جرات کیسے ہوئی ننگ حرام ٹٹ پوچھے؟“ سیٹھ زخمی شیر کی طرح پھنکارنے ہوئے بولا۔ ”میں نے آج تک اس پر کسی مرد کا سایہ تک نہیں پڑنے دیا۔“ ایک اور نیا وچکا نیا صدمہ ناصر کے وجود کو بھینچوڑتا چلا گیا۔

”تو سارہ نے صرف خود بے عزتی کرنے پر اکتفا نہ کیا بلکہ باپ کو بھی میرے خلاف بھڑکا دیا۔“ ناصر کے اڑے ہوئے اعصاب حرید جھنجٹا اٹھے۔ ”بنیا باپ کی بنیادہنیت کی بیٹی۔“ ناصر نے دانت میں کرسوچا اور اس نیک لمحے میں جو بیچارے سارہ سے تھا نفرت کا کڑوا زہر بن کر اس کے رگ و پے میں سرایت کر گیا۔

”گندنی تالی کے ذیل کیڑے! میں نے تجھے انسان بنانے کی کوشش کی اور تم لگے حد سے بڑھنے تم نے اپنی حیثیت کو جلد ہی بھلا دیا۔ ہیں؟“

”بہت شکریہ کہ آپ نے مجھے انسان بنایا لیکن میرا خیال ہے کہ جسے خود انسانوں کی طرح بولنا نہ آتا ہو وہ کسی کو کیا انسان بنائے گا اور آپ کی اطلاع کیلئے عرض ہے سیٹھ صاحب کہ میں نے بھی دن رات ایک کر کے جان ہتھیلی پر رکھ کر آپ کیلئے اٹھک کام کیا ہے۔“ ناصر نے بھی جواب دیا۔

”میں کہتا ہوں بند کرو بکواس اپنی اور دقتان ہو جاؤ یہاں سے اور آئندہ کبھی اپنی صورت دکھانے کی کوشش نہ کرنا۔“ سیٹھ نے ہاتھ میں پکڑا بید لہرایا۔ ”ٹھیک ہے آپ میرا حساب جو آپ کے ذمہ لگتا ہے وہ بے باق کر دیں میں خود بھی ایک

لگیں مگر میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ایک انسان لاشعوری طور پر جب دوسرے انسان کو اپنی طرف کھینچتا ہے تو دونوں کے درمیان ضرور کوئی نہ کوئی چینی ہم آہنگی پیدا ہو جاتی ہے۔“

”ناصر صاحب بھی آپ نے عمل میں ٹاٹ کے پیوند کی حقیقت کو سمجھا ہے۔“ سارہ نے سرخ چہرے کے ساتھ کہا۔ ”میرے اور آپ کے درمیان زمین آسمان کا فرق ہے اور ایسی بات کرنے سے پہلے آپ کو سوچ لینا چاہئے تھا۔“

”یہ سب آپ کا خود ساختہ کامیاب کس ہے مس سارہ! ورنہ خدا کے نزدیک سب برابر ہیں اور پھر مجھ میں کس بات کی کمی ہے بہر حال وقت کے ساتھ ساتھ آپ کو خود ہی معلوم ہوگا کہ اس حالیشان حویلی کی اس عارضی جنت میں خود کو محبوس کر کے آپ روح کی اس پکار سے کان بند کر رہی ہیں جو کہ زندگی میں صرف ایک بار دل پر دستک دیتی ہے۔“ ناصر نے بھی ہمت کر کے کہا۔

سارہ پہلے تو پوری کھلی آنکھوں سے ناصر کی بات سنتی رہی پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس کی آنکھوں کی نیلا ٹھیس شعلے سے اگلنے لگیں وہ کرسی سے نیکدم اٹھ کھڑی ہوئی اور تھلا تے ہوئے پاؤں ٹیخ کر بولی۔

”نائی فٹ۔ چلے جاؤ یہاں سے I SAY GET OUT“ وہ اٹلی سے گیٹ کی طرف اشارہ کر کے چلے ہوئے سانسوں کے درمیان بولی۔

ناصر کو سارہ سے ایسے رویے کی امید نہ تھی۔ پہلے تو اس نے بھونچکا ہو کر سارہ کی طرف دیکھا اور پھر سر جھکا کر باہر جانے کو قدم بڑھا دیئے۔ باہر سڑکتی ہوئی سی شام چھا رہی تھی اداسی بال بھرائے رورہی تھی۔ ناصر خستہ اور ورغاندہ اپنے نوخیز ارمانوں کی لاش کندھے پر اٹھائے وہاں سے نکلا اور سارہ پاؤں پٹختی ہوئی کمرے کی طرف چل دی

اور کس جگہ پر ہوں؟" ہر سوال ایک لمحہ کیلئے ذہن کی دھند سے اٹتا لیکن جواب نہ پا کر پھر اسی دھند میں کھو جاتا۔ اس نے سر ہلانے کی کوشش کی تو درد کی شدت سے اس کی چیخ نکل گئی اور اس کا سر جہاں تھا وہیں رہ گیا۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر سر کو نولا۔ سر پر ہٹی بندھی ہوئی تھی مگر کانوں اور گردن کے نیچے خون کے کھرڑ جھے ہوئے تھے۔ اس نے ٹانگ سرکانے کی کوشش کی مگر معلوم ہوا تمام جسم کا جیسے ایک ایک جدا ہو چکا ہے۔ ایک دل دوز کراہ اس کے زخمی سینے سے نکل کر کوٹھڑی میں گونج اٹھی۔

یگھت ایک سایہ سا لپک کر اسکی طرف آیا اور اس پر جھک گیا مگر اتنے میں وہ پھر بیہوشی کی سرحدوں کو چھونے لگا اور پھر نجانے کتنی ہی ساعتیں ہوش و بے ہوشی کے پل صراط پر گزارنے کے بعد اس نے مکمل طور پر ہوش میں آتے ہوئے جب آنکھیں کھولیں تو کوٹھڑی کی کھڑکی میں سے آتی ہوئی روشنی کی کرنوں اور جنگل کے بیڑوں کی تازہ خوشبو نے اسے زندگی کا احساس دلایا۔ "کیا میں زندہ ہوں ہاں شاید میں زندہ ہوں لیکن میں تو مر گیا تھا۔" وہ سوچنے لگا اور اس کا ذہن جیسے خلا میں پکولے کھانے لگا۔

"اب یہ مکمل ہوش میں آچکا ہے اور اس کی حالت خطرے سے باہر ہے۔"

قریب بیٹھے ڈاکٹر کی آواز پر اس نے آنکھیں کھما کر دیکھا۔ سامنے ایک بوڑھا کھڑا مترجم نظروں سے اسے بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔

"مگر اس کی صورت میں واضح تبدیلی آجائے گی۔" ڈاکٹر نے اس کے ناک کے بانسے پر انگلی پھیرتے ہوئے کہا ڈاکٹر کے رخصت ہونے کے بعد بوڑھے نے ہر سے پوچھا۔ "اب زیادہ درد تو نہیں ہو رہا ہے جیسے؟"

منٹ یہاں رہنا نہیں چاہتا۔" ناصر نے آنسو پیتے ہوئے کہا۔

"حساب، کیا حساب، کس کا حساب کون سا حساب؟ ارے میاں چلتے پھرتے نظر آؤ۔ یہ جو اٹلی سے اٹلی پہنچتے اور کھاتے رہے اور گھر بیچتے رہے یہ سب تمہارے باوا کا مال ہے کیا؟ نہ تو یہ فرم تمہاری نہ ہی تم پانژر محض دو کوزی کے ملازم ہو کر اتنی اکڑ فون دکھانے کی کیا ضرورت ہے۔؟" سینہ تسخیر بھرے لہجے میں بولا۔

"مگر وہ رقم جو ہر ہار مال پہنچانے کے بعد آپ کہا کرتے تھے کہ دو ہزار مزید تمہارے اکاؤنٹ میں جمع کر دیا گیا ہے۔ اب تک لاکھ سے اوپر ہو چکی ہے میں اس کا ذکر کر رہا ہوں۔ کوئی خیرات نہیں مانگ رہا۔" ناصر نے دانت بچھنج کر کہا۔ "نہ ہی انعام مانگ رہا ہوں۔"

بوڑھے کے سر کو جھٹکا سا لگا اور غصے سے اس کے سر کے بال جیسے کھڑے ہو گئے۔ اس کے خزانہ مکروہ چہرے پر مزید خباثت پھیل گئی۔ وہ کھوکھلا سا قبچہ لگا کر بولا۔ "ٹھیک ہے جلد ہی تمہیں تمہارا حق بھی مل جائے گا اور انعام بھی لیکن اس وقت بتنی جلدی ہو سکے میری نظروں کے سامنے سے ہٹ جاؤ۔" وہ اپنی استخوانی انگلی اٹھا کر بولا۔

اور پھر اسی رات سیٹھ کے کرائے کے فنڈوں نے ناصر کو اس کا حق بھی بلوایا اور انعام بھی۔

جب ناصر کی آنکھ کھلی تو اس نے خود کو ایک نیم تاریک کمرے میں چار پائی پر پڑے پایا۔ طالعے پر رکھی ایک لائٹن کمرے کو روشن کرنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ مٹی کے تیل اور سیلن کی بدبو اس کے ارد گرد پھیلی ہوئی تھی وہ آنکھیں جھپ جھپک کر چند لمحے سوچتا اور حیران ہوتا رہا۔

"میں کون ہوں؟ کیا ہوں؟ کیوں ہوں؟"

ناصر نے غور سے بوڑھے کو دیکھا تو اس کی صورت جانی پہچانی نظر آئی۔

”مجھے پہچانو ناصر میں سیٹھ کریم کا نشتی ہوں جب غنڈے تمہیں ختم کر کے جنگل میں پھینک گئے تو میں جو چپکے چپکے ان کا پیچھا کر رہا تھا تمہارا نیم مردہ جسم ڈھونڈنے میں کامیاب ہو گیا۔ ان کے جانے کے بعد میں تمہیں اٹھا کر اس کوٹھڑی میں لے آیا۔ ڈر کے مارے ہسپتال تو نہیں پہنچا سکتا تھا یہ خدا ترس ڈاکٹر میرا پرانا واقف ہے اس سے میں نے تمام ماجرا بیان کیا تو اس نے اپنی تمام کوششیں تم پر صرف کر ڈالیں تم اب تک خون کی بوتلوں اور گلوکوز پر زندہ ہو اور تمہارا بیج رہتا بھی مجھ سے کم نہیں ہے۔ خیر میں اب تمہارے لئے چائے لاتا ہوں“ جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے۔“ یہ کہہ کر بوڑھا باہر نکل گیا۔

سیٹھ کے غنڈوں نے ناصر کو نہایت بے دردی سے مارا تھا۔ خصوصاً چہرے پر تو اسے اسکی ضربیں لگی تھیں کہ اس کے چہرے کی ہجیت ہی تبدیل ہو کر رہ گئی تھی۔ اب وہ قدرے بہتر تھنشی نے اسے شہر سے باہر ایک جنگل میں نہایت خفیہ مقام پر رکھا ہوا تھا۔ تاکہ اس کے پاس اس کی آمد و رفت کو کوئی معلوم نہ کر لے۔ وہ تقریباً روزانہ ہی ضروریات زندگی لے کر اس کے پاس پہنچ جاتا ناصر اس شخص کا نہایت ہی شکر گزار تھا وہ اکثر سوچتا کہ اگر یہ نہ ہوتا تو وہ جنگلی درندوں کا لقمہ بن گیا ہوتا۔

”بابا کیا تمہارا اس دنیا میں اور کوئی نہیں جو تم میرے ساتھ اتنی شفقت کا برتاؤ کرتے ہو؟“ ایک دن ناصر بابا سے پوچھ ہی بیٹھا۔ یہ سنتے ہی بوڑھے میاں کی آنکھوں میں آنسو بہنے لگے۔ ”بیٹے تم ٹھیک سمجھے ہو۔“ وہ آنسو پونچھتے ہوئے بولا۔ ”میرا اس دنیا میں کوئی نہیں ایک جینی تھی وہ..... وہ..... مجھ اب تجھے بتاتے ہوئے سخت شرم محسوس ہوتی ہے“ وہ

خفیہ مردود سیٹھ کریم بخش کی ہوس کا شکار ہو گئی۔ وہ نادان تھی شادی کے وعدے پر سبز باغ دکھا کر اسے کہیں کا نہ چھوڑا۔ یہ خراوت تو اس سے پہلے بھی کئی بھولی بھالی نادان عاقبت اندیش لڑکیوں کو برباد کر چکا ہے۔ میری بچی غیرت مند تھی اس نے زہر کھا کر زندگی ختم کر لی۔ اس وقت سے میرے دل میں اس بے فرقت کی مختلف عم و غصہ کا لاوا اٹل رہا ہے۔ آرزوئے انتقام سے میں کب کا تھلا رہا ہوں مگر اپنی بے بسی اور بے مائتگی کی وجہ سے کوئی ذریعہ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کس طرح اپنے دل میں بھڑکتی ہوئی آگ کو غنڈا کروں۔“

یہ سب سنتے ہی ناصر نے اٹھنے کی کوشش کی مگر درد کی اسکی ٹیس اٹھی کہ ہڈیاں چڑچڑا کر رہ گئیں اور اسی درد کی اذیت اور بے پناہ کرب نے اس کے دل میں تھپی اس نفرت کی بھٹی کو مزید ہوا دی جو کہ اسے سینہ اور اس کی بیٹی سے ہو چکی تھی مگر وہ بھی بے بس تھا اور ہڈیوں کی بالابن چکا تھا۔ اب ناصر وہاں تھا ہی کہاں اس کے چہرے کے نقوش جو انسان کی پہچان ہوتے ہیں اس طرح مسخ ہو چکے تھے کہ وہ کچھ کا کچھ بن چکا تھا۔

چند ہفتوں کے بعد وہ اس قابل ہوا کہ چاروں ہاتھوں پاؤں کے بل آہستہ آہستہ کمرے کے اندر چل پھر بیٹھا اور کوئی نہ کوئی چیز ہاتھ میں پکڑ لیتا۔ اب اس کی زندگی ایک لامتناہی صحرائی تھی۔ ایک ہولناک تنہائی اور سناٹا تھا اور اس کی مجرد زندگی تھی وہ ایک چھل بے گل لہر تھا جو ساحل سے ہم آغوش ہونے کی تمنا کرتے کرتے ایک چٹان سے ٹکرا کر پارہ پارہ ہو چکا تھا اب سب کچھ ختم ہو چکا تھا صرف ان کا لبو لبو وجود تھا۔ اس کے ریزہ ریزہ نواب تھے اور ان ریزوں کی جھمن اس کی روح کو تڑپاتی رہتی اسکی آندھی چلی تھی کہ اس کی منزل کا نام و نشان تک مٹ

پہننا اور بھر پامال و مجروح ہو کر تخت اٹھائی کی پستیوں میں آگنا کتنا روح فرسا انقلاب تھا۔ ہر لمحہ ہر پہل اسے اپنی بد قسمتی کا احساس دلاتے ہوئے گزرتا۔ روشنی کے بعد آنے والا اندھیرا کس قدر بھیانک لگتا ہے اور آج اس نے تنگ آ کر باہر نکلنے کا فیصلہ کر ہی لیا جب بابا آیا تو اس نے بتایا۔

”بابا میں ذرا اس جگہ تک جانا چاہتا ہوں جہاں میں سینٹھ کا مال پہنچایا کرتا تھا۔“

”ارے ارے بھڑکتی مصیبت میں نہ پھنس جانا۔ سینٹھ بڑا مکار اور کائیاں آوی ہے۔“ بابا نے دہل کر کہا۔

”اب تو وہ مجھے کیا پھنسائے گا جب اس نے میرا حلیہ ہی بدل کر رکھ دیا ہے اور بھر اس کے خیال میں تو مر کھ بھی چکا ہوں۔“ ناصر نے زہر خند لہجے میں کہا تو بابا اسے پرسوج لگا ہوں سے دیکھنے لگا۔ ٹوٹی ہوئی ناک نیز سے جزے اور بڑھی ہوئی ڈاڑھی میں وہ ایک قطعی مختلف آوی لگ رہا تھا۔

آخر وہ چھپتا چھپاتا عمارتوں اور درختوں کی اوٹ لیتا اس پہاڑی مقام کی طرف جا ہی پہنچا۔ جہاں وہ ناؤ ننگی میں ہی جان بھٹکی پر رکھ کر سمگلنگ کا سامان پہنچاتا رہا تھا۔

وہی دشوار گزار سرسبز پگھڑیاں بڑے بڑے پتھروں کے ساتھ اگی ہوئی گھاس میں سے سر نکالے بے شمار لہنہاتے ہوئے خود رو پھل دور پرے نشیب میں ایک ندی بہتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی جس کے دو پہلے پانی پر شفق کی کرنیں رقصاں تھیں اور گھاس کی پتیوں پر طلوع ہوتے سورج کی نظر پڑتے ہی شبنم کے موٹی اہنا وجود کھونے لگے تھے۔ درختوں کی ٹہنیوں میں چھپی چڑیاں شور مچا رہی تھیں اوپر آسمان کی پہنائیوں میں پرندے پر پھیلائے اڑ رہے تھے نضا میں ایک روہن انگیز تاثر تھا اور

کر رہ گیا تھا۔ ناصر کی رگوں میں خون کی جگہ پھسل ہوئی آگ و دوزخ رہتی جس کی حدت سے جسم تو جسم اس کی روح تک جھمکتی رہتی۔

بالآخر کچھ عرصے بعد وہ اتنی توانائی محسوس کرنے لگا کہ اب وہ سیدھا ناگوں پر کھڑا ہو سکتا تھا۔ بابا کے پاس سینٹھ کے بہت راز تھے اب ناصر کو بھی پتہ چل چکا تھا کہ سینٹھ ایک بہت بڑا سمگلر تھا اور بظاہر بزنس کا چکر چلائے ہوئے تھا۔

”شکر کرو میاں تم پکڑے نہیں گئے ورنہ اب تک جیل کی ہوا کھا رہے ہوتے وہ تم سے سمگلنگ کا کام لیتا رہا ہے۔“ بوڑھے بابا نے ناصر کی پیٹھ پر تھپک کر کہا۔

”میں تو کہتا ہوں بابا اس دنیا میں غریب ہونا بھی بہت بڑا جرم ہے نجانے قدرت نے کیوں پیدا کر دیا ہمیں۔“ ناصر ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

”قدرت کی ہر تخلیق میں کوئی نہ کوئی مصلحت ہے میاں۔ اس کے نزدیک کوئی بھی شے غیر اہم نہیں ہے خدا کے نزدیک چھوٹا بڑا سب برابر ہیں وہ جسے چاہے جس طرح نوازے۔ تصور تو ہمارا اپنا ہے۔ ہمارے کردار میں وہ چیز نہیں ہے جو فطرت کا حصہ ہوتی ہے۔ ہمارے دل نفرتوں اور اونچ نیچ کی آماجگاہ ہیں لالچ اور ہوس ہمارا مقصد حیات بن چکے ہیں“ بابا نے شکر نیچے میں جواب دیا تو ناصر کے منہ سے سرد آہ نکل گئی۔

”میں ہوں امیدوں کا قیدی اپنے لہو کا خواب تمہاری خواہش زندان میرا۔“

جب ناصر تنہا ہوتا تو بے چارگی سے جھونپڑی کے چاروں طرف دیکھتا چند دن پہلے وہ ایک مسرور انسان تھا۔ جس کی قسمت کا ستارہ چمک رہا تھا مگر اب اس کی رنگین تمنائیں خاک میں مل چکی تھیں خوشیوں کے مدارج طے کرتے کرتے آسمان تک جا

ناصر چٹان کے پیچھے سے نکلا اور بمشکل کسی نہ کسی طرح اس زخمی شخص تک جا پہنچا۔ اس آدمی کا چہرہ درد سے زرد ہو رہا تھا اور خون اس کے کپڑوں سے رس رہا تھا۔ ناصر کو دیکھتے ہی وہ خوفزدہ لہجے میں اٹک اٹک کر کہنے لگا۔

”ک..... کک..... کون ہو تم..... میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔“

”میں جو بھی ہوں تمہارا خیر خواہ ہوں دوست۔ مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں میں نے جب دیکھا کہ وہ تمہیں ختم کرنے کے درپے ہیں تو میں نے ہی پہاڑی پر سے جھوٹ موٹ پولیس پولیس کی آوازیں نکال کر ان کو بھاگنے پر مجبور کیا۔“

”بہت بہت شکریہ اللہ تمہیں اس نیکی کا اجر دے۔“ وہ بڑے کرب سے ہونٹ کاٹ کر کہتے ہوئے بولا۔

”آپ کی حالت ٹھیک نہیں ہے آپ نمبریں تو میں کسی گاڑی کا انتظام کر کے آپ کو ہسپتال لے جاؤں۔“

”نہیں نہیں مجھے کہیں مت لے جاؤ میں کہیں بھی جانے کی پوزیشن میں نہیں ہوں مجھے یہیں چھوڑ دو۔“ یہ کس طرح ممکن ہے کہ آپ کو ایسی حالت میں یہیں چھوڑ دوں آخر انسانی ہمدردی بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ میں آپ کو کندھے پر اٹھا کر لے جاتا اگر خود بھی بیمار نہ ہوتا۔ بہر حال میرا خیال ہے کوئی نہ کوئی بس یہ گاڑی مل ہی جائے گی۔“

”دیکھو میری بات سنو۔“ وہ ہانپتے ہوئے بولا۔ ”پولیس میرے پیچھے ہے اور پھر وہ غنڈے بے حد خطرناک ہیں میرے ساتھ وہ آپ کو بھی زندہ نہ چھوڑیں گے بس مجھے یہیں میرے حال پر چھوڑ دیجئے۔“

ناصر عیب شش و پنج میں تھا آخر اسے یاد آیا

درختوں میں سے گزرتی ہوئی ہوا کی شاخیں شاخیں ماحول کو پر اسرار بنا رہی تھیں۔

ناصر تھوڑا اوپر کھینچ کر سستا رہا تھا کہ اچانک فائر کی آواز سے اس کا دل ایسا دھڑکا جیسے پسلیاں توڑ کر باہر آگرے کا ناصر وہیں دبک گیا۔ ایک منٹ بعد پھر فائر کی آواز آئی ناصر نے اندازے سے سمت کا تعین کیا تو معلوم ہوا کہ فائر وہاں کا رخ کم از کم اس کی طرف نہیں ہے۔ تجسس نے پھر سر اٹھانے پر اسے مجبور کیا اور وہ آہستہ آہستہ رہنمائی پتھروں کی لوٹ لیتا ہوا اوپر کو ٹھکنے لگا اور جونہی وہ پہاڑی کی چوٹی پر پہنچا تو ایک پتھر کے پیچھے سے سر نکال کر دیکھا۔

”اف میرے خدایہ تو وہی غنڈے معلوم ہوتے ہیں جنہوں نے مجھے مارا تھا۔“ یکدم ناصر کے منہ سے لکھا اور پتھر کے پیچھے دبک کر ان کی حرکت و سکنت کو دیکھنے لگا۔

غنڈوں کے پاس ریوالور تھے اور وہ ایک شخص کا تعاقب کر رہے تھے جو اب وہ شخص بھی اوٹ لے لے کر فائر کر رہا تھا لیکن سخت زخمی معلوم ہو رہا تھا۔ اس کے کپڑے خون سے تر تھے اور وہ بڑی مشکل سے ان سے جان بچا رہا تھا۔ ناصر کا دل جذبہ رحم سے لبریز ہو گیا اور اس کا دماغ اس شخص کو ان غنڈوں کے چنگل سے بچانے کی کوئی تدبیر سوچنے لگا اور جونہی غنڈوں کا گھیرا اس کے گرد تنگ ہونے لگا ناصر دلوں ہاتھوں کا ہنگل سامنا کر منہ پر رکھتے ہوئے دہشت زدہ آواز میں زور سے چلایا۔

”پولیس! پولیس! ارے بھاگو بھاگو“ اور خود ایک چٹان کے پیچھے پیچھے چھپ گیا۔ غنڈوں نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا اور پھر تتر بتر ہو کر بھاگتے اور ہوائی فائر کرتے ہوئے پرے کھڑی جیب میں دم دم کود کر سوار ہو گئے اور ڈرائیور نے جیب دوڑا دی۔

آئی اور وہ ہنگی لے کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گیا۔ ناصر نے راتوں رات اسے دفن کیا اور قبر پر فاتحہ پڑھ کر آدمی رات کو اپنی پرانی جھونپڑی میں جا پہنچا جہاں بابا بے چینی سے اس کا انتظار کر رہا تھا۔ دونوں نے مل کر جب بریف کیس کھولا تو اس میں سے ساٹھ لاکھ کی رقم برآمد ہوئی ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ بابا نے ایک پرانی رضائی اویڑ کر تمام رقم اس میں ہی دی اور صبح کاؤب کے تلے اندھیرے میں یہ شہر چھوڑ گئے۔

ناصر نہایت باصلاحیت نوجوان تھا اتنی بڑی رقم ہاتھ آ جانے کے بعد اس میں حد درجہ اعتماد بھرا آیا۔ وہ ذہین نوجوان تھا مگر حالات کے ہاتھوں اس کی صلاحیتیں دبی ہوئی تھیں قدرت کی طرف سے دن پھرنے لگیں تو قسمت کی ہوی ایسے بھی مہربان ہو جایا کرتی ہے۔ اب ناصر بہت بڑا رئیس کہلاتا تھا اور اس کا بزنس بہت پھیلا ہوا تھا۔ پلاسٹک سرجری کے بعد اس کی پہلی ہی صورت تو لوٹ کر نہ آسکی تھی لیکن ٹوٹے پھوٹے نقوش کی سرجری ہو کر وہ پہل سے قطعی مختلف مگر نہایت ہی خوب و دلکش اور دلچسپ شخص نظر آتا تھا۔ جسے دیکھ کر کوئی بھی نہ کہہ سکتا تھا کہ یہ وہی ناصر ہے اب اس نے اپنا نام بھی بدل کر سید شاہد حسین رکھ لیا تھا۔

عزت، دولت و ثروت منڈیر پر بیٹھے اس کو سے کی مانند ہے جو آڑ کر کبھی اس منڈیر پر بھی اس منڈیر پر کائیں کا میں کرتا ہے۔

اس بے وفا کا شہر لٹی لٹی سی کوئی آرزو بکھرا ہو کوئی خواب جس خواب کی کڑیوں میں اس کے دل کا نہ شامل تھا۔ جب بھی وہ کیلا ہوتا اس کے احساس کے ایوانوں میں ہنسی کے شمس اس کی روح میں نشتر کی طرح اتر جاتے اور وہ جیسے اناروں پر لوستے لگتا۔ انتقام کی آگ اس کے حلق میں جیسے

جن دنوں وہ یہاں مال پہنچانے آیا کرتا تھا تو یہاں قریب ہی ایک جھونپڑی میں ایک مست ملنگ قسم کا شخص رہتا تھا ناصر کسی نہ کسی طرح بڑی مشکل سے اس شخص کو وہاں پہنچانے کی کوشش میں کامیاب ہو ہی گیا۔ اب جھونپڑی خانی پڑی تھی لیکن وہاں ضروریات کی کافی چیزیں مل گئیں ناصر حتی الامکان اس کی دیکھ بھال کرتا رہا شہر جا کر کچھ سپرٹ مرہم اور پٹیاں وغیرہ بھی ملے کر آیا مگر زخمی کی حالت دن بدن گہڑتی گئی۔ ایک تو وہ ڈاکٹروں کو لانے یا ہسپتال جانے کے بالکل خلاف تھا اور اسے اب سے تیز بخار نے بھی آگیرا وہ بے ہوشی میں ڈوبا ہوا رہتا۔

تیسری رات ناصر کی آنکھ لگی ہی تھی کہ اس کے کراہنے کی آواز پر پھر کھل گئی۔ ناصر اٹھ کر اس کے پاس گیا تو وہ بڑی مشکل سے کہنے لگا۔

”ناصر میری بات سنو بڑے غور سے۔ میرا آخری وقت آ پہنچا ہے تم نے تو میری بڑی خدمت کی میں تمہاری اس انسان دوستی سے حد درجہ متاثر ہوا ہوں سیٹھ کا میں پازنر تھا اور ایک بڑی رقم پر میرا اس سے جھگڑا ہو گیا جو کہ میں کسی بھی صورت اس کے حوالے نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ رقم میں نے ایک جگہ فن کر رکھی ہے جہاں سیٹھ کے غنڈے ساری زندگی نہیں پہنچ سکتے۔ تمہاری بے لوث رفاقت نے مرتے مرتے بھی میری اندھیری راہوں میں خلوص کی شمع روشن کی ہے میں تمہارے اس خلوص کی اور تو کوئی قیمت ادا نہیں کر سکتا مگر میں تمہیں وہ رقم اپنی طرف سے تحفہ میں دیتا ہوں اور یہ تحفہ تمہیں قبول کرنا ہوگا۔“

ناصر کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اس نے کبھی بھی اپنے سامنے کسی کو مرتے نہیں دیکھا تھا۔ دوسرے دن اسے خون کی ایک بڑی سی تہ

ابو بکر صدیق

ترمذی

عشمان غنی

صبر علی

سیارہ ڈائجسٹ کی ایک اور ایمان افروز فخریہ پیشکش



نشانی ہو جائے

خلفائے راشدین سر کی چند نمایاں خصوصیات

- خلفائے راشدین کے مشقی بیٹوں کے نواسے سے ایمان مندرجہ واقعات
- خلفائے راشدین کی ذاتی اور گھبر جوڑنے کی مکمل تصویب
- اسلامی سرحدوں کے لیے ان کی بے مثال قربانیوں کے تذکرے
- دنیا و پاکستان اور خلفائے راشدین کے حوالے سے دلچسپ روایات
- خلفائے راشدین کا اور ساتھی
- اس علاوہ خلفائے راشدین کے دورِ خلافت کے معاشی، سماجی، تعلیمی نظام اور ان کے عسکری کاموں کا تفصیلی حوالہ

244 مین مارکیٹ ریلوے گارڈن لاہور

فون: 7245412

کانٹے سے اگاوتی۔

سامنے کی ایک میز پر جا کر بیٹھ گیا جو نئی سیٹھ شاہ حسین کے باڈی گارڈز نے سیٹھ کریم کی میز پر آ کر اوب سے سر جھکا کر کہا۔

”سر سیٹھ شاہ حسین صاحب سلام کہتے ہیں۔“
تو سیٹھ کریم نے چمک کر قریبی میز کی طرف دیکھا اور شاہد کی میز پر آ کھڑا ہوا سیٹھ شاہد نے بھی مصالحتی کے لئے ہاتھ بڑھایا۔

”سیٹھ صاحب! میں نے آپ کا بڑا چرچا سنا ہے مجھے آپ سے ملنے کا بہت شوق تھا۔ سارہ بیٹی آپ بھی یہاں آ جاسیے۔ ان سے ملنے یہ وہ سیٹھ شاہد حسین صاحب جن کا کل میں ذکر کر رہا تھا۔ وہ دشمن جاں اپنی سیٹھ سے اٹھی اور ایک نکلتی سر سبز شہنی کی طرح ہوا میں جھومتی ہوئی اس کے سامنے آئی تھی اور زیر لب تبسم کے ساتھ اپنی حیرت انگیز طور پر بڑی بڑی جھالروں والی پلکوں کو اٹھاتے گراتے جادو بھری آنکھوں سے سیٹھ شاہد حسین کو دیکھنے لگی۔

سیاہ چشمے کے پیچھے سے شاہد کی آنکھیں سلگ اٹھیں اور نفرت کی ایک تیز لہر اس کے تن بدن کو تیز و حار چھری کی طرح چیرتی چلی گئی۔ مگر وہ اپنے آپ پر کنٹرول کرتے ہوئے بولا۔

”اے صاحب! اس شہر میں اس ہوٹل کو خرید کر میں یور ہو رہا ہوں۔ زیادہ رقم کے تو میں نے مختلف کمپنیوں کے شیئرز خرید رکھے ہیں اب کہتا ہوں کہ یہاں کے کسی تجربہ کار آدمی سے شراکت کر کے کوئی معمولی سا سٹراشی لاکھ کا کاروبار ہی کیوں نہ کر لوں۔ سیٹھ شاہد حسین نے کولڈ ڈرنک کا گھونٹ لے کر منہ بگاڑتے ہوئے کہا۔ تو سیٹھ کریم بخش جو کہ اسے بڑی دلچسپی سے کر رہا تھا یہ سن کر اس کی باجھیں ہی کھل گئیں اور خوش ہوتے ہوئے کہنے لگا.....

”جناب آپ کسی وقت فارغ ہو کر میرے دفتر میں تشریف لائیں تو ذرا گفت و شنید ہو جائے۔ شاگ

آخر ایک دن اس نے اپنے پرائیویٹ سیکرٹری کو جہانڈ میں سینیں بک کر دینے کیلئے کہہ ہی ڈالا اور وہ پتھروں کے اس شہر میں جہاں سے وہ اپنی بے آواز دستکوں کے ساتھ چر چر وجود کو لئے نکلا تھا ایک بار پھر نئے انداز سے وارو ہوا اور آج کل عثمان والے اسی پرانے فائبر ہوسٹل میں ٹھہرا تھا۔ اس کی شخصیت امارت اور شاہ خرچی کا بڑا چرچا پھیلا ہوا تھا۔ اس نے آتے ہی ہوٹل کے منیجر کو پانچ لاکھ روپے بطور امانت رکھنے کو دیا اور منیجر کے حیران ہونے پر بولا۔

”ارے بھئی اتنی تھوڑی بہت رقم تو ساتھ رہتی ہے اور پھر میں خواستواہ آپ لوگوں کو چیکوں اور بینکوں کے چکر لگوانے کی کہاں زحمت دیتا پھروں۔“
منیجر ایسا مرعوب ہوا کہ ہر وقت جی حضوری کرتے کرتے سیٹھ شاہد حسین کو ہوٹل کے تمام اندرونی حالات سے آگاہ کر دیا۔ معلوم ہوا کہ بظاہر چمکتا دمکتا کروفر والا ہوٹل اندر سے گھانے میں جا رہا ہے چنانچہ مالکان سے بات چیت کے بعد شاہد نے وہ ہوٹل خرید لیا اور اوپر والی منزل میں ردوبدل کر کے ایک شاندار سوٹ تیار کروایا۔ اپنے باڈی گارڈ کے ساتھ جب وہ عثمان کے قریب سے گزرتا تو وہ بھی مودب ہو کر اٹھ کھڑا ہوتا اور سلام کے لئے ہاتھ مانتے پر رکھ لیتا اور سیٹھ شاہد حسین کے سیاہ چشمے کے پیچھے چھپی آنکھیں یہ دیکھ کر مسکرائے لگتیں کہ کیسا الوین رہا ہے یہ اپنا جگری پار بھی مگر وہ وقت سے پہلے اس پر اپنا آپ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا

وہیں نئے دل کے قرآن تمام کہتے ہیں وہ اک ٹپش کہ جسے ترا نام کہتے ہیں سیٹھ کریم بخش مع اپنی بیٹی سارہ کے ہوٹل میں اسے بیٹھا نظر آئی گیا۔ سیٹھ شاہد حسین بھی ان کے

نظریں بار بار بے تابی سے گیٹ کی طرف اٹھ جاتیں۔ وہ خوبھی بہار کا اک حصہ معلوم ہو رہی تھی۔ اس کے رخساروں کے گلاب کھمرے کھمرے لگ رہے تھے اور آنکھیں عجیب سی لودے رہی تھیں۔

جو مہی ناصر کی کارپوریج میں تیزی سے داخل ہو کر آڑکی تو یکدم سارہ کا دل دھک دھک کرنے لگا وہ سرخ ہوئی۔ اس ایک تابندہ لمحے کا اس کو صبح سے انتظار تھا۔ جب کار سے اتر کر قدم قدم چلتا ناصر اس کے سامنے آکھڑا ہوا تو سینٹھ شاہد حسین کی پذیرائی میں اس کے گلاب کی پتیوں جیسے ہونٹ مسکرائے اٹھے اور اس کی روح کی گہرائیوں میں نعموں کا ایک سروش سا گونجے لگا اور شاہد حسین کے ہمیں میں ناصر ایک لمحہ کوڑکا اس نے غور سے اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیا۔ وہی چار دیواری، وہی مٹی، وہی گھاس، وہی پھول، وہی فوارہ، وہی سنگدل مرمریں جیکر اور اس کے دل کے سناٹوں میں سے ایک وحشی پکارا۔

”اٹھاؤ پھر ان ہاتھوں میں اور کرو پھر او اس منظر پر کیونکہ یہ وہی مقام ہے جہاں تمہارے معصوم خواب ریزہ ریزہ ہو کر کھمرے تھے۔ کیونکہ اس وقت تم ایک چمکتی دکتی سپورٹس کار سے اترنے کے بجائے قدم قدم چل کر اس کو چپے میں آئے تھے۔ اس وقت تمہارے ہاتھوں پر زر و جواہر کے بجائے ایک محبت بھرے معصوم دل کا توشہ دھرا تھا اور چونکہ اس منڈی میں احساسات جذبات زر و جواہر کے پلڑے میں رکھ کر تولے جاتے ہیں اس لئے تمہارا دل اٹھا کر خاک پر پھینک دیا گیا قدموں تلے روند دیا گیا اور تمہارا وجود پامال و برباد کر دیا گیا۔“

لیکن پھر جلد ہی اس نے اندر کے اندھیروں میں چھپے تاحست و تاراج ناصر اور باہر کے سینٹھ شاہد حسین کے درمیان ایک دبیز پردہ حائل کر دیا اور چہرے پر ایک روشن اور دلکش مسکراہٹ سجائے ہوئے پوچھا۔

”کچھ سچ کا کاروبار ہے میرا شاید آپ میری شراکت اپنے ساتھ پسند فرمائیں۔ میرے کاروبار میں۔ بلکہ آپ یوں کریں کہ کل رات کا کھانا میرے ساتھ تناول فرمائیں۔ اس طرح گپ شب بھی ہو جائے گی۔ اور ہمیں آپ کی خدمت کا موقع بھی مل جائے گا۔ جی؟“

بظاہر وہ بڑے اخلاق کا مظاہرہ کر رہا تھا مگر ناصر صاف محسوس کر رہا تھا کہ وہاں اخلاق کے علاوہ بھی کوئی بات ہے اور سارہ نے تو جن نگاہوں سے اسے دیکھا ناصر کے دل کی دھڑکنیں بے ربطی ہونے لگیں۔ سارہ کا چہرہ اس کے دلی جذبات کی چٹلی کھا رہا تھا۔ اس کے رخساروں میں ایک آنک سی دہک رہی تھی اور رخسار آلود آنکھوں میں اٹھانے سے خواب نظر آ رہے تھے۔

”تم وہی شخص ہو مگر تب تمہارے نام کے ساتھ سینٹھ کا لیبل نہ تھا ناصر اور صرف اسی تصور کی بنا پر اس لڑکی نے تمہیں زعمہ درگور کر دیا تھا اور آج اس کی غمخوڑ لگا ہوں کی تمہاریاں تمہارے خوشنما سراپے کے گرد نہیں بلکہ تمہارے ہینک بیلنس پر اڑ رہی ہیں۔“ یہ خیال آتے ہی ناصر کے ذہن کو جیسے سیاہ ناگ نے ڈس لیا۔ اس کا چہرہ حقیر ہونے لگا اور نفرت کی ایک سنگدہر اسے شراپور کر گئی مگر ناصر کو اپنے احساسات پر کنال کا کنٹرول تھا اور دوسرے وہ اب سینٹھ شاہد حسین تھا اور اس روپ میں وہ سینٹھ کریم کے گھر ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا۔ کہاں ایک وقت تھا کہ وہ وہاں دو کوڑی کا گھنٹا ملازم سمجھا جاتا تھا اور کہاں یہ عالم کہ وہ آتا تو سارہ اس کے راستہ میں بچھ بچھ جانی اور اگر وہ نہ آتا تو فون پر فون کرتی۔

ان دنوں پھر بہار پورے جوین کے ساتھ سینٹھ کریم کے لان میں اتری ہوئی تھی۔ رنگ برنگے پھولوں کی خوشبو ہر طرف سرسرا رہی تھی اور موتی نکھیرتے فوارہ کے قریب ایزل رکھے سارہ کسی تھنور میں رنگ بھر رہی تھی۔ ساتھ ساتھ ہی اس کی

تھی شام کی خشک مشنبار ہواؤں کے لطیف جھوٹے
اس کے بالوں سے کھیل رہے تھے۔ اسے یہ لگات
نہایت حسین و دلکش محسوس ہو رہے تھے اور اس کی
رگ رگ میں اک نشا ایک کیف سا دوڑ رہا تھا۔
اس کا جی چاہ رہا تھا کہ شاید اسی طرح ڈرائیو کرتا
رہے اور وہ اسی طرح سردی کے عالم میں کار کے
ساتھ ساتھ دوڑتے نظروں میں گم رہے۔

لیکن اسے کیا خبر تھی کہ جن کا ساتھ اس وقت
اس کے لئے اس کے من کا سمہ بنا ہوا ہے وہ خود کو
کی چادر اوڑھے تا مراد کی دھوم بھرے راستوں پر
گامزن ہے۔ اس کے کہناتے ہونٹ کچھ کہنا چاہ
کر بھی کچھ نہیں کہہ پا رہے۔ اس کی مجروح آنکھوں
میں ٹوٹے خوابوں کی سنگدل کرچیاں پیوست ہیں
اور اس کا دل چار کی حلاوت سے خالی ہے۔ اس
فقر کی خالی پینے کی طرح جو کسی شہزادے کے ہاتھ
سے گر کر کسی کوئے کھدرے میں اوندھا پڑا ہوا اور پھر
سازہ نے دیکھا کہ سینہ شہد حسین کے حسین اور
جسیدہ چہرے پر پر چھائیاں کی نیر رہی ہیں اور وہ
ساکت جیتا بالکل سامنے دیکھ رہا ہے اس کے
بجز بے چین ہوئے ہیں اور سینہ بگ کو تھامے ہاتھوں
کی گرفت میں قدر مضبوط ہوئی ہے جیسے سینہ بگ کو
ہیں ہی ذائقے کے نجانے اس کے ذہن میں انتقام
کے ایسے ایسے آتشیں بولے رقص کر رہے تھے جو کہ
اس کا تن من تھلسائے دے رہے تھے۔

سازہ ہم ہی تھی نور اسکے دل میں دوسرے سے
سراٹھانے لگے۔ اچانک ہی ناصر نے بریک لگا کر
کار روک دی اور سازہ کا سر ڈیش بورڈ سے ٹکراتے
ٹکراتے پھرتے۔ سازہ نے ہنسی جیج ماری اور سر دونوں
ہاتھوں میں تھام لیا۔

(جاری ہے)

”سیٹھ صاحب کہاں ہیں؟“

”وہ..... وہ تو جی کل سے سنگاپور گئے ہوئے
ہیں۔“ سازہ لجا کر یوں۔

”کب تک واپسی ہے؟“ ناصر نے پھولوں
کے تختے پر نظر بھرتے ہوئے پوچھا۔

”شاید دو تین دن تک میرا خیال ہے آج رات
فون پر ہی وہ اپنا بیج پر وگرام بتائیں گے۔“ سازہ
نے برٹس ہاتھ سے رکھتے ہوئے کہا۔

”کیا بتا رہی ہیں؟“ ناصر نے ایزل پر نگے
ہاتھوں کی سرسبز قطاریں سرا بھار ہی تھیں۔
درختوں کی سرسبز قطاریں سرا بھار ہی تھیں۔

”میرا خیال ہے کوئی جنگل بنا رہی ہیں لیکن چار
دیواریں میں گھرا ہوا انسان قدرتی نکارے کیا بنائے
گا۔ اسے بھی ہر چیز کے عمل کرنے کے لئے پورا
ماحول چاہئے ہاں تو کیا خیال ہے کچھ وقت گھومنے
پھرنے میں نہ گزارا جائے۔؟“

یہ سن کر سازہ کی روح تک جھوم اٹھی وہ دلربا یا نہ
انداز میں یوں۔ ”آپ کہیں اور ہم نہ جائیں۔“

”تو پھر ٹھیک ہے چلئے۔“ ناصر نے اپنی کلائی پر
بندھی ٹھری کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”میں ذرا کپڑے بدل لوں۔“ یہ کہتے ہوئے
سازہ اندر چلی گئی۔

اور جب تھوڑی دیر کے بعد باہر آئی تو ہلکی گلابی
سائزی میں وہ تازہ مہکتا گلاب لگ رہی تھی اس میں
ٹھک نہ تھا کہ وہ دنیا کی حسین ترین لڑکیوں میں سے
ایک تھی اور اسے دیکھ کر ناصر کو پیشہ یہ محسوس ہوتا تھا کہ
شاید اسے پہلی بار ہی دیکھ رہا ہو اور آج اسے پھر اتنے
قریب دیکھ کر اس کے ذہن میں ایک اپنل سی چلنے لگی۔

کار ان دونوں کو ایک آنجانے جھوٹے کی
طرح آرائے لئے چار رہی تھی۔ وہ ناصر کے پہلو
میں ایک بے خودی کی سی سرشار کیفیت میں گم جیٹھی

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ پیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شرٹک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

✦ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

✦ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

مستقل اہمیت کی حامل معیاری اور ثقافتی ترجمان

سپارہ ڈائجسٹ

جولائی 2015

حکمت



مضمون نگار: مولانا سید محمد رفیع

راز کی حکمت

JMAD

Scanned By Amir

